وحدہٗ لا شریک

محمد سلیم ساقی

وحدہٗ لاشریک

محمد سلیم ساقی

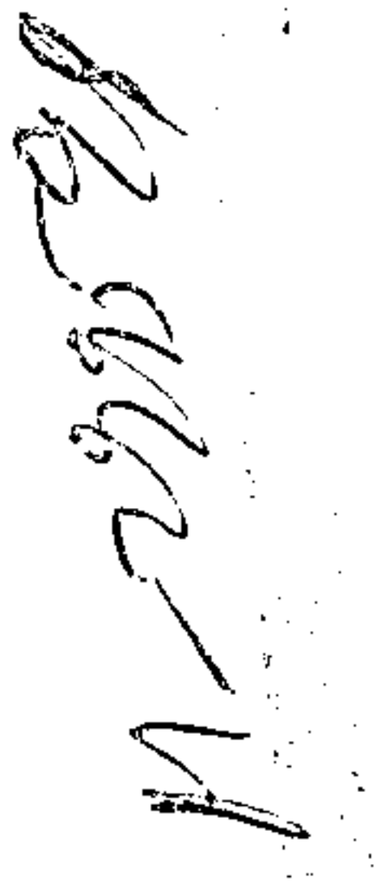

دار النوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰ / ۰۴۲۳۷۳۰۰۵۰۱

160065

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۸ء

نام کتاب: ..... وحدہٗ لاشریک

مصنف: ..... محمد سلیم ساقی

ناشر: ..... دار النوادر

مطبع: ..... عمیر، عثمان، شفیق پرنٹرز

صفحات: ۲۸۰

جلد ساز: ..... بنیامین

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز،
مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Ktabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

انتساب

شاعر مشرق، حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے نام

حُسنِ ترتیب

پیش لفظ		13
باب اول:	شِرک کیا ہے؟	19
شرک کی ابتدا	..	22
مُشرک قوموں کے پنجتن		23
بتوں سے مُراد		24
شرک سب سے بڑا ظلم (جرم، ناانصافی)		25
ارتکابِ شرک پر قرآنی وعیدیں		28
شرک سے کلیتہً بچنے کا صلہ		30
شرک کی اقسام۔ شرکِ اکبر، شرکِ اصغر یا شرکِ جلی، شرکِ خفی		30
بابِ دوم:	شرک فِی الذّات	33
یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کی مماثلت در شرک فی الذات		41
''حضورؐ نُور مِن نّور الله''۔ روایات		43
روایات کا تقابلی اور منطقی جائزہ		44

نور سے مراد قرآن کہ حضور علیہ السلام (سورہ المائدہ، ۱۵، ۱۶) 47

نور از روئے قرآن مجید: اللہ نور قرآن نور، توریت وانجیل نور، چاند نور 49

نور بمعنی اسلام، نور بمعنی ہدایت (اجالا)، نور بمعنی توفیق وبصیرت، نور بمعنی روشنی 51

نور اللہ کی تمثیل (النور: ۳۵) 54

حضورؐ نور کہ بشر؟ اَلقرآن واَلحدیث 55

''حضورؐ کا سایہ نہ تھا'' روایت 60

حضورؐ کا سایہ۔ احادیث مبارکہ 63

نور (ی) افضل کہ بشر؟ 63

باب سوم: شرک فی الصّفات 69

۱۔ ''حضورؐ علام الغیوب/کلی غیب دان''۔ بحث وتمحیص 73

علم غیب کی نفی از روئے احادیث مبارکہ 86

۲۔ ''حضورؐ الحاضر والناظر'' 92

قولی شہادت 93

عملی شہادت 93

اخروی شہادت 94

''شاھد، شھید'' کے مختلف معانی 95

گواہ کی اقسام: 97

حضورؐ سرور کائنات شاھد علی الامۃ۔۔ از روئے قرآن مجید 99

منطقی دلائل (حضورؐ کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر نہ ہونا) 99

اللہ تعالیٰ کی صفات حاضر وناظر از روئے قرآن مجید 101

باب چہارم: شرک فی الاختیار 103

۱۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو قادر و مختار تسلیم کرنا اور خدائی تصرفات کا حامل ٹھہرانا 104

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی (نبیؐ، ولی، پیر وغیرہ) کو مشکل کشا، حاجت روا اور نفع وضرر کا مالک تسلیم کرنا۔ 107

۳۔ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور انھیں اللہ کے ہاں سفارشی (دُنیا میں) 115

۴۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو ''قاسم رزق'' تسلیم کرنا۔ 158

۵۔ اللہ کے ہاں قبولیت دعا کے لیے حرام وسائل پکڑنا۔ 163

باب پنجم: شرک فی الحقوق 171

حقوق اللہ کی تفصیل 173

۱۔ ایمان باللہ 173

۲۔ بادشاہت حکمرانی اللہ کی 174

۳۔ عبادت اللہ کی (جسمانی، مالی اور قلبی وروحانی) 176

عباداتِ قلبی آلودہ از شرک 178

۱۔ تقویٰ 178

۲۔ توکل 183

۳۔ شُکر 188

۴۔ صبر 194

۵۔ ذکر 197

۶۔ توبہ، استغفار 202

۷۔ دُعا 204

باب ششم:	شرکِ اصغر	207
شرکِ اصغر یا شرکِ خفی کی صورتیں:		
۱۔ فرقہ پرستی		207
۲۔ نفس پرستی		216
۳۔ تکبر		222
۴۔ ریاکاری		231
۵۔ اکابر وسادات پرستی، مشائخ وپیراں پرستی،	شخصیت پرستی	238
۶۔ غیراللہ کا خوف		245
باب ہفتم:	بدعت	251
بدعت کے معانی: لغوی اور اصطلاحی معنی		251
بدعت سازی کے طریقے		252
بدعت کی تاریخ		253
☆ رائج الوقت بدعات، اُن کی نامعقولیت اور انتباہ		254
☆ بدعت سے اجتناب اور اس کے برے نتائج		265
i۔ قرآن کی روشنی میں		265
ii۔ ارشاداتِ نبویؐ		266
iii۔ فرموداتِ صحابہؓ		269
iv۔ اقوال بزرگان دین		271
v۔ چھٹا کلمہ		273
vi۔ خطبۂ جمعہ		273

	بدعت سازی کی وجوہات اور خرابیاں	274
i۔	رسولؐ اللہ پر خیانت کی تہمت لگانا	274
ii۔	دین عہدِ رسالت میں مکمل نہیں ہوا تھا	274
iii۔	بدعت تحریف دین کا راستہ	275
☆	ایمان کے درجات:	276
☆	شیطان کامیاب اور خوش ہو گیا	276
☆	بدعت حسنہ کیا ہے؟	277
☆	تراویح کی حقیقت	278
☆	بدعت کی جاہلانہ تعریف	279

☆☆☆

پیش لفظ

قرآن مجید کا معتد بہ حصہ توحید، اللہ تعالیٰ کے صفات، اس کے اختیارات، اس کے حقوق، شرک، اہل شرک اور ان کے انجام پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تنہا لائق عبادت ہونے، ذات وصفات میں واحد، یکتا اور بے مثال ہونے، اسماءِ حسنیٰ میں منفرد اور نادر ہونے کا علم رکھنے اور پختہ عقاید کے ساتھ تسلیم و اقرار کرنے کا نام توحیدِ مطلق ہے۔ اس کے برعکس شرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ہستی کو عبادت کے لائق سمجھنا یا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرکت کا حامل سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ہستی کے نام پر قربانی یا نذر ونیاز دینا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے اس ظاہری سلسلۂ اسباب سے الگ یا ماورا سمجھتے ہوئے اس سے طلب حاجات کرنا اور مدد مانگنا یا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کسی دوسری ہستی کو متصرف سمجھنا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد توحید کا درست مفہوم آشکار کرنا، شرک اور بدعت کے متعلق پائے جانے والے گمراہ کن تصورات اور ان سے جنم لینے والی خلاف اسلام سرگرمیوں کی بیخ کنی کرنا ہے۔ توحید اسلام کا اساسی رکن ہے اور اس عقیدے کو درست طور پر سمجھے اور اپنائے بغیر ایمان کا حصول ممکن نہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کی ترویج واشاعت کے لیے تمام پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے اور ان کی تمام تر جدوجہد اور کدوکاوش کا اصل مقصد شمع توحید جلا کر دنیا سے شرک کے اندھیروں کو ختم کرنا تھا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن میں توحید کا جو مفہوم بیان کیا گیا اور پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اس

کا پرچار فرمایا ہے اس کا اصل مفہوم اور اس کی ماہیت کیا ہے؟۔ میں نے اسی اہم سوال کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کی ہے۔ افسوس کہ ہم نے قرآن کے واضح احکامات کو تاویل کے ہتھیار ذریعے پاژند بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ کتاب کسی فرقہ ورانہ تعصب سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا مقصد ہرگز کسی کی دل آزاری نہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ انداز سے گریز کیا جائے اور تحقیقی طریقہ کار کو اولیت دی جائے اور دلائل و براہین کے ذریعے موقف پیش کیا جائے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر زیادہ تر کتب میں فرقہ ورانہ مناظرہ بازی کا رنگ غالب ہے۔ جس کا یہ نقصان ہوا کہ امت میں تقسیم کا عمل تیز تر ہو گیا۔ حالاں کہ توحید کے مفہوم کو درست طور پر سمجھنے اور اپنانے کا نتیجہ قوم کی وحدت ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ علما و فضلا نے اس خوف سے کہ ان پر فرقہ واریت کا الزام ہی نہ آجائے اس حساس موضوع پر لکھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ یہ بھی درست رویہ نہیں۔ حق پرستی وحق گوئی کو مصلحت پرستی کی نذر نہیں ہونے دینا چاہیے۔ حکیم الامت، دانائے راز علامہ محمد اقبال نے غیر اللہ سے خوف کھانے کو شرک کے مترادف قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

ہر کہ رمز لاالہ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

اس کتاب کا مقصد عقاید کی اصلاح ہے اور امت مسلمہ حقیقت کو فراموش کر کے جن خرافات کا شکار ہو گئی ہے اور روایات میں کھو کر رہ گئی ہے اس کی درست سمت نمائی ہے۔ آج کا مسلمان افراط وتفریط کا شکار ہے۔ کبھی وہ جذبات سے حد درجہ مغلوب ہو جاتا ہے اور کبھی عقیدت کی رو میں ایسا بہتا ہے کہ عقیدہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ عدل یہ ہے کہ ہر شے کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے۔ کتاب کا دوسرا حصہ بدعت کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ بدعت کو قرآن حدیث کی روشنی میں پرکھا جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ وہ کون کون سی بدعات ہیں جنھیں ہم نے دین کا اصل حصہ قرار دے کر اس میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس کی خالص صورت کو مجروح کرنے کی کوشش

کی ہے۔ بگاڑ اس وقت جنم لیتا ہے جب ہم کسی خالص شے کو ناخالص کرنے کی کوشش کرتے ہیں چاہے یہ کوشش دانستہ ہو یا نادانستہ یا ہزار عقیدت کے رنگ میں کی جائے۔ بدعات دراصل وہ سرگرمیاں ہیں جن کو مذہبی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے مگر جن کا دین سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ اشد ضروری ہے کہ ان سے دین کی تطہیر کی جائے اور اس دین کو اس کی اصل شکل میں بحال کرنے کی کوشش کی جائے جو قرآن کا مطمحِ نظر ہے اور حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ سے عیاں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ ہیں کہ:

۱۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ:

> ''اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو اپنے باپ پر لعنت کرے، جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے، اور اللہ اس پر لعنت کرے جو بدعتی کو پناہ دے اور اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کے نشانات مٹائے۔''

۲۔ آجری کی کتاب السنہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں اور میرے صحابہ کو برا کہا جانے لگے تو اس وقت کے عالم دین پر فرض ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر لعنت ہے اللہ کی ،فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔'' (الاعتصام۔ص ۸۸، ج:۱)

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''بلغو اعنی ولو آیة'' (پہنچادو میری طرف سے خواہ وہ ایک جملہ /بات ہی کیوں نہ ہو۔) اس فرمان کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حق بات کو دوسروں تک پہنچائے اور اس سلسلے میں کسی خوف یا مصلحت سے کام نہ لے۔ یہ فرمان الہیٰ ہے کہ ''نیکی و اچھائی کا حکم دو اور اور بدی و برائی سے روکو۔'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل نہ کیا جائے تو معاشرے میں بگاڑ اور فساد جنم لینے لگتا ہے۔ اس پر قدغن لگانے اور حق گوئی کے بجائے روباہی کی تلقین کرنے والوں سے اللہ ہی سمجھے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ملوکیت، ملائیت اور نام نہاد پیری کو زوال امت کے بنیادی اسباب قرار دیا ہے:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میری طرف سے صوفی و ملا کو سلام ہو کہ انھوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا لیکن انھوں نے دین کی وہ تاویل کی کہ خدا، جبرائیلؑ اور حضور نبی کریم ﷺ کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ مفسر ملت بیان دلپذیر کے ذریعے اپنے مطلب کی اختراع کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے:

شیخ ملت با حدیث دلنشیں
بر مراداو کند تجدید دیں

علامہ اقبال نے ان مفسرین کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو واضح قرآنی ارشادات کو تاویل کے ذریعے کچھ اور ہی معانی پہنا دیتے ہیں جن سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ علامہ فرماتے ہیں:

احکام تیرے حق ہیں مگر تیرے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند

علامہ فرماتے ہیں کہ ہمارا شیخ برہمن سے زیادہ کافر ہے کیوں کہ اس کے دماغ میں سومنات کا مندر براجمان ہے:

شیخ ما از برہمن کافر است
زانکہ او را سومنات اندر سرست

اسی شیخ کے متعلق وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادرِ زہرا

امت مسلمہ کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ فرقہ واریت ہے اور اس کی بنیادی وجہ قرآنی احکامات سے رو گردانی اور ان کی من مانی تاویلات ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی فرقہ ورانہ فساد کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے فرمایا ہے:

دین کافر فکر و تدبیر و جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

مولانا الطاف حسین حالی نے فتنہ شرک کے داعی علمائے سوء کے ایمان کی بہت عمدہ تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پہ کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مولانا ابوالکلام آزاد نے سچ فرمایا ہے کہ ''مسلم مفسرین نے جب دیکھا کہ وہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو انھوں نے کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔'' اکبر الہ آبادی نے کہا ہے کہ ''قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے ہم لوگوں پر راویوں کا لشکر ٹوٹا۔''

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ علمائے سوء نے سند اور معیار کو نظر انداز کیا، حقیقت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے افسانہ طرازی کو اپنا شیوہ بنایا، وہم و گمان کو قانون کا درجہ دیا اور دین کو محض مذہب کا درجہ دے کر اس کی باگ ڈور ملّا کے ہاتھ تھما دی جس نے سستی شہرت، جاہ طلبی اور چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر عوام کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ چناں چہ ملّاؤں اور نام نہاد علما نے من گھڑت اور موضوعہ احادیث اور روایات کا انبار لگانا شروع کر دیا، قرآن میں تحریفات معنوی اور تاویلات بے جا کو معمول بنا لیا اور دین کی اصل روح کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ایک شے نے روز افزوں ترقی کی اور وہ ہے فرقہ واریت اور شخصیت پرستی جو شرک ہی کی اقسام ہیں۔ بقول شاعر:

دین برحق یا نبیؐ فرقوں میں بٹ کر رہ گیا
اپنا دامن اپنے ہی ہاتھوں پھٹ کر رہ گیا

محمد سلیم ساقی

☆☆☆

باب اول: شرک

شرک بہت وسیع المعانی لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی چمٹے رہنا، خلط ملط ہونا اور ساجھی ہونا کے ہیں۔قرآنی اصطلاح میں شرک کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اختیارات اور حقوق میں کسی اور ہستی کو اس کا جز ہمسر اور شراکت دار قرار دینا۔اسے شرک جلی یا شرک اکبر کہا جاتا ہے۔علاوہ ازیں اللہ تعالے کی اطاعت اور محکومیت میں غیر خدائی قوتوں کو شریک کرنا، اسے راضی اور خوش کرنے کے بجائے اس کی مخلوق کو خوش کرنا اور اپنے نفس اور جذبات کا بندہ بننا سب شرک میں داخل ہیں ایسے شرک کو شرک اصغر یا شرک خفی کہا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں شرک جب ہوتا ہے جب کسی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے اس ظاہری سلسلہء اسباب سے الگ غیبی طور پر اپنے ارادہ اور اختیارات سے کارفرما اور متصرف سمجھا جائے۔اور اس اعتقاد کی بنا پر اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے اور اسے راضی کرنے کے لیے اس کی عبادت کی جائے۔شرک توحید کی ضد ہے۔قرآن مجید کی بنیادی تعلیم شرک کو مٹانا اور توحید کر قائم کرنا ہے۔شرک لاعلمی اور گمراہی کا پھل ہے۔مشرک شرک کرنے والے اور شریک اللہ تعالیٰ کے نام نہاد جز، ہمسر اور ساجھی کو کہا جاتا ہے۔پتھر مٹی اور دھات کے تصوراتی بت، انسانی ہستیاں (انبیاء واَولیاء) آتشکدے اور ستارے وغیرہ کو اللہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ معبود مطلق ہے اور اس کی عبادت لازم ہے۔عبادت کے معنی محکومیت کے ہیں۔زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کی محکومیت اختیار کرنے سے ہی انسان عَبد کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز اللہ کی تکوینی (جبری) عبادت کر رہی ہے اور یہ ایسی عبادت ہے جس پر ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔انسانی اعضا بھی اس تکوینی عبادت میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا○(بنی اسرائیل : ۴۴)

ترجمہ: ''اس کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو اس میں ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر وہ تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ لیکن تم نہیں سمجھتے ان کی تسبیح کو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تکوینی (جبری) عبادت کے لیے تخلیق نہیں کیا بلکہ وہ تشریعی (اختیاری) عبادت ہے جس کے لیے اس کو دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ نے انسان کو زمین پر جو اختیارات دیے ہیں اور صلاحیتیں بخشی ہیں ان کو اگر صرف اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے تو یہ اس کی تشریعی عبادت ہوگی۔ اس عبادت میں کسی قسم کی ملاوٹ ارتکاب شرک کہلائے گی۔ تشریعی عبادت صرف نماز روزہ اور تسبیح وتقدیس کا نام ہی نہیں بلکہ یہ زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تعمیل ہے۔ قوانین خداوندی کو انسان کے خودساختہ قوانین کے برابر سمجھنا شرک عظیم ہے۔

شرک کے لیے ضروری ہے کہ شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق، مالک، رازق اور معبود تسلیم کرتا ہو۔ اگر وہ سرے سے ہی اللہ کی ذات کا منکر ہے تو پھر اس نے شرک کیا کرنا ہے وہ تو مُلحد اور دہریہ کہلائے گا۔ مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ اپنے تصوراتی بتوں کو تو اللہ تعالےٰ کے ہاں اپنے سفارشی ہی مانتے تھے اور کچھ نہیں۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف بھی کرتے تھے اور اس کے باہر بتوں (انبیاء واولیاء کے) کا بھی۔ وہ اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ کو سب سے بالاتر سمجھتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ کے مملوک مانتے تھے۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ اس تمام کارخانہ ہستی کا مُنتظِم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب کی ذہنیت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○

(یونس:۳۱)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے (اے نبیؐ!) کون ہے جو تمھیں رزق دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے؟ یا کون ہے جو مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو انتظام کرتا ہے سب امور کا؟ پس وہ کہیں گے کہ ''اللہ''۔ تو کہہ دیجیے (ان مشرکوں کو) پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟'' (تو پھر ان سے کہہ دیجیے کہ شرک سے کیوں پرہیز نہیں کرتے)

مشرکین مکہ کی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ انبیاء اور کتب سماوی (توریت، انجیل) پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہودیوں نے حضرت عزیرؑ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کے بیٹے (نطفی نہیں بلکہ نسبتی) بنا رکھا ہے۔ اسی طرح کلمہ گو مسلمان بھی شرک کا ارتکاب کر کے مشرک بن جاتے ہیں۔ یہ ہمارے مجہول اصحاب النار کی غلط فہمی ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء کو مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس اور اللہ کے ہاں اپنے سفارشی سمجھ کر ان سے مرادیں مانگنے کے باوجود کسی طور شرک میں ملوث نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان مشرک نہیں ہو سکتا۔ مشرک ہو گیا تو مسلمان (ایماندار) کیسے رہا۔ ان کی یہ غلط فہمی دور کیے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ○ (الانعام: ۸۲)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ۔ انھی کے لیے ہے امن اور وہی ہیں راہ راست پر''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان لانے والے (مسلمانوں) میں اکثر کسی نہ کسی طرح شرک کا شکار ہوتے ہیں۔

وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ○ (یوسف: ۱۰۶)

ترجمہ: ''اور نہیں ایمان لاتے (مسلمان بننے والے) اکثر ان میں سے اللہ پر مگر وہ مشرک ہی ہوتے ہیں''

عام مسلمان تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ مت ہو جانا مشرکین میں سے:

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ(یونس: ۱۰۶)

ترجمہ: ''اور مت پکارو اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا نہ بُرا، پھر اگر تو ایسا کرے تو تُو بھی ہوا اُس وقت ظالموں (مُشرکین) میں سے۔''

شرک کی ابتدا

شرک کی ابتدا حضرت ادریسؑ کی اولاد سے ہوئی۔ اس سے پہلے حضرت آدمؑ سے لے کر ان کی اولاد تک شرک کا ارتکاب نہ ہوا تھا۔ صدیوں بعد حضرت ادریسؑ کو بھیجا گیا اور ان کے صدیوں بعد جب ان کی اولاد شرک میں ملوث ہوگئی تو حضرت نوحؑ (آدمِ ثانی) کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت ادریسؑ کی اولاد میں جو اللہ کے مقبول بندے پیدا ہوئے اور جن کی بعد میں دھیرے دھیرے پرستش شروع ہوئی ان کے نام بمطابق قرآن مجید یہ ہیں ۔:ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر (نوح:۲۳)

اولاد ادریس اور قوم نوحؑ کے شرک میں ملوث ہونیکی داستان بزرگوں کی زبانی کچھ اس طرح سے ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

''یہ نام (وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) حضرت نوحؑ کی قوم میں ان کے بزرگوں کے تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی (یکے بعد دیگرے) تو شیطان نے اس قوم کے بڑوں کو اکسایا کہ جہاں یہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے ناموں کے تھان بناؤ۔ انھوں نے اسی طرح کیا۔ اس وقت تو ان کی عبادت نہ ہوئی (صرف یادگاری طور پر تھے)۔ لیکن جب یہ لوگ جاتے رہے اور آئندہ لوگوں کو اصل صورتِ حال کا علم نہ رہا تو پھر ان کی (دھیرے دھیرے) عبادت شروع ہوگئی۔'' (صحیح بخاری، جلد ۳۔۷۳۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''لوگ ان بزرگوں سے ان کی زندگی میں برکت کی دعا لیتے تھے۔ ان کی وفات پر لوگوں نے ان کے دربار بنائے، تھان بنا ڈالے جنھیں دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ایک نسل تو یہی رہا۔ اگلی نسل آئی تو ان کی (بتوں کی شکل میں) پرستش شروع ہوگئی۔ یہ کُرہ ارض پر شرک کی ابتدا تھی۔'' (فتح الباری، جلد ۸، ص ۵۴۳)

قرآن میں اس شیطانی بہکاوے کا ذکر ہے۔ حضرت نوحؑ کی قوم کے سرداروں نے حضرت نوحؑ کی تعلیمات کا کھل کر مذاق اڑایا اور عامۃ الناسؔ کو گمراہ کرنے کی چال چلی۔ انھوں نے کہا کہ اپنے پنجتنوں کو نہ چھوڑنا۔

1600

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ (سورہ نوح: ۲۲،۲۳)

ترجمہ: ''اور انھوں (سرداروں) نے چال چلی بڑی زبردست۔ اور کہنے لگے تم ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑنا ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو''

اور انھوں (سرداران قوم نوحؑ) نے دین کے خلاف بڑی زبردست چال چلی کہ لوگوں کو حضرت نوحؑ کی ایذا رسانی پر اکسایا اور دین حق سے روکا۔ اور ان سے کہنے لگے کہ تم حضرت نوحؑ کے کہنے پر اپنے معبودوں کی بالعموم اور اپنے بڑے بتوں ودّ (مرد کی صورت) سواع (عورت کی صورت) یغوث (شیر کی صورت) یعوق (گھوڑے کی صورت) اور نسر (گدھ کی صورت) کی بالخصوص پرستش نہ چھوڑنا۔

درج بالا حقائق سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قوم نوحؑ کی بت پرستی اصل میں بزرگ پرستی تھی حجر پرستی نہ تھی۔ جو بھی بتوں کی تعظیم اور پرستش کرتا تھا وہ ایسا اس تصور میں کرتا تھا کہ اس کی نیاز مندی اس بزرگ کے آگے ہے اور وہی اس کے نفع ونقصان کا مالک ہے جس کی یاد میں پتھر کا یہ بت ہے۔ جس انداز سے شرک کا یہ سلسلہ شیطان نے جاری کروایا اسی انداز سے یہ آج تک رواں دواں ہے۔ وہی توجیہات، وہی حیلے بہانے، وہی شخصیت پرستی اور وہی تعظیمی حرکات۔ ان میں سرمو فرق نہیں آیا۔ البتہ مظاہر فطرت کو پوجنے والے اس سے مختلف ہیں۔ قوم نوحؑ نے پانچ بتوں یعنی حاجت رواؤں کا انتخاب کیا تھا اور بعد میں آنے والی مشرک اقوام نے بھی شیطانی چال کے مطابق اپنے بتوں یعنی حاجت رواؤں کی تعداد کو پانچ سے اوپر نیچے نہ ہونے دیا۔ مفسرین اس فلسفہ کی بنیاد ہاتھ کی پانچ انگلیاں قرار دیتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ یہ انگلیاں پنجہ کی شکل میں مضبوط گرفت رکھتی ہیں۔ ایسے ہی ان کے پنجتن مضبوط گرفت اور طاقت کے مالک ہوتے ہیں، جو چاہیں کر دیں ان کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ قارئین کی واقفیت کے لیے چند مشرک قوموں کے پنجتنوں کے نام درج کرتے ہیں۔

مُشرک قوموں کے پنجتن:۔

۱۔ بابلیوں کے مقدس پنج تن:

شمس، سن، نیبو، امرتوک، انی (ان میں سے شمس دیوی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک عربی زبان میں شمس کو مؤنث بولتے ہیں۔ بقیہ چار دیوتا ہیں)

۲۔ اشوریوں کے مقدس پنج تن:

اشور، اَنُو، بعل، ہیاَ، وَدل (یہ پانچوں دیوتا ہیں)

۳۔ قدیم مصری دیومالا کے پنج تن:

اسیرس، ہورس، اسلیس، را، اتیم (ان میں اسلیس نام دیوی ہے)

۴۔ چینی دیومالا کے پنج تن:

یانگ، آسمان، سورج، چاند، ہوا۔ (ان میں یانگ دھرتی مالا دیوی ہے)

۵۔ ہندو دیومالا کے مقدس پنج تن:

پاربتی، ہری ہرا، برہما، وشنو، مہیش ریشو۔ (ان میں پاربتی دیوی ہے)

۶۔ ایرانی دیومالا کے پنج تن:

اُمورامزدہ، انگرنیو، آگ، سورج، زمین۔ (ان میں زمین دیوی ہے)

بعض مسلمانوں نے بھی پنجتن بنا رکھے ہیں۔ اگرچہ ان پانچ ہستیوں کے کوئی تصوراتی بت نہیں ہیں۔ جو کام مشرکین بتوں اور مظاہر فطرت (چاند، سورج آگ، ہوا وغیرہ) سے لیتے تھے وہی کام ہمارے یہ مسلمان نادانستہ طور پر ان پنجتنوں سے لے رہے ہیں۔ قوم نوحؑ بھی ایک عرصہ تک اپنے پنجتنوں کی قبروں پر سجدہ ریزی کرتی رہی۔ قبروں پر جب حاضری آسان نہ رہی تو پھر انھوں نے اپنی سہولت کے لیے جگہ جگہ بت ایستادہ کر لیے۔

بُتوں سے مراد:

بتوں سے مراد پتھر، دھات، مٹی کے بت انسانی اور حیوانی شکلوں میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس چیز یا انسانی ہستی کو پوجا جائے اسے بت ہی کہا جاتا ہے۔ عربی میں مٹی، پتھر یا دھات کے بتوں کو اوثان کہا جاتا ہے لیکن قرآن مجید میں اس کا استعمال شاذ ہی ہوا ہے۔ خدا کے ماننے والے مشرکین جن بتوں کو پوجتے چلے آرہے تھے ان کے لیے قرآن میں اَلَّذِیۡنَ (جو لوگ) اور عباد (بندے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿ (الاعراف۔ ۱۹۴)

ترجمہ: ''بیشک جن لوگوں (بزرگ ہستیوں) کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے وہ بندے

ہیں (تمہاری طرح خدا کے)۔ پس بلاؤ انھیں پھر دیکھو کیا وہ تمہاری احتیاج کو پورا کرتے ہیں اگر تم ہو سچے (اپنے دعویٰ میں)''

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَ لَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَo (الاعراف:۱۹۷)

ترجمہ: ''اور جن لوگوں (بزرگ ہستیوں) کو تم پکارتے ہو (جن سے تم دعا کرتے ہو) سوائے اس (اللہ) کے وہ نہ تو استطاعت رکھتے ہیں تمھاری مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد ہی کر سکتے ہیں''

کہاں گئے ان کے اَصنام (بت)؟ بت کو انسان کے خود تراشیدہ پتھر اور دھات کے بتوں تک محدود کرنے والے اور ان بزرگ ہستیوں (اہل قبور) جن کو وہ خدائی کا حصہ دار سمجھ کر پوجتے ہیں بتوں کی صف سے نکال باہر کرنے والے فریب خوردہ احباب کو علامہ اقبالؒ کے آگے پیش کرتے ہیں:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

علامہ اقبالؒ کے ہمعصر مسلمان کیا پتھر کے بتوں، مورتیوں، دیوی دیوتاؤں، آگ، ہوا، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، ہرگز نہیں۔ پھر وہ بت کیا تھے جن کو وہ پوجتے اور جن سے مرادیں مانگتے تھے۔ وہ تھے اولیاء اللہ کے مزارات جن کا یہ طواف کرتے تھے اور جن کے آگے سجدہ ریزی کرتے ہوئے فوق الاسباب مرادیں مانگتے تھے۔ ان کے ناموں کی نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ دیتے تھے اور خدا کے ہاں ان کو اپنا سفارشی مانتے تھے۔ علاوہ ازیں ٹھگ پیروں اور طاغوت کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سب کچھ خالق و مالک و رازق و رحمان و رحیم ذات سے نا امیدی کا ماحصل تھا۔ بت اصل میں ہر اس شے کو کہتے ہیں جس کے حصول کے لیے انسان اپنا سب کچھ قربان کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے معشوق کو بھی بت کہا جاتا ہے۔ زن، زر، زمین بھی انسان کے لیے بت کا درجہ رکھتے ہیں جن کے حصول کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر صرف انھی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ شخصیت پرستی، حسب و نسب پرستی، اقتدار پرستی اور فرقہ پرستی بھی بتوں میں شامل ہیں۔

شرک سب سے بڑا ظلم (ناانصافی، جرم)

اسلام میں عقاید و اعمال ہر دو لحاظ سے شرک سب سے بڑا اور نا قابل معافی گناہ اور جرم ہے۔

حقوق اللہ کی خلاف ورزی جرم کہلاتی ہے اور شرک حقوق اللہ کی بدترین خلاف ورزی ہے۔اللہ تعالیٰ کی معبودیت اور الوہیت میں کسی اور کو شریک ٹھہرانے سے بڑا اور کون سا جرم ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ O (شرک سب سے بڑا ظلم ہے)۔قرآن مجید میں متعدد بار شرک کو ظلم اور مشرک کو ظالم کہا گیا ہے۔ظلم سے مراد زیادتی، ناانصافی اور حق تلفی کے ہیں جو کہ جرم کے زمرے میں آتے ہیں۔قرآن مجید میں کفار و مشرکین کے لیے ''ظٰلِمین'' اور ''مجرمین'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ہمارے مترجمین قرآن ان دونوں الفاظ کے لیے ''گنہگار'' ہی استعمال کرتے ہیں یعنی ظلم اور جرم کے معنی ''گناہ'' ہی کرتے ہیں جو کہ نامناسب ہے۔ گناہ فارسی کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر چھوٹی، بڑی حکم عدولی کے لیے بلا امتیاز استعمال ہوتا ہے اگرچہ اس امتیاز کے لیے علماء نے کبیرہ اور صغیرہ کے لاحقے اور سابقے لگا رکھے ہیں۔لیکن تراجم قرآن میں صغیرہ و کبیرہ کا استعمال نہیں کرتے۔''صرف گناہ'' ''گنہگار'' ہی لکھتے ہیں۔ بندہ کا کہنے کا مطلب یہ ہے شرک ایک جرم عظیم ہے نہ کہ گناہِ کبیرہ۔گناہ ہائے کبیرہ اور بھی بے شمار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے مگر شرک کو قطعاً نہیں بخشے گا۔اللہ تعالیٰ اس بارے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط.....O(النساء:۱۱۶)

ترجمہ: ''بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کو چاہے''۔

شرک کی اس سنگینی کو حافظ محمد اسحٰق دہلوی بڑے خوبصورت انداز میں اپنے منظوم کلام میں پیش کرتے ہیں:

شرک ہی دنیا میں اک وہ ظلم ہے — جس کے ہم پلہ نہ کوئی جرم ہے
ساری باتیں عفو ہیں انسان کی — اس میں بس توہین ہے رحمٰن کی
ہر کبیرہ کو وہ کرتا ہے معاف — شرک کے بارے میں ''نا'' کہتا ہے صاف

ظلم سے مراد ناانصافی اور زیادتی ہے جو ایک تو انسان نے اپنے معبود حقیقی سے روا رکھی ہے، دوسرے اپنی ذات سے، تیسرے ان بتوں سے جن (پتھر، دھات کے بتوں اور انسانی ہستیوں) کی یہ پرستش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے ناانصافی یہ کہ اس (اللہ) نے انسان کو جوہر عقل و شعور سے آراستہ کر کے اپنا خَلِیفَۃُ اللّٰہ فِی الاَرض مقرر فرمایا، فرشتوں سے اس انگارۂ خاکی کو سجدہ

تعظیمی کروایا۔ دیگر مخلوقات کو کن فیکون (ہوجا۔ پس وہ ہوگیا) کے تحت پیدا کیا مگر آدم کو اپنے تمثیلی ہاتھوں سے مٹی کے گارے سے بنایا ''اپنی صورت پر'' اور اسکی شکل ونہاد کو اَحسن تقویم کہا مگر اس حضرت انسان نے اپنے مربی ومعبود حقیقی کی قدر نہ کی۔ اس کے کئی لا یعنی شریک بنا ڈالے، اسکے بیٹے، بیٹیاں، جز اور ہمسر بنا ڈالے۔ اس (اللہ) کی اطاعت کو چھوڑ کر طاغوت کی اطاعت اور پرستش شروع کردی۔ اللہ سے مایوس ہوکر دوسروں کے وسیلے ڈھونڈنے لگ گیا۔ اپنی ذات سے ناانصافی یہ کہ اتنے بڑے مقام پر فائز ہوجانے کے بعد بھی یہ اپنے ہی ہاتھوں سے اسفل السافلین کے مقام پر جا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے رشک ملائک تعلقات کو معبودان باطل کی بھینٹ چڑھا کر ذلیل ورسوا ہوا۔ اپنے ہی ہم جنسوں اور گھٹیا مخلوقات کی پوجا پاٹ کر کے اس نے خود کو ''اشرف المخلوقات'' کے مقام سے گرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک در کا سوالی ہوتے ہوئے یہ ناہنجار ردر در کا سوالی بن گیا۔ مخلوقات (جاندار، بے جان) پر زیادتی یہ کہ حضرت انسان ان کی پرستش کر کے یعنی ان کو اپنا معبود بنا کر ایک تو انکی تخلیقی حیثیت کو گزند پہنچاتا ہے یعنی ان کو مخلوق کے بجائے خالق کا درجہ دیتا ہے یا عبد کے بجائے معبود بناتا ہے۔ دوسرے یہ بُت اور انسانی ہستیاں انسان کے ان کرتوتوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کو ہمارے خلاف زیادتی کرنے سے روک۔ اس سے بڑی زیادتی پتھر وغیرہ کے بتوں سے اس وقت ہوگی جب انہیں مشرکین کے ساتھ جہنم کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلاًo (الاحزاب: ۷۲)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے پیش کی اپنی امانت (خلافت ارضی) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کا ذمہ اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور ذمہ اٹھالیا اس کا انسان نے بیشک وہ تھا بڑا ظالم اور بڑا نادان''۔

بیشک مشیت ایزدی ازل میں اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اپنی ایک امانت عظیمہ (ادراک حقائق عالم۔ ایمان وہدایت) اپنی مخلوقات میں سے کسی ایک کے سپرد کر کے اس کا رتبہ سب سے بڑھا دے مگر کوئی مخلوق فطرتاً اس بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھی حتیٰ کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں جیسی مخلوقات کی فطرت نے بھی اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور حضرت انسان جس کو فطری طور پر جوہر عقل عطا ہوا تھا اس نے اس بار امانت کو اٹھانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ یوں اس نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور بڑا ہی نادان

(بدھو) تھا کہ اس کی مشکلات کو نہ سمجھ سکا۔ ظلم کا معنی یہاں بھی ناانصافی ہے جو اس حضرت انسان نے اتنی بڑی امانت اٹھا کر اپنے ساتھ کی اور جاہل اور نادان اس لیے کہ اس بار امانت (اشرف المخلوقات) کا حامل ہو کر بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا اور خیانت کر کے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ امانت کا مطلب ہے پرائی چیز رکھنا اپنی خواہش روک کر۔ بہر حال ''مَیں'' کہنے پر قربانی کا بکرا بن بیٹھا۔ یہی منشاء الٰہی تھا۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قُرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

(آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا تو قرعۂ فال مجھ دیوانے (انسان) کے سر آیا)

کیوں اور کیسے انسان پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی گئی پر بحث کو چھوڑ کر اسے (انسان کو) بدل و جان اس ذمہ داری کو نہ صرف بھلانا نہیں چاہیے بلکہ اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے۔ علامہ اقبالؒ نے انسان کی اپنی امانت عظیمہ سے بے خبری کے بارے میں سچ فرمایا ہے:

اے امینے از امانت بے خبر!

(اے بار امانت کے امین (انسان)! تو اپنی امانت سے بے خبر ہے!)

علامہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ انسان زمین پر، اللہ کا خلیفہ ہے اور اسے اللہ کی عطا کردہ امانت کا حساب کتاب دینا پڑے گا۔

یہاں تک تھیں شرک کے ایک ظلمِ عظیم (ناانصافی، زیادتی، جرم) ہونے اور انسان کے ناشکرا ہونے کے متعلق چند اہم باتیں۔ اب اس جرم کی ممانعت اور اس کے ارتکاب پر قرآنی وعیدیں قلم بند کرتے ہیں۔

ارتکاب شرک پر قرآنی وعیدیں

i. وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًاO (بنی اسرائیل: ۳۹)

ترجمہ: ''اور نہ بناؤ ساتھ اللہ کے کوئی معبود دوسرا کہ ڈالے جاؤ دوزخ میں ملامت کیے ہوئے، دھتکارے ہوئے''۔

ii. .....فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِO حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّيْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○(الحج : ۳۰، ۳۱)

ترجمہ:۔۔۔۔پس بچتے رہو ناپاکی سے بتوں کی اور بچتے رہو بات جھوٹی سے ○ یک رخ ہوکر اللہ کے لیے، نہ ٹھہراتے ہوئے کسی چیز کو شریک اس کا اور جو کوئی شریک ٹھہرائے اللہ کے ساتھ پس گویا وہ گرا آسمان سے، پھر اچک لے جائیں اس کو پرندے (مردار خور) یا لے جا کر گرادے اس کو ہوا کسی دور کے مکان میں''۔

iii. .... اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ (المائدہ: ۷۲)

ترجمہ:۔۔۔۔''بیشک جو کوئی شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں ظالموں (مشرکوں) کی مدد کرنے والا''

iv. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ○

(النساء : ۴۸)

ترجمہ:''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جو کوئی شریک ٹھہرائے اللہ کا اس نے لگایا جھوٹا الزام اللہ پر بہت بڑا''

بلاشک اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس کے سوا دوسرے جرائم میں سے جسے چاہے گا بخش دے گا کیونکہ اس کی ذات وصفات وقدرت وحقوق میں کسی اور کو اس کا شریک ٹھہرانا اس پر بہت بڑا اِفترا باندھنا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ (النحل : ۳، ۴)

ترجمہ:''پیدا کیا اس نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت سے۔ وہ برتر ہے اس سے جو وہ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ پیدا کیا اس نے انسان کو نطفہ سے تو یکا یک ہوگیا وہ

جھگڑنے والا کھلم کھلا"

اس نے آسمانوں اور زمین کو حقیقی مصلحت سے پیدا کیا کہ انسان قوانین فطرت کے مطابق اس سے متمتع ہو کر اس (اللہ) کی عبادت کریں اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہرائیں کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات والوہیت میں شرک سے پاک ہے۔ایسا قادر مطلق ہے کہ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا۔اب یہی آدم کا بچہ اس خالق کے بارے میں کھلم کھلا جھگڑا کرتا ہے۔

شرک سے کُلیۃً بچنے کا صلہ:

جہاں ارتکاب شرک پر بڑی سخت وعیدیں رقم کی گئی ہیں وہاں شرک سے خالصتاً بچنے کا صلہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدیث قُدسی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

"اے آدم کے بیٹے !اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ لے کر آئے اور پھر تُو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تُو نے میرے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس زمین کی وسعتوں بھر بخشش لے کر آؤں گا"۔

(ترمذی۔کتاب الدعوات۔فصل التوبہ والاستغفار،حدیث نمبر ۳۵۴۰)

شرک کی اقسام:

صحت کے لحاظ سے شرک کی دو قسمیں ہیں۔ایک شرکِ اکبر دوسری شرکِ اصغر اور پہچان کے لیے ایک شرکِ جَلی دوسری شرکِ خفی۔شرک اکبر یا شرک جلی مسلمان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیش جہنم رہے گا ہاں اگر مسلمان شرکِ اکبر سے توبہ کر جائے اور بقیہ زندگی اس سے اپنے کو بچائے رکھے تو پھر اس کی نجات ہے۔شرک اصغر شرکِ خفی مسلمان کو ملّت سے خارج نہیں کرتا لیکن ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے اور شرک اکبر کے وسائل وذرائع میں سے ہے۔

شرکِ اکبر/شرک جَلی کی صورتیں:

i۔ شرک فی الذات

کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ کا جزیا حصہ قرار دینا۔کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذرّیت (حقیقی

یا معنوی) قرار دینا مثلاً اس کا بیٹا، بیٹی ماننا یا کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر (جوڑ، مقابلے کا) قرار دینا شرک فی الذات کے زمرے میں آتا ہے۔ ہمسر کا مطلب کسی کا اللہ کے مقابل یا مشابہ ہوتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا ہمسر بنا رکھا ہے۔

ii۔ شرک فی الصفاتِ مطلقہ

اللہ تعالیٰ کی صفات مطلقہ یعنی خالق، مالک، رازق، قادر، حی وقیوم، محیط وخبیر، علّام الغُیوب، اول وآخر، مغیث ومجیب، مالکِ یومِ الدین اور معبود حقیقی (اِلٰہٌ وَّاحِد) وغیرہ میں سے کسی اور کو شریک اور ساجھی تسلیم کرنا شرک فی الصفات کہلاتا ہے۔

iii۔ شرک فی الاختیار (قدرت)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فوق الفطری طریقہ سے مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس اور نفع وضرر کا مالک تسلیم کرنا، نظام وانصرام کائنات میں کسی کو اسکا ساجھی تسلیم کرنا، اختیارات الٰہی میں دخل اندازی کرنا جیسے حرام وحلال کی ازخود حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لیے خود قوانین مرتب کرنا سب شرک فی الاختیار میں شامل ہیں۔

iv۔ شرک فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب تسلیم کرنا، کسی اور کی عبادت اور بندگی کرنا، کسی اور کا تقویٰ اختیار کرنا، کسی اور پر بھروسا کرنا، کسی اور کا شکر گزار ہونا۔ کسی اور کے نام کی قربانی اور نذر ونیاز دینا اور کسی اور کی منت ماننا وغیرہ شرک فی الحقوق میں شامل ہیں۔

شرکِ اصغر / خفی کی صورتیں

شرک اصغر یا شرک خفی کی بے شمار صورتیں ہیں مثلاً فرقہ پرستی، نفس پرستی، شخصیت پرستی، وطن پرستی، نسل اور ذات پرستی، ریاکاری، تکبر وتفاخر، غیر اللہ کا خوف، غیر اللہ کی قسم کھانا، غیر اللہ کی تعظیم مُفرَط اور بد شگونی وغیرہ۔

(شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر یا شرکِ جلی وشرکِ خفی کی مذکورہ بالا مختلف صورتوں پر بالترتیب بحث و تمحیص آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔

☆☆☆

باب دوم۔ شرک فِی الذّات

اللہ تعالیٰ ایک اور صرف ایک بے مثال ذات ہے۔ وہ احد (ذات میں یکتا) ہے۔ اسکا کوئی باپ ہے نہ بیٹا، نہ بیٹی نہ بیوی اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر (برابر کا) اور شریک ہے۔ اسے توحید فی الذات کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی ہستی کو اللہ تعالےٰ کا باپ، بیٹا، بیٹی، جنس اِلٰہ کا فرد یا اس کا ہمسر قرار دیا جائے اور اسی بنا پر اس کی پرستش کی جائے تو اسے شرک فی الذات کہا جاتا ہے۔ یہ شرک کی بدترین صورت ہے مُشرکین کسی برگزیدہ ہستی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی نطفی یا تخمی لحاظ سے نہیں لیتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ کے بعض مُقرب بندوں کو خدا میں سے اس کا جزو اور حصہ بنا لیتے تھے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس ہستی میں حلول کر جاتا ہے اور پھر وہ ہستی خود خدا بن جاتی ہے۔ اس بارے ارشاد ربانی ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

(الزخرف: ۱۵)

ترجمہ: ''اور انھوں نے ٹھہرا رکھا ہے اس کے لیے اس کے بندوں میں سے ایک حصہ بیشک انسان تو صریحاً ناشکرا ہے۔''

اور ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز یعنی اولاد ٹھہرا رکھا ہے۔ اور یہ حضرتِ انسان کے صریحاً ناشکرا اور بدتمیز ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات (فرشتے، جنات، انسان وغیرہ) کو اس کے بیٹے، بیٹیاں، جز اور ہمسر قرار دینے والوں میں یہود و نصاریٰ، حنفی مشرکین (مشرکین مکہ و گردونواح) اور مجوسی شامل ہیں۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بناتے ہوئے انہیں خدا سمجھتے ہیں۔ یہ دو خداؤں کے قائل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عزیرؑ کو اللہ کا ہمسر تسلیم کرتے ہیں۔ یہودیوں کی ایک کتاب میں ایک دنگل میں خدا کی کشتی حضرت عزیرؑ سے ہو رہی ہے اور عزیرؑ

خدا کو پچھاڑ رہے ہیں۔عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔مزید یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو اندر سے خدا اور باہر سے بشر قرار دیتے ہیں۔ یہ تین خداؤں کے قائل ہیں۔ خدا، عیسیٰؑ اور مریم ۔مشرکین عرب (حنفی مشرکین) فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔مجوسیوں کے دو خدا تھے۔ایک نیکی کا خدا (یزداں) دوسرا برائی کا خدا (اَہرمَن)۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے درج بالا عقاید بارے ارشادات الٰہی ملاحظہ فرمایئے:

i. وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبہ: ۳۰. ۳۱)

ترجمہ: اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔ یہ پیروی کر رہے ہیں ان کافروں کی جو ان سے پہلے ہوئے انھیں اللہ کی مار کہاں بہکے جا رہے ہیں ○ بنالیا انھوں نے اپنے علماء اور پادریوں کو رب اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح ابن مریم کو بھی اور نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں مگر یہی کہ عبادت کریں ایک اللہ کی نہیں کوئی معبود سوا اس کے وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں''

ii. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المائدہ: ۷۳)

ترجمہ: ''بیشک کافر ہوئے وہ لوگ جنھیں (عیسائیوں) نے کہا کہ بیشک اللہ ہے تین میں کا ایک حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے ایک معبود (اللہ) کے اور اگر نہ باز آئیں گے اس بات سے جو کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو

عذاب دردناک''۔

یعنی مسیحؑ، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں۔ان میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔

iii. وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ (مریم: ۸۸. ۹۰)

ترجمہ: ''اور بعض کفار کہتے ہیں کہ بنا رکھا ہے خدائے رحمٰن نے کسی کو بیٹا ○ (ایسا کہنے والو!) بیشک یہ تو تم بہت بری بات زبان پر لائے ہو ○ قریب ہے کہ اس افترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ پارہ پارہ ہو کر''۔

درج بالا آیات قرآنی یہود و نصاریٰ کے انبیاء کو خدا تعالیٰ کا بیٹا اور جز قرار دینے کے بارے میں تھیں۔اب حنفی مشرکین جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے کے بارے آیات قرآنی نقل کرتے ہیں:

i. اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○

(النجم: ۲۱، ۲۲)

ترجمہ: ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو لڑکے ہوں اور اس (اللہ) کے لیے لڑکیاں؟ یہ (بے شرمانہ) تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے''

ii. اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ○ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ○ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ○ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ ○ (الزخرف: ۱۶ - ۱۹)

ترجمہ: ''کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تم (مشرکوں) کو چن کر بیٹے دیے! ○ حالانکہ جب خوشخبری دی جاتی ہے ایک کو ان میں سے اس (لڑکی) کی جس کو اس نے رحمٰن کا نام لگایا تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ جی میں گھٹتا رہتا

ہےo کیاوہ جو پرورش پائے زیور پہنے (لڑکی) اور جھگڑنے کے وقت (ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے) اظہار مدعانہ کر سکے خدا کی بیٹی ہوسکتی ہے؟ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمان کے عورتیں، کیاوہ دیکھتے تھے ان کا بننا؟ آپ لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور (اس بارے میں) ان سے پوچھ ہوگی''

یہاں تک تو قرآن حکیم کے ارشادات کی روشنی میں یہ سچ ثابت ہوگیا کہ یہود ونصاریٰ نے انبیاء اور اولیاء کو خدا کے بیٹے سمجھ کر ان کو خدا بنا رکھا تھا اور ان کی عبادت کرتے تھے جبکہ حنفی مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ رکھا تھا۔ یہودیوں کے دو خداؤں (اللہ اور عزیرؑ پر ایمان اور اولیاء کرام کی عبادت اور ان سے مرادیں مانگنے کے بارے میں توریت سے بھی رجوع کرتے ہیں۔ حضرت الیاسؑ یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''اے یہودیو! تم کب تک دوخیالوں میں ڈانواں ڈول رہوگے (یعنی دو بادشاہوں کے بندے)۔ اگر کائنات کا خدا ہی اصل خدا ہے تو پھر اس کے احکام کے پیروکار بن جاؤ اور اگر حضرت بَعَلؒ (مشہور بزرگ) ہی تمھارا خدا ہے تو پھر اس کے ہی تمام جاری کردہ احکام کی پیروی کرو''۔

ظالم یہودی حضرت الیاسؑ کی تقریر پر ضد کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ''صبح سے دوپہر تک حضرت بعل سے دعا مانگتے رہے اور کہتے رہے ''اے بَعَل! ہماری بات سن''۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی اور نہ کسی نے کوئی جواب دیا۔ وہ مذبح خانے کے گرد کودتے، بھاگتے اور طواف کرتے رہے'' (توریت)

حضرت سیموئلؑ نبی نے فرمایا:

''اے بنی اسرائیل کے لوگو! تم دل وجان سے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اس (اللہ) کو چھوڑ کر اجنبی دیوتاؤں اور حضرت عسارات کی عبادت چھوڑ دو'' (توریت)

پھر ان کے آپس میں دو بدو ہوجانے کے بارے بھی بالوضاحت بیان فرمایا ہے اور اس شرک کا شکار ہونے والوں کو وعیدیں بھی سنادی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

أ. مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ م بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَo (المومنون: ۹۱)

ترجمہ: ''خدا نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود (عبادت کے لائق) ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا اور بعض بعض پر غالب آجاتے۔ اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے''۔

ii. لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الانبیاء : ۲۲)

ترجمہ: ''اگر (آسمان اور زمین) میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو ان کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں''

iii. قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ (الزخرف : ۸۱)

ترجمہ: ''ان سے کہہ دیجیے (اے نبیؐ) اگر کوئی رحمان ایسا ہو سکتا ہے جس کے یہاں اولاد بھی ہوتی ہو تو میں (محمد ﷺ) بلاشبہ سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں گا''

iv. وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○

(بنی اسرائیل: ۱۱۱)

ترجمہ: ''اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے، کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو بہت''

یہ تو تھے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عقاید باطلہ کہ انھوں نے انبیاء اولیاء اور بزرگوں کو ذاتِ الٰہی کا جز اور حصہ سمجھ کر ان کو نہ صرف اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا ڈالا تھا بلکہ انھیں خدا سمجھ کر ان کی عبادت بھی کرتے تھے۔ انھیں اللہ کا کنبہ بنا رکھا تھا وہ اس لیے کہ خدائے واحد سے ان کی مرادیں بر نہ آتی تھیں۔ اس معاملہ میں خدائی عذاب اور آخرت کی وعیدیں بھی ان پر قطعاً اثر انداز نہ ہوتی تھیں۔ کتنے اچنبھے کی بات ہے کہ مسلمانوں ہی میں سے بعض حضرات نے حضور نبی مکرم صلّی اللّٰہ علیہ وَعلیٰ اٰلہٖ وسلّم کو خدا تعالیٰ کا جز (نُورٌ مِن نُّورِ اللّٰهِ) قرار دے کر نہ صرف انھیں بشر ماننے سے انکار کر رکھا ہے بلکہ خدائی صفات مطلقہ کا مالک

بھی بنا رکھا ہے۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر　　وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے　　اسی سے اس کی طرف گئے تھے

(احمد رضا خاں۔ حدائقِ بخشش۔ حصہ دوم ۷۹)

نوبت بہ ایں جا رسید کہ اس طرح کا شرک سے بھرپور نعتیہ کلام بھی منصۂ شہود پہ آنے لگا:

وہی تو مستوئ عرش ہے خدا ہو کر　　اتر پڑا ہے مدینے میں مُصطفٰے ہو کر
میں سو جاؤں یا مصطفٰے کہتے کہتے　　کھلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے
حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے　　خدا مل گیا مصطفٰے کہتے کہتے

آپ نے درج بالا منظوم کلام میں ''شرک فی الذات کا طریقہ واردات ملاحظہ فرمالیا۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو پیدائشی لحاظ سے ''ابن اللہ'' مان کر خدا بنا بیٹھے مگر ہمارے ان حضرات کو کوئی ایسا جواز نہ ملا تو آپ ﷺ کو وجود باری تعالیٰ کا جز قرار دے کر خدا بناڈالا بلکہ اس سے بھی چند ہاتھ آگے لے گئے ہیں۔

خدا کے پکڑے چھڑا لے محمدؐ　　محمدؐ کے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا

حضور نبی کریم ﷺ کے نور یا بشر ہونے کے بارے بحث سے قبل یہود و نصاریٰ مشرکین عرب اور ہمارے گم کردہ راہ مسلمانوں کی ''شرک فی الذات'' میں مماثلت کا جائزہ لیتے چلیں۔

یہود و نصاریٰ اور حنفی مشرکین کی مُماثلت در شرک فی الذات

i۔ یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب کے نزدیک مٹی یا مرد و عورت کے نطفہ سے پیدا ہونا ہی بشر رسول اور بشر صالح کی شان کے خلاف ہے۔ ہر رسول کی قوم کے ظالم افراد نے اپنے رسول کو بشر رسول ماننے کی بجائے ایک عام بشر سمجھ کر اس کی رسالت کا انکار کیا۔ ہر حکمران، سردار اور ہر ظالم دولت مند نے اعتراض کیا کہ وہ بشر رسول پر ایمان نہیں لا سکتے۔ اگر اللہ کو ان کی مسلمانی اور ہدایت کی ضرورت ہے تو اس نے آسمان سے کوئی فرشتہ ارسال کیوں نہ کیا کہ وہ ایک نور سے پیدا شدہ ہے۔ فرشتوں کی جنس اور نسل نور ہے لہٰذا انھیں کو رسول بنایا جا سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کے گم کردہ راہ لوگوں نے مُوسیٰؑ اور دیگر تمام رسولوں پر الزام لگایا کہ اللہ نے بشر پر کبھی حکم رسالت اور کلام وغیرہ نازل نہیں کیا۔ اسی بنا پر وہ ہر رسول کا انکار کرتے رہے اور اگر کسی رسول کو انہوں نے مان لیا تو اسے نور رسول یا ابن اللہ مانتے تھے۔ ان کے بعد بگڑے ہوئے عیسائیوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بشر رسول ہونے سے انکار کر کے انہیں ابن اللہ رسول کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس نظریہ کی خوب مذمت کی۔ ان کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ حنیف پر ایمان لانے والے عرب کے حنفی مشرکین نے اپنے انبیاء پر بھی یہی الزام لگائے۔ ملاحظہ کیجیے:

القرآن

۱. وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ (المومنون:۳۳،۳۴)

ترجمہ: ''اور کہا رؤسا نے اس (ہودؑ) کی قوم میں سے جو کافر تھے اور جنہوں نے تکذیب کی تھی ملنے آخرت کی اور ہم نے عیش و آرام دیا تھا انھیں زندگی میں دنیا کی کہ نہیں ہے یہ تو مگر ایک انسان (ہودؑ) تم جیسا جو کھاتا ہے اس میں سے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس میں سے جو تم پیتے ہو ○ اور اگر تم نے کہا مانا اپنے جیسے ایک آدمی کا تو بلاشبہ تم اس وقت خسارہ اٹھانے والے ہو گے''

۲. وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○

(المومنون : ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف تو اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی، نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے۔ پس کیا تم ڈرتے نہیں ○ پس کہا رؤسا نے جو کافر تھے اس کی قوم میں سے کہ نہیں یہ (نوحؑ) کچھ مگر ایک انسان تم جیسا جو چاہتا ہے کہ برتری حاصل کرے تم پر۔ اور اگر اللہ چاہتا تو نازل کر دیتا فرشتوں کو۔ نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے باپ دادوں سے''۔

۳. قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ لا ○ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (الشعرا: ۱۸۵، ۱۸۶)

ترجمہ: ''کہا انھوں نے تم (شعیبؑ) محض ایک سحر زدہ آدمی ہو ○ اس کے علاوہ تم کچھ نہیں مگر ہم جیسے ایک بشر۔ ہم تم کو بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں''۔

۴. ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ (التغابن:٦)

ترجمہ: ''یہ (عذاب) اس وجہ سے تھا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں اور نشانات لے کر آتے تھے۔ پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے۔ پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا''۔

۵. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المائدہ : ۷۳)

ترجمہ: ''بیشک کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں (عیسائیوں) نے کہا کہ بیشک اللہ ہے تین میں کا ایک حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے ایک معبود کے اور اگر نہ باز آئیں گے اس بات سے جو کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک''۔

☆ یعنی مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں۔ ان میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔

یہاں تک تو تھے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور روسائے بنی اسرائیل کے انبیاء و رسل کے بارے خیالات وعقائد کہ وہ جنس بشر سے ماورا ہیں اور معبود حقیقی کا کسی نہ کسی طور جز ہیں۔ اب حنفی مشرکین (مشرکین عرب) کے بھی بشر رسول کے انکار بارے چند آیات قرآنی پیش کی جاتی ہیں۔

i۔ اللہ تعالیٰ مشرکین عرب کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الاعراف:۶۳)

ترجمہ: ''کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمھارے پاس نصیحت تمھارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تا کہ وہ تم کو ڈرائے اور تا کہ تم بچو اور تا کہ تم پر رحم ہو۔''

ii. بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَ هُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ (ق:۲)

ترجمہ: ''بلکہ ان (مشرکین مکہ) کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انھی میں کا تو لگے کہنے منکر یہ تعجب خیز چیز ہے''۔

درج بالا قرآنی انکشافات اور حقائق سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بشر رسول سے انکار کر دیا تھا اور جب آ جا کر کسی کو رسول مان لیا تو پھر اس کی شان میں اس قدر مبالغہ آرائی کی کہ اسے خدا کے نور میں سے نور قرار دے کر بیٹے کا خطاب دے دیا۔ حنفی مشرکین نے حضور نبی کریم ﷺ کو بشر قرار دے کر ان کے رسول ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کی اس شیطانی کارستانی کو ایک نیا رنگ دے کر ہمارے عاشقان رسول ﷺ نے حضور نبی کریم ﷺ کو بوجوہ رسول تو مان لیا ہے مگر آپ ﷺ کے بشر (انسان) ہونے کا نہایت ڈھٹائی سے انکار کر دیا ہے۔ یہ حضرات یہود و نصاریٰ کی طرح بشر کو نور کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جز قرار دے کر قرار پکڑتے ہیں۔ شرک فی الذات کی اس مماثلت کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

یہود و نصاریٰ اور کلمہ گو مشرکین کی مماثلت در شرک فی الذات

i۔ بنی اسرائیل اور نصاریٰ نے بشر رسول کا انکار کرتے ہوئے اپنے انبیاء و رسل کو خدا کا نور قرار دے کر انھیں خدا کے بیٹے، معبود، خدا اور رب بنا لیا تھا۔ بعینہ آج کے گم کردہ راہ مسلمانوں نے حضور ﷺ سرور کائنات پر الزامات لگانے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ بھی حضور ﷺ کو بشر رسول ماننے سے انکاری ہیں۔ آپ ﷺ کو ''نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ'' (جسمانی لحاظ سے نہ کہ صفاتی لحاظ سے) کہہ کر خدا کا جز اور حصہ بنا بیٹھے ہیں۔ منقولہ منظوم کلام سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے

کہ یہ حضور ﷺ کو عین خدا بلکہ خدا سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ قارئین اس حقیقت کا اعتراف آگے چل کر کریں گے جب وہ ''شرک فی الصفاتِ مطلقہ'' کے تحت اس گروہ کا حضور ﷺ کو علّام الغُیوب، حاضر و ناظر، حاجت روا اور مشکل کشا قرار دینا ملاحظہ فرمائیں گے۔

ii۔ مشرکین مکہ حضور ﷺ کو بشر تو مانتے تھے مگر بدیں طور نبی نہیں مانتے تھے اور ہمارا یہ ''سوادِ اعظم'' حضور ﷺ کو نبی تو مانتا ہے مگر بشر نہیں مانتا۔ بات ایک ہی ہوئی۔ ایک نے نبوت کا انکار کر دیا دوسرے نے بشریت کا انکار کر دیا جبکہ نبوت اور بشریت میں سے کسی ایک کا بھی انکار دائرہ اسلام سے باہر نکال پھینکتا ہے۔

iii۔ نہ یہود و نصاریٰ اور حنفی مشرکین پر اللہ تعالیٰ کے شرک کے بارے سخت کلمات و تنبیہات اور دنیوی عذاب و اُخروی وعیدوں کا اثر ہوتا تھا نہ ہی ہمارے اس مجہول گروہ پر اللہ تعالیٰ کی واضح قرآنی آیات اور فرامین نبوی ﷺ کا کچھ اثر ہوتا ہے۔

iv۔ جس طرح یہود و نصاریٰ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نسبت سے اپنے کو دنیا میں افضل ترین اقوام سمجھتے ہیں اور انھی کی وساطت سے کچھ کیے بغیر جنت کے حق دار بنتے ہیں اسی طرح ہمارا یہ طبقہ مسلمانوں میں افضل ترین اور محبوب ترین ہونے کا دعویدار ہے اور اپنے کو جنت کا حق دار گردانتا ہے، اعمال چاہے جیسے بھی ہوں۔

v۔ یہود و نصاریٰ اور عرب مشرکین بشریت کو انبیاء و رسل کی شان اور مقام کے خلاف سمجھتے تھے اور نور کو بشریت پر فوقیت دیتے تھے۔ اسی طرح ہمارے گم کردہ راہ مسلمانوں نے بھی بشریت کو اس کے اصل مقام سے گرا کر نور (مادہ) کے تابع کر دیا۔ بشر رسول کو نور رسول بنا کر بشریت اور نبوت کی توہین کر ڈالی۔

؎ تُو مردِ مَیداں تو میر لشکر نوری حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

(اقبالؒ)

شرک فی الذات میں یہود و نصاریٰ، مشرکین عرب اور ہمارے اس گروہ کے درمیان مماثلت پر یہ حاصل حقائق قلم بند کرنے کے بعد اب ہمارے اس طبقہ کے حضور نبی کریم ﷺ کے جنس نور ہونے کے

بارے میں بلند بانگ دعوے اور دلائل مع تردید، نور اور نور اللہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، حضور ﷺ اور جملہ انبیاء کرام کے بشر رسول ہونے کے بارے میں قرآنی انکشافات و فرامین سیدُ الکونین، نور اور بشر کا درجاتی موازنے پر سلسلہ وار بحث و تمحیص ہوگی۔

''حضور ﷺ نُورٌ مِّن نُّورِ اللّٰہِ''

مسلمانوں کا ایک گروہ حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات اور فخر نوع انسانی ﷺ کو نور بمعنی جنس نور ثابت کرنے کے لیے درج ذیل احادیث و روایات موضوعہ کا سہارا لیتے ہیں:

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے منسوب روایات ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

i. ''انا من نور اللّٰہ والخلق کلھم من نوری'' (مدارج النبوت)

ترجمہ: ''میں (محمد ﷺ) اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوقات میرے نور سے ہے''۔

ii. ''انا من نور اللّٰہ والمومنون منی'' (مدارج النبوت)

(میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومنین میرے نور سے)

یہ دونوں روایات سند کے لحاظ سے بالکل ساقط الاعتبار ہیں۔ بعض محدثین اسکو کذب مختلق کہتے ہیں اور انھیں بعض موضوع قرار دیتے ہیں۔

iii. ''اول ما خلق اللّٰہ نوری و من نوری خلق کل شئی''.

(سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اور میرے نور سے ہر چیز پیدا فرمائی)۔

iv. ''اول ما خلق اللّٰہ تعالیٰ نور نَبِیّک یا جابر''

(علامہ آلوسی، روح المعانی، ص:۹۴)

(سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور ہے اے جابرؓ!)

v۔ اور سب سے پہلے اللہ نے مجھ کو اپنے نور سے پیدا کیا، پھر بارہ ہزار سال مقام قرب میں رکھا پھر بارہ ہزار سال بعد میرے نور سے لوح و قلم اور جنت پیدا فرمائے پھر بارہ ہزار سال بعد اللہ نے میرے نور سے فرشتے، چاند، ستارے پیدا فرمائے پھر بارہ ہزار سال بعد اللہ نے میرے نور سے انبیاء و رسل کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ پھر (یہاں سے بارہ ہزار سال کا سلسلہ غائب ہوگیا۔

مولف) شہیدوں، صالحین اور مومنین کی ارواح کو میرے نور سے پیدا فرمایا پھر عقل وعلم اور توفیق میرے نور سے پیدا کیے۔ پھر اللہ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر میرے نور سے پیدا کیا اور پھر میرے باپ عبداللہ کے ذریعہ میرا نور زمین پر بشر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ المختصر میرے نور سے اللہ نے زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے وہ پیدا فرمایا''۔ (حدیث زرقانی علی المواہب، جلد ا ص ۳۴)

درج بالا روایات کا تقابلی و منطقی جائزہ

i۔ پہلی روایت میں کہا گیا ہے ''میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوقات میرے نور سے'' جبکہ دوسری روایت میں ہے ''میں اللہ کے نور اور مومنین میرے نور سے ہیں''۔ پہلی روایت میں تمام مخلوقات (ملائکہ، جن، انسان، حیوانات اور حشرات الارض) نبی ﷺ کے نور سے ہیں جبکہ دوسری روایت میں صرف مومنین آپ کے نور سے ہیں کتنا تضاد ہے۔

ii۔ پہلی اور دوسری روایت میں ہے ''میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں'' جبکہ تیسری روایت میں ہے ''سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا''۔ یہ نہیں کہا کہ اللہ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا بلکہ ان کے نور کو علیحدہ پیدا کیا۔ اس سے از خود نُورٌ من نُورِ اللّٰہ کی تردید ہو جاتی ہے۔

iii۔ پہلی چاروں روایات میں حضور نبی کریم ﷺ کا ''نُورٌ من نُورِ اللّٰہ'' یا علیحدہ ''نور'' کے طور پر پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے جب کہ پانچویں روایت میں زمین و آسمان کے درمیان ہر چیز (جنسی لحاظ سے) کو وقفے وقفے بارہ، بارہ ہزار سال سے حضور ﷺ کے نور سے پیدا ہونا فرمایا ہے پھر ساری مخلوقات ''من نور اللہ'' وجود میں نہ آئی اور حضور ﷺ کا نور اللہ کا نور نہ ٹھہرا یعنی سب کچھ ایک ہی مادہ (نور) سے پیدا ہوا تو پھر خالق و مخلوق میں کیا فرق رہ گیا۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کے ''وحدت الوجود'' ہونے کا فلسفہ درست ثابت نہ ہوا؟ پھر کیا اکیلے حضور ﷺ ہی نہیں تمام مخلوقات بھی ''مِنْ نُورِ اللّٰہ'' ثابت نہ ہوئیں؟ نوری، ناری اور خاکی سب ایک ہی نسل سے نہ ہوئے؟ الامان والحفیظ!

iv۔ اسی پانچویں روایت میں پھر پھر آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ چار بار ''پھر'' بارہ ہزار سال کے وقفوں سے آیا ہے۔ اس کے بعد ''پھر'' چار مرتبہ آیا ہے لیکن اس ''پھر، پھر'' کا دورانیہ بیان نہیں کیا۔ اگر صرف پہلے چار بار ''پھر، پھر'' کا عرصہ جمع کیا جائے تو وہ ۴۸ ہزار سال بنتا ہے۔ اس میں چار بار کا غیر متعینہ عرصہ بھی کوئی دس پندرہ ہزار سال شمار کیا جائے تو سارا عرصہ ۶۰ ہزار سال سے اوپر بنتا ہے

تخلیق مخلوقات میں۔ اسلامی تاریخ میں حضرت آدمؑ کی تخلیق سے اب تک کا عرصہ ۱۶ ہزار سال بنتا ہے (آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان ساڑھے سات ہزار سال اور حضرت نوحؑ سے ابتک ساڑھے آٹھ ہزار سال بنتے ہیں)۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کو چھے دن میں ہی بنایا پھر قائم ہوا عرش پر۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ج اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًاO (الفرقان:۵۹)

ترجمہ: ''جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن (زمین کو دو دن اور آسمانوں کو چار دن میں) میں پھر قائم ہوا (اللہ) عرش پر۔ وہ بڑی رحمت والا' سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو''۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کو 'نُورٌ مِنْ نُورِ اللّٰه ''اور دیگر مخلوقات کو 'نُورٌ مِنْ نُورِ النَّبی' '(بمطابق مذکورہ نوری روایات) قرار دینے والے حضرات کی آنکھیں کھولنے کے لیے یہی کچھ کافی ہوگا۔ ان کی مذکورہ روایات قطعاً موضوعہ ہیں اور روایت کے لحاظ سے نامعقول بھی۔

v۔ روایات نمبر iii، iv اور v میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا (اپنے نور سے یا علیحدہ) اس بارے بھی غلط فہمیاں دور کیے دیتے ہیں۔

ا۔ ''اول ما خلق اللّٰه القلم'' (جامع ترمذی. کتاب القدر)

(سب سے پہلے اللہ نے قلم تقدیر کو پیدا کیا)

ب۔ حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔ اس کو اللہ نے کہا لکھ۔ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ اس نے جو چیز کہ ہو چکی تھی اور جو ہونے والی تھی لکھ دی۔''

(ترمذی۔ مشکوٰۃ۔ ۱۶/۸۷ جلد اوّل)

ج۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں لکھا تھا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ پس یہ لکھا ہوا عرش پر اس کے ہاں

موجود ہے''۔(متفق علیہ۔مشکوٰۃ:۵۴۵۵،جلدسوم)

د۔ حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے:

''۔۔۔۔۔اہل یمن نے کہا ہم نے بشارت قبول کی۔ہم تو آئے ہی اس لیے ہیں کہ دین میں کچھ حاصل کریں تا کہ آپ ﷺ سے اس امر کی ابتدا کے متعلق سوال کریں کہ ابتدا میں کیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا''اللہ تعالیٰ''۔اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔اس کا عرش پانی پر تھا۔پھر اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔''(بخاری مشکوٰۃ،۵۴۵۳،جلدسوم)

ر۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں بنی آدم کے بہترین طبقوں میں پیدا کیا گیا ہوں۔ایک کے بعد دوسری صدی گزرتی گئی یہاں تک کہ میں اس صدی میں پیدا ہوا جس صدی میں پیدا ہوا ہوں''۔

(بخاری،مشکوٰۃ:۵۴۹۲،جلدسوم)

ز۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا۔''اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے پہلے نبی کون تھے''؟فرمایا۔''آدمؑ''۔میں نے کہا،اے اللہ کے رسول ﷺ وہ نبی تھے فرمایا ہاں وہ نبی تھے۔ان سے کلام کیا گیا تھا۔میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کتنے رسول آئے ہیں؟فرمایا تین سو اور کچھ اوپر ہیں۔ایک بہت بڑی جماعت''۔(مشکوٰۃ:۵۴۹۰جلدسوم)

حضور سرورِ کائنات ﷺ کو''نُور''اور''نُورٌ مِنۡ نُورِ اللّٰه''ثابت کرنے کے لیے ان حضرات کی محولہ بالا موضوعہ روایات کا تقابلی،روایتی اور درایتی (منطقی) جائزہ پیش کرنے کے بعد اب قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی پندرھویں آیت کے نصف آخری حصہ قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِينٌ ۙ جسے یہ حضرات حضور ﷺ کے جنس نور ہونے کے بارے بطور سند پیش کرتے ہیں پر بحث کی جائے گی کہ یہاں نور سے مراد حضور ﷺ نبی کریم ہیں کہ کتاب مبین (قرآن مجید)۔

نور سے مراد قرآن کہ حضور نبی کریم ﷺ؟

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ

كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ : ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ﷺ ہمارا جو ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب (توریت وانجیل) میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے (جن کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے) بیشک اللہ کی طرف سے نور (ہدایت، روشنی) اور واضح کتاب (قرآن) آگئی ہے تمہارے پاس ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر نور (اجالا) کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ پہلے یہود ونصاریٰ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس کا رسول ﷺ ان کی طرف آ گیا ہے جو توریت اور انجیل کی باتوں کی وضاحت کرتا ہے جن کو وہ خلق خدا سے چھپاتے تھے اور ان کی بہت سی غیر ضروری باتوں سے درگزر کر جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کو یہ بھی بتاتا ہے (اللہ) کہ ان کے پاس نور یعنی اجالا اور واضح کتاب بھی آ گئی ہے۔ اگلی آیت نمبر ۱۶ میں اس نُوْرٌ و كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ یعنی قرآن مجید کے بھیجنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اس (قرآن) کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے راستے بتاتا ہے۔

سارے قرآن مجید میں سے گزر جائیں کہیں بھی نبی کریم ﷺ کو ''نور'' کہہ کر آپ کا ذکرِ مبارک نہیں کیا گیا۔ صرف یہی ایک آیت (المائدہ: ۱۵) ہے جس سے یہ حضور کا نور ہونا ثابت کرتے ہیں اگرچہ اس کی آیت مبارکہ کی جو تاویل کی گئی ہے وہ بھی کئی لحاظ سے متنازعہ ہے۔ اس بارے چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

i۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی ایک بات واقعہ یا خبر کو ایک ہی سانس میں اور ایک ہی فقرہ میں دہرایا نہیں جاتا۔ یہ خلاف قاعدہ اور خلاف فصاحت ہے۔ قرآن مجید نہایت ہی مختصر، فصیح و بلیغ اور ہر قسم کی بے ضابطگی سے پاک کلام الٰہی ہے۔ آیت نمبر ۱۵ کے شروع میں اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انکی طرف اس کا رسول ﷺ آ گیا ہے جو ان کے بعض کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے اور بعض پر درگزر کر جاتا ہے۔

ابھی یہ آیت ختم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ ان (یہود و نصاریٰ) پر اسکی طرف سے نُورٌ و کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ (نور اور واضح کتاب) آ گئی ہے۔ اگر یہاں نور سے مراد حضور ﷺ نبی کریم ہیں تو ان کا ذکر تو اس آیت کے شروع میں ہی کر دیا گیا ہے اور آپ کا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے بارے رویہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر فوراً ہی یعنی آیت ختم ہونے سے پہلے ہی حضور ﷺ کی آمد کا دوبارہ ذکر کرنا چہ معنی دارد؟ پھر اگر نور اور کتاب مبین دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں یعنی حضور نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید تو پھر آیت نمبر ۱۶ میں افادیت صرف کِتٰبٌ مبین (قرآن مجید) کی ہی کیوں بیان کی گئی ہے۔ نور (نبی کریم ﷺ) کے بارے میں کچھ کیوں نہیں کہا گیا۔ یہاں (ان کے بقول) موصوف دو ہیں (نور اور کتاب اللہ) تو پھر صفت اور مقصد صرف کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ کا ہی کیوں بیان کیا گیا ہے، نور (نبیؐ اللہ) کی صفت یعنی مشن کیوں بیان نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ نُورٌ و کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ نور صفت ہے قرآن کی۔

تیسری بات یہ ہے کہ علمی لحاظ سے نُورٌ و کِتٰبٌ مبینٌ میں واوٗ (و) حرف مغائرت کے لیے نہیں بلکہ عطف بیانیہ ہے تو اس کا ترجمہ یوں ہوا ''اللہ کی طرف سے نور آیا جو واضح کتاب ہے''۔ واوٗ عطف بیانیہ کی ایک اور مثال سورۂ انعام کی آیت ۹۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

....قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ الَّذِیۡ جَآءَ بِہٖ مُوۡسٰی نُوۡرًا وَّ ھُدًی لِّلنَّاسِ....○ (الانعام : ۹۱)

ترجمہ: ''۔۔۔کہ دیجیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب (توریت) جو لایا تھا موسیٰؑ روشن اور ہدایت تھی واسطے لوگوں کے۔۔۔''

متذکرہ وجوہات و دلائل کے بعد قُد جَآءَ کُم مِنَ اللہِ نُورٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ کا صحیح ترجمہ یوں ہو گا۔ ''یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی یعنی واضح کتاب آ گئی ہے''۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی دلیل آپ ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید اپنی دلیل آپ ہے اور اس قدر روشن اور واضح ہے کہ اسے اپنی وضاحت کے لیے کسی خارجی روشنی کی ضرورت نہیں۔ روشنی کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر شے کے اصل مقام کو متعین کر دیتی ہے اور اس کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر دیتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید انسانی زندگی میں ہر شے کے متعلق بتا دیتا ہے کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے۔ اسی کا نام ہدایت یا رہنمائی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو صفاتی نہیں بلکہ جنسی اور مادی لحاظ سے نور ثابت کرنے والوں کو سارے

قرآن مجید میں متذکرہ زیر بحث آیۃ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آنے کا۔کہیں بھی آپ ﷺ کو نور نہیں کہا گیا جبکہ بے شمار چیزوں کو نور کہا گیا ہے۔اب قرآن مجید کی رو سے نور کے مختلف معانی پر روشنی ڈالی جائے گی۔اس سے درج بالا غلط فہمی کا مزید ازالہ ہوگا۔

نور کے معانی از روئے قرآن حکیم

نور کے لغوی معانی روشنی،حکمت،ہدایت،توفیق،اسلام،علم اور رہنمائی کے ہیں۔عربی میں نور مصدر ہے کبھی مصدری معنی دیتا ہے کبھی حاصل مصدر کبھی فاعل،کبھی مفعول اور کبھی اسم صفت کے۔نور کے معنی جہاں تک روشنی کے ہیں تو قرآن مجید میں یہ چشم بینا کی روشنی اور قلب سلیم کی روشنی دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے دراصل نور ہمارے حسن باطنی یعنی حسی قلبی اور نفسی نظام کا نور ہے نیز نور صفت ہے حسن کی اور جوہر ہے عقل کا۔قرآن مجید میں نور کس ہستی،کن کن چیزوں اور کن کن صفات کے لیے استعمال ہوا ہے رقم کرتے ہیں۔

ا۔ اللہ خود نور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ....O (النور : ۳۵)

ترجمہ''اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی''۔

تفسیر:اللہ سے رونق اور آبادی ہے آسمانوں کی اس کی مدد نہ ہو تو سب کچھ ویران ہو جائے۔سب مخلوق کو نور اسی سے ملا ہے۔چاند،سورج،ستارے،فرشتے،انبیاء و اولیاء میں ظاہری یا باطنی روشنی اُسی منبع نور سے حاصل ہوتی ہے۔ہدایت و معرفت کی روشنی کسی کو پہنچتی ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتی ہے۔تمام علویات و سفلیات اسی کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں۔حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کی وجہ سے منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے رات کی تاریکی میں حضور نبی کریم ﷺ اپنے رب کو''اَنْتَ نُورُ السَّموات وَالْاَرض ''کہہ کر پکارتے اور اپنے کان،آنکھ،دل ہر عضو بلکہ بال بال میں اسی کا نور طلب فرماتے تھے اور آخر میں بطور خلاصہ فرماتے:''و اجعل لی نورا''یا''واعظم لی نوراً''،یعنی میرے نور کو بڑھا دے،مجھے نُور ہی نور بنا دے۔جس طرح اللہ کی دوسری صفات مثلاً سمیع،بصیر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی ایسے ہی صفت نور بھی ہے۔

نور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے بطور فاعل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو مستفید فرماتا ہے''اَلنُّورُ''اللہ

تعالیٰ کا فاعلی نام بنتا ہے جس کے معنی ہیں روشنی دینے والا۔ نور اللہ کی صفت ہے نہ کہ اس کا مادہ۔ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

۲۔ قرآن نور

۱. فالذِينَ اٰمَنُوْ بِه ....اُو لٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO

(سورۃ الاعراف ، ۱۵۷)

ترجمہ: ''سو جو لوگ اس (حضور ﷺ) پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور (قرآن) کے جو اس کے ساتھ اترا ہے، وہی پہنچے اپنی مراد کو۔''

۲. فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌO (التغابن:۸)

''سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا اور اللہ کو تمھارے سب کام کی خبر ہے''۔

۳. یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًاO(النساء : ۱۷۴)

ترجمہ: ''اے لوگو! آ چکی تمھارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے نازل کیا تمھاری طرف نور ظاہر (قرآن)''۔

۴. وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍO

(الشوریٰ : ۵۲)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے وحی کی (فرشتہ بھیجا) آپ ﷺ کی طرف ایک روح اپنے حکم سے۔ آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان لیکن ہم نے

بنادیا اس کونور، ہم راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ جسے چاہیں اپنے بندوں میں سے
اور بلاشبہ آپ ﷺ تو ہدایت کرتے ہیں سیدھے راستہ کی۔''

درج بالا آیات میں نور سے مراد قرآن مجید ہی لیا گیا ہے۔ پھر کیا سورۃ مائدہ: ۱۵ میں
نُور کتابِ مبین (قرآن) ہی کی صفت نہ ٹھہرا۔

۳۔ توریت وانجیل نور

i. قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاس....O(الانعام : ۹۱)

ترجمہ: ''۔۔۔کہہ دیجیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب (توریت) جو لایا تھا موسیٰؑ،
نوراور ہدایت تھی واسطے لوگوں کے۔۔۔''

ii. وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّ نُوْر لا (المائدہ : ۴۶)

ترجمہ:''۔۔۔اور ہم نے اُس (عیسیٰؑ) پر انجیل نازل کی جس میں ہدایت اور نور
تھا۔۔۔۔''

۴۔ چاندنور

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ....O(یونس : ۵)

ترجمہ:''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکدار روشنی دینے والا، اور چاند کو چاندنی
والا۔''

سورج خود روشن ہے اور اس کی روشنی چاند سے منعکس ہو کر زمین تک پہنچتی ہے۔ ان دونوں کی روشنی چشم بینا کے لیے ہے جبکہ نور کے اصلی معانی دل کی روشنی یا بصیرت کے ہیں۔

اب نور کن کن صفات پر محیط ہے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ ساری صفات ومعانی قرآن مجید ہی سے لیے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے گا۔

۱۔ نور بمعنی اسلام

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

الْكٰفِرُوْنَ O(الصف:۸)

ترجمہ: ''وہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں نور اللہ کا اپنے منہ سے (پھونکیں مار کر) اور اللہ پورا کر کے رہے گا اپنا نور اگر چہ برا مانیں کافر لوگ''۔

☆ وہ کفار نور الٰہی (اسلام) کو اپنے منہ کی پھونکوں سے یعنی اسے جادو وغیرہ کہ کر بجھانا چاہتے ہیں، اور کافر اگر چہ کتنا ہی برا منائیں اللہ اپنا نور (اسلام) سارے عالم میں پہنچا کر رہے گا۔

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

۲۔ نور بمعنی اجالا وہدایت

۱. هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O(الحدید: ۹)

ترجمہ: ''وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندہ پر آیتیں صاف تاکہ تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا ہے''۔

یعنی رجوع الی اللہ کے طالبین کے لیے ہدایت اور شبہات ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لیے یہ آیتیں روشنی وہدایت کا کام دیتی ہیں۔

۲. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ۵ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ(الانعام: ۱)

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر لوگ اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کیے دیتے ہیں''۔

یہاں اندھیرا اور اجالا سے مراد جہل وعلم اور ضلالت وہدایت ہے۔ نور کا لفظ یہاں علم وحکمت وآگہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور ظلمت کو جہل اور تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حقائق کا علم اور راہ مستقیم سے آگہی اگر مل سکتی ہے تو صرف اس ذات سے مل سکتی ہے۔ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور اللہ کے نافرمانوں کو نہیں دیا جاتا۔

۳۔ نور بمعنی توفیق وبصیرت

۱. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحدید: ۲۸)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ڈرو اللہ سے اور ایمان لاؤ اس کے رسول ﷺ پر۔ وہ (اللہ) دے گا تمہیں دوہرا حصہ اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایسا نور کہ تم چلو اس کے ذریعہ سے۔ اور معاف کرے گا تم کو اللہ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم والا ہے۔''

(نور کے ذریعہ (بتوفیق الٰہی) جنت کی طرف بآسانی چلے جاؤ گے)

۲. اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ .....۝ (الزمر: ۲۲)

ترجمہ: ''بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔۔۔۔''

۴۔ نور بمعنی روشنی

۱. قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ۝ (المائدہ: ۱۵)

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آ گئی ہے''۔

روشنی دو قسم کی ہے ایک چشم بینا کی دوسری قلب کی۔ چشم بینا کی روشنی۔ سورج، چاند، ستاروں اور مصنوعی روشنیوں پر مشتمل ہے جبکہ قلب کی روشنی کا تعلق علم وحکمت اور عرفان الٰہی سے ہے۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ اپنی دلیل آپ ہوتی ہے آیتِ مذکورہ میں روشنی سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس لیے قرآن مجید اپنی دلیل آپ ہے۔

قارئین گرامی القدر! حضور نبی کریم ﷺ کو صفاتی نہیں بلکہ مادی لحاظ سے نور ثابت کرنے کے لیے پیش کردہ موضوعہ روایات کا منطقی جائزہ، سورہ مائدہ کی پندرھویں آیت کے دوسرے حصہ کی متنازع تفسیر کا علمی تجزیہ اور لفظ نور کے لغوی اور قرآنی معانی اور صفات پیش کرنے کے بعد یہ ثابت ہو چکا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ

مادی لحاظ سے نور ہے اور نہ ہی جناب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ''النور'' ہے جس کے معنی ہیں روشنی دینے والا۔ جب اللہ تعالیٰ ہی جنسی لحاظ سے نور نہ ہوا تو نبی کریم اس سے کیسے پیدا ہو گئے۔ العجب! العجب! اس بارے ایک حدیث نبوی ﷺ پیش کر کے آگے چلیں گے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضورؐ نبی کریم سے سنا: ''آپ فرماتے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا اور اس پر اپنا کچھ نور (عَلَيهِم مِّن نُّورِه) منعکس کیا۔ جسے اس کے نور سے کچھ پہنچا اس نے راہ پائی اور جس کو نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہوا''۔ (مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ، ص ۹۳، جلد اول)

یہاں نور سے مراد ہدایت الٰہی ہے۔ جس کسی نے اس ہدایت کو بتوفیق الٰہی قبول کیا وہ کامیاب ہوا اور جس کسی نے اس ہدایت کو قبول نہ کیا وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ پھر پشت در پشت نور کا منتقل ہونا چہ معنی دارد؟

اب قرآن مجید کی رو سے نور اللہ کی تمثیل بیان کرتے ہیں جس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا۔

نُور اللہ کی تمثیل

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(النور: ۳۵)

ترجمہ: ''خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے اور وہ چراغ ہو ایک قندیل میں، گویا موتی کا چمکتا ہوا تارا ہے۔ روشن کیا جاتا ہے وہ (چراغ) ایک درخت سے جو برکت والا ہے زیتون کا، نہ مشرق میں ہوتا ہے نہ مغرب میں۔ قریب ہے اس کا تیل (خود بخود) روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس کو آگ۔ نور پر نور ہے۔ ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے

نور کی طرف جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لیے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

اس تمثیل میں طاق سے کائنات کو اور چراغ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو تشبیہ دی گئی ہے اور فانوس سے مراد وہ پردہ ہے جس میں اللہ نے اپنے آپ کو نگاہ خلق سے چھپا رکھا ہے۔ گویا پردہ خفا کا نہیں شدت ظہور کا پردہ ہے۔ نگاہ خلق اس کو دیکھنے سے عاجز ہے۔ اگرچہ اللہ کا یہ نور مطلق سارے جہان کو منور کرتا ہے مگر اس کا ادراک ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے ادراک کی توفیق اور اس کے فیض سے مستفیض ہونے کی نعمت اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔

اب قرآن مجید و فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ آیا حضور نبی مکرم ﷺ نور (بمعنی جنس نور) تھے کہ خالصتاً بشر، عبد، رجل جب کہ مقام ان کا محبوب سبحانی، فخر موجودات اور فخر نوعِ انسانی ہے۔

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخر موجودات، فخر نوعِ انسانی

(حفیظ جالندھری)

حضور ﷺ نور کہ بشر؟

حضور نبی کریم ﷺ کے بشر مطلق ہونے کے بارے میں پہلے قرآنی احکامات لیں گے بعد میں فرامین سرور کونین ﷺ سے غلط فہمیاں دور کریں گے۔ غلط فہمیاں انھی کی دور ہوں گی جو واضح قرآنی احکامات اور بے شمار فرمودات نبوی ﷺ کو قول فیصل سمجھنے سے انکاری نہیں ہیں۔ یہاں مناظرہ اور مباحثہ کی بات نہیں بلکہ حقائق کو تسلیم کرنے کی استدعا ہے۔

القرآن

۱۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○ (یونس: ۲)

ترجمہ: "کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے انھی (اہل مکہ) میں سے ایک

مرد پر وحی کی یہ کہ بنی نوع انسان کو (بداعمالیوں) سے متنبہ کرے اور اہل ایمان کو یہ نوید سنائے کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے مقام صدق ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا ساحر (جادوگر) ہے۔"

۲۔ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۶۳)

ترجمہ: "کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمھارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی (رجل) کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تا کہ وہ ڈرائے تمھیں اور تم بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے"

۳۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ (حٰمٓ السجدہ: ۶)

ترجمہ: "کہ دیجیے! اے رسول ﷺ میں تو ایک انسان ہوں تمھارے جیسا۔ البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف یہ کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس متوجہ رہو سیدھے اسی کی طرف اور معافی مانگو اس سے اور ہلاکت ہے مشرکین کے لئے۔"

۴۔ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ .... ۝ (یوسف: ۱۰۹)

ترجمہ: "اور نہیں بھیجے ہم نے آپ ﷺ سے پہلے مگر انسان ہی ہم وحی کرتے تھے جن کی طرف بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے نبی ﷺ آپ ﷺ سے پہلے ہم جن (نبیوں) کی طرف وحی کرتے تھے وہ بستیوں کے رہنے والے انسان ہی ہوتے تھے۔

۵۔ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ (ق: ۲)

ترجمہ: "بلکہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ آیا ان کے پاس ایک ڈرانے والا انھی میں سے تو

کہنے لگے منکر لوگ کہ یہ تو ایک عجیب بات (بشر رسول) ہے۔"

۶۔ .... فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ (التغابن: ۶)

ترجمہ: "۔۔۔تو وہ کہا کرتے تھے کہ کیا آدمی (بشر) ہم کو راہ دکھائیں گے۔ پس انہوں نے انکار کیا اور اللہ نے منہ موڑ لیا اور پرواہ نہ کی۔ اللہ بے نیاز ہے حمد کے لائق"۔

۷۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۴)

ترجمہ: "اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جبکہ آ گئی ان کے پاس ہدایت مگر اسی بات نے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کیا بھیجا ہے اللہ نے انسان (بشر) کو رسول بنا کر!"

۸۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ ....○(الانعام : ۹۱)

ترجمہ: "اور نہ قدر کی انھوں نے اللہ کی جیسی چاہیے تھی اس کی قدر کرنی، جبکہ کہا انھوں نے نہیں نازل کیا اللہ نے کسی بشر پر کچھ (وحی۔ کتاب)۔ کہ دیجیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جو لایا تھا موسیٰ نور اور ہدایت واسطے لوگوں کے کہ بنا رہے ہو تم اسے ورق ورق کہ ظاہر کرتے ہو انھیں اور چھپاتے ہو بہت سے"۔

۹۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ○ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (الشعرآء: ۱۸۵.۱۸۷)

ترجمہ: "بولے (قوم شعیبؑ) کہ تم تو جادو کے مارے ہوئے ہو اور بجز اس کے اور کیا ہو کہ ہم ہی جیسے ایک بشر۔ بلاشبہ ہم تو تم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں اور اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر ایک ٹکڑا آسمان سے گرا کر دکھاؤ"

۱۰۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا○ (بنی اسرائیل:۹۵)

ترجمہ: ''کہ دیجیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کے بجائے) فرشتے چلتے پھرتے، اطمینان کے ساتھ تو البتہ ہم نازل کرتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ (نوری) رسول بنا کر''۔

۱۱۔ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (الانبیاء: ۳)

ترجمہ: ''۔۔۔کہ نہیں یہ شخص مگر بشر تم ہی جیسا۔ کیوں آنکھوں دیکھے جادو کے پھندے میں پھنس جانا چاہتے ہو''

مشرکین مکہ آپس میں بیٹھ کر بعثت نبویؐ کے بارے میں مشورے اور چہ میگوئیاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد ﷺ تو ہماری طرح کا ایک چلتا پھرتا آدمی ہے۔اس میں کوئی امتیاز کی بات نہیں۔ ہو نہ ہو وہ تو جادوگر ہے پس تم آنکھوں دیکھے اس کے جادو میں کیوں پھنستے ہو؟

درج بالا قرآنی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ امتیں اپنے اپنے وقت کے انبیاء کا صرف اسی وجہ سے انکار کرتی رہیں کہ وہ انھی جیسے بشر اور انسان تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ (وحی و کتاب) بھی نازل نہیں کیا۔ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے رہے کہ کیا میں انسانوں میں فرشتے یا کوئی اور مخلوق ان کی ہدایت کے لیے بھیج دوں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرح حضور ﷺ نبی کریم کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی تو نہ بنایا مگر آپ ﷺ کو ذات الٰہی کا جز و قرار دے دیا یعنی آپ ﷺ دوسرے ہمہ صفت موصوف خدا قرار دے دیے گئے۔ پھر یہی نہیں بلکہ ساری مخلوقات کو حضور ﷺ کے نور سے پیدا ہونے کا یقین کامل بھی حاصل کر لیا۔ اسے کہتے ہیں عشق!

اب حضور نبی کریم ﷺ کے اپنے بارے میں بشر، رجل، عبد اور انسان ہونے سے متعلق احادیث نبویہ ﷺ پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ احادیث نبوی ﷺ

i۔ کھجوروں کو پیوند لگانے والی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اننا انا بشر مثلكم (مسلم)

(بے شک میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں)

ii۔ سجدہ سہو والی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّنَا اَنَا بَشَرٌ اِنسَا کَمَا تَنسَوْنَ (بخاری و مسلم)

(بیشک میں ایک بشر (انسان) ہوں۔ میں بھی کبھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔)

iii۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلَدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃ....(مسلم مشکوٰۃ ۵۴۹۴ جلد سوم)

(میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔۔۔۔)

یہاں آپ ﷺ نے خود کو اولاد آدمؑ کا سردار ہونا فرمایا ہے۔ نہ فرشتوں (نوریوں) کا اور نہ جنوں (ناریوں) کا۔

iv۔ واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ سے فرماتے سنا:

''اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل ﷺ سے کنانہ کو چن لیا، کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔''

(مسلم۔ مشکوٰۃ: ۵۴۹۳، جلد سوم)

اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ میرے نور سے یہ مخلوقات پیدا ہوئیں''

v۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پاس آئے گویا کہ انھوں نے دشمن کا کوئی طعنہ سن رکھا تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا آپ ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ فرمایا: ''میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، مجھ کو بہترین خلقت (انسانوں) میں پیدا فرمایا۔ پھر ان کے دو گروہ بنائے، مجھ کو بہترین گروہ میں پیدا کیا۔ پھر ان کو قبائل میں تقسیم کر دیا، مجھ کو بہترین قبیلہ میں پیدا کیا۔ پھر ان کے گھرانے بنائے، مجھ کو بہترین گھرانے میں پیدا کیا۔ میں بہترین ذات اور بہترین حسب والا ہوں۔''

(ترمذی۔ مشکوٰۃ: ۵۵۰۹، جلد سوم)

vi۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ فوت ہوئے:

''اے عائشہ! ہمیشہ میں نے اس طعام کا اثر پایا جو میں نے کھایا تھا خیبر میں اور اب میری شہ رگ کٹ جانے کا وقت ہے اس زہر کی وجہ سے۔''

(بخاری۔ مشکوٰۃ:۵۷۱۱ جلد سوم)

vii۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ:

''دعا اور نماز عشاء کے بعد آپ ﷺ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ سپیدۂ صبح نمودار ہوتا۔ آپ ﷺ بیدار ہوتے۔ صبح کی سنتیں ادا کر کے مسجد تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے:

''خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر۔ میری آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر۔'' (صحیح مسلم۔ باب الدُّعافِی صلوٰۃ الّیل)

حضور ﷺ سرور کائنات، فخر موجودات کو نور (جنس نور) ثابت کرنے کی غرض سے ان حضرات نے ایک اور من گھڑنت روایت کا سہارا لیا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ''حضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا''۔ مطلب یہ کہ اگر نبی کریم ﷺ بشر ہوتے تو آپ ﷺ کا سایہ ضرور ہوتا۔

''حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا''

ا۔ ملا محمد بن الکلینی (۳۲۸ھ) امام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''لَمْ یَکُنْ لَه' فَیٔ'' (اصولِ کافی، جلد ۱، ص ۴۴۲)

''آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔''

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بریلوی مکتبہ فکر کا حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں عقیدہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

''آنحضرت ﷺ نور تھے اور آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ آپ کی بشریت دوسرے

انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص ۴۸۶، جلد ۴)

روایت کے لحاظ سے درج بالا روایت قطعاً موضوعہ ہے۔ مثلاً:

i۔ یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ کی احادیث میں کہیں بھی نہیں ہے۔

ii۔ یہ کہ اس کے راوی امام باقرؒ ہیں جو کتب احادیث میں کسی حدیث کے راوی نہیں ہیں۔

iii۔ یہ کہ یہ ان کا اپنا خیال دکھائی دیتا ہے۔ حدیث ہوتی تو اس کا سلسلہ صحابہ کرام تک لے جایا جاتا۔

iv۔ یہ کہ ملا محمد یعقوب الکلینی معروف جامع الاحادیث نہیں ہیں۔

درایت (عقل، اصولِ مسلمہ، مشاہدات، دلائل) کے لحاظ سے یہ روایت بے معنی اور موضوعہ ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً:

i۔ تمام انبیاء اور حضور نبی کریم ﷺ بشر تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں قرآن و احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ دیگر انبیاء کا تو سایہ تھا مگر حضور ﷺ کا سایہ کس بنا پر نہیں تھا۔ کیا اس سے حضور ﷺ کی بے ادبی ہوتی تھی؟ اگر یہی وجہ ہے تو کیا دوسرے انبیاء کی بے ادبی تو اللہ کو گوارا تھی مگر آپ ﷺ کی نہیں۔ یاللعجب!

ii۔ حضور ﷺ کا اگر سایہ نہیں تھا تو کیا یہ بچپن سے ہی غائب تھا کہ بعثتِ رسالت ﷺ کے بعد؟

iii۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضور ظاہراً تو بشر تھے مگر اندر سے نور تھے تو ظاہراً بشر جس کا وجود، جسمانی اعضاء اور لباس وغیرہ سب بشری ہوں تو اس کے سایہ کا نہ ہونا کہاں کی منطق ہے۔ لباس کا سایہ تو بننا ہی چاہیے تھا۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰؑ کی ثنویت کے دعویدار ہیں کہ وہ اندر سے خدا تھے اور اوپر سے بشر۔

iv۔ ہمارے وہ حضرات جو حضور ﷺ کے سایہ کے نہ ہونے سے قدرے متفق ہیں وہ یہ تاویل گھڑتے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہو لہٰذا اس سے آپ ﷺ کی بشریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ ﷺ بشر ہی رہیں گے ۔ ان میں سے ایک طبقہ سایہ کا نہ ہونا اس وجہ سے تسلیم کرتا ہے کہ آپ ﷺ پر معجزۃً بادل چھائے رہتے تھے تاکہ آپ ﷺ کا سایہ نہ بننے پائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سایہ کو معدوم کرنے کے لیے اللہ کے پاس کوئی اور طریقہ نہ تھا؟ گرمی کے موسم میں تو بادلوں کا سایہ مان لیتے ہیں لیکن انتہائی سردی کے موسم میں حضور ﷺ پر سایہ سے کیا آپ ﷺ

کو تکلیف نہ ہوتی ہوگی۔اس موسم میں سورج کی تمازت کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے۔پھر باہر تو چلتے پھرتے بادل آپ پر سایہ فگن ہو سکتے ہیں مگر گھر یعنی حجرہ میں اور وہ بھی رات کے وقت وہ کس لیے سایہ فگن ہو سکتے ہیں۔

v۔ اتنا بڑا واقعہ اور راوی ایک ہی۔اگر یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ ایک معجزہ یا بادلوں کا سایہ تھا تو پھر مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ نے واویلا کیوں نہ مچایا کہ حضور ﷺ ایک غیر بشری مخلوق ہیں ہیں۔مافوق الفطرت ہونے کی وجہ سے شاید وہ ایمان لے آتے۔ایک نہیں ہزار ہا راوی ہوتے پھر حضور ﷺ گرمی کے موسم میں کسی سایہ دار چیز (درخت ،دیوار اور چھت وغیرہ) کے سایہ میں آرام نہ فرماتے۔ان کے لیے تو بادل کا سایہ ہی کافی ہوتا اور صحابہ کرام بھی اس سہولت سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے۔

vi۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وقت میں نمازِ ظہر اور عصر کے اوقات کا تعین اپنے سایہ کی لمبائی سے لگایا جاتا تھا۔اس بارے میں حدیث نقل کی جائے گی جس سے پتہ چلے گا آپ ﷺ اپنے سایہ کی نسبت سے ان دونوں نمازوں کے اوقات معلوم کرتے تھے۔

روایت اور درایت دونوں لحاظ سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے سائے کا نہ ہونا قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے۔۔اب ایک قرآنی آیت پیش کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین اور آسمانوں کی جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ خود اور ان کے سائے بھی اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ○ (الرعد: ۱۵)

ترجمہ: ''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ خوشی سے یا جبراً اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام مخلوقات اور ان کے سائے اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔اس میں جبری عبادت اور اختیاری (تشریعی) عبادت دونوں شامل ہیں۔پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نبی کریم کا سایہ نہ ہو جو اللہ کو سجدہ کرے! پھر ان اصحاب کے ''ظاہری'' طور پر بشر (رسول اللہ ﷺ)

ہوتے ہوئے ان کا سایہ کیوں نہ تھا۔

اب حضور ﷺ کے سایہ کا ہونا احادیث مبارکہ سے ثابت کریں گے۔

حضور ﷺ کا سایہ۔احادیثِ مبارکہ

i۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جبرائیل نے مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے قد کی لمبائی کے برابر ہوگیا۔'' (مجمع الزوائد۔۱/۳۵۳)

ii۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا:

''ایک دفعہ حضور ﷺ حضرت زینبؓ سے ناراض ہوگئے۔حضور ﷺ ان کے گھر سے میرے گھر کی طرف آئے تو آپ ﷺ کا سایہ میری طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔''

(مسند احمد،۶/۳۳۶)

iii۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک نماز پڑھائی۔نماز کے دوران آپ ﷺ کچھ پیچھے ہٹے۔نماز کے بعد صحابہؓ کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے سامنے جہنم پیش کیا گیا۔اس کی روشنی (آگ کی روشنی) میں میں نے اپنا اور تمھارا سایہ دیکھا۔''

(مستدرک حاکم۴/۴۵۶)

☆ جو حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حضور ﷺ کے سایہ پر کسی کے پاؤں آجانے سے بے ادبی کا ارتکاب ہوتا ہوگا لہٰذا اس چیز کے مدنظر اللہ نے آپ ﷺ کا سایہ اٹھا لیا ہوگا۔ان سے گزارش ہے کہ کسی کے سایہ پر کسی کے پاؤں آجانے سے اس کا سایہ اس کے پاؤں کے نیچے ہرگز نہیں آتا بلکہ الٹا اس کے پاؤں یا وجود کے کسی حصہ کے اوپر پڑتا ہے۔لہٰذا اس میں بھی بے ادبی کا سوال نہیں ابھرتا۔

نُوری افضل کہ بشر؟

تمام مخلوقات سے ہر لحاظ سے افضل ہونے کا شرف مٹی کے پتلے انسان کو حاصل ہے۔تخلیق کائنات کے ڈرامہ کا مرکزی کردار انسان ہی ہے۔فرشتوں اور جنوں کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کی تسلی نہ ہوئی تو اس

نے کن فیکون کے تحت نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں سے اس ''شے'' (انسان) کو مٹی، آگ اور پانی کے خمیر سے اٹھایا گیا پتلا بہترین شکل وصورت اور انداز میں تیار کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

i. لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍO (اَلتِّین : ۴)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین انداز (شکل وصورت وظرف) میں۔''

☆ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا اور کیسی کیسی قوتیں اور ظاہری وباطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں۔ اگر یہ صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائک بنے۔

ii. لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O

(الانبیاء : ۱۰)

ترجمہ: ''بیشک نازل کی ہم نے تمھاری (انسان) طرف ایک کتاب جس میں تمھارا ذکر ہے۔ پس کیا تم سمجھتے نہیں؟''

☆ یہاں ذکر کے معانی عظمت وشرف بھی ہیں اور تذکرہ بھی۔ انسانی ذات کی بنیادی صفات صفاتِ خداوندی کا عکس ہیں اور انھی کی تجلیات کا پرتو ہیں۔ جب ہم خدا کی صفات (اسماء الحسنٰی) کا ذکر کرتے ہیں تو گویا ان میں (محدود شکل میں) خود ہماری ذات کی صفات کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

iii. وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ Oوَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ Oفَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ Oفَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ O اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ Oقَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ O قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ Oقَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ O وَّ اِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِO (الحجر: ۲۷ تا ۳۵)

ترجمہ: ''اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان (آدم) کو کھنکھناتی مٹی سے سڑے ہوئے گارے کی O اور جنات کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ سے کہ لُو والی تھی O اور جب فرمایا آپ ﷺ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں ایک انسان کھنکھناتی مٹی سے سڑے ہوئے گارے کی O پس جب درست کر دوں اس کو اور پھونک دوں اس میں پیدا کی ہوئی ایک روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سر بسجدہ ہو کر O پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب کے سب O سوا ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے O فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ تو نہیں ہوتا شامل سجدہ کرنے والوں میں O اس نے کہا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک انسان کو جسے پیدا کیا تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے، سڑے ہوئے گارے کی O فرمایا اللہ نے نکل جا یہاں سے بلاشبہ تو مردود ہے O اور بے شک تجھ پر لعنت ہے تا روز جزا''

تخلیق آدم کے درج بالا منظر نامہ میں اللہ کے حکم سے فرشتوں کا آدم کو سجدہ تعظیمی کرنا اور شیطان مردود کا اس بنا پہ سجدہ کرنے سے انکار کرنا کہ وہ (آدم) سڑے ہوئے مٹی کے گارے سے پیدا کیا گیا ہے، یہ بات عیاں ہے کہ مٹی کے گارے سے بنایا ہوا یہ انسان صانع حقیقی کا شاہکار ہے۔ نوری اور ناری اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ ایک (نوری) اس کے خادم دوسرے (ناری) فضول قسم کی مخلوق۔ شیطان کا انسان (بشر) کو نیچ سمجھنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر انسان کا اپنے آپ کو نیچ سمجھنا اس بنا پہ کہ وہ خاکی ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پست خیالی کے تحت نہ صرف اس نے اپنے خالق حقیقی کی قدر نہ کی بلکہ اپنی قدر بھی گنوا بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کے آگے سر نیاز جھکا کر اور گھٹنے ٹیک کر اس نے ذلت و رسوائی کا مہنگے داموں سودا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ناقدری شرک اور اپنی ناقدری صانع حقیقی کی تضحیک! یہ دونوں جرائم ناقابلِ معافی ہیں۔ اے انسان تو واقعی ظلوماً جہولاً نکلا!

تو مردِ میداں تو میرِ لشکر　　نوری، حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی　　یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

(اقبالؒ)

اس ضمن میں ایک حدیث مبارکہ پر بھی نظر دوڑائے چلیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بشر کی کیا قدر ہے۔ فرشتوں سے انسان کو افضل اور قیمتی قرار دیا۔

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتوں نے کہا: اے رب! تو نے ان کو پیدا کیا۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے ہیں، اور سوار ہوتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا رہنے دے اور ہمارے لیے آخرت کو بنا دے۔ اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، اپنی روح اس میں پھونکی ہے ایسی مخلوق کی طرح نہیں کر سکتا جسے میں نے کہا ''ہو جا وہ ہو گیا۔'' کُنْ فَیَکُون '' (بیہقی۔ شعب الایمان۔ مشکوٰۃ: ۵۴۸۵)

سبحان اللہ! کیا شان ہے بندہ خاکی کی! ربّ کریم نے پردے کھول کر رکھ دیے ہیں۔

زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر پائندہ تر تابندہ تر نکلے

(اقبال)

ایک اور حدیث ہے کہ حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر طوافِ کعبہ کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''اے خانہ کعبہ! بے شک تیری شان و موعظت بہت بلند ہے لیکن سن لے خدا کی قسم مومن کی شان اور حرمت تجھ سے زیادہ بلند ہے''۔

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے

(ذوق)

مزید برآں بشر (انسان) اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس بار امانت کو اٹھانے سے آسمانوں اور زمین نے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح قرآن حکیم جس کا حامل بشر ہی ہے کہ بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اگر ہم اتارتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تم دیکھتے اس کو کہ جھک جاتا اور پھٹ جاتا خوف سے اللہ کے''۔ انسان بڑی شے ہے مگر یہ خود ہی ٹھڑ گیا ہے۔ جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہی ہوگا۔ نور اور بشر کا موازنہ یوں ہے کہ نور ساجد بشر مسجود، نور خادم بشر مخدوم۔

قارئین گرامی القدر قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ بشمول کلام حکیم الامت علامہ اقبال وغیرھم سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ بشر نور سے افضل ہے لیکن یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نبی مکرم کو نوری ہونے کا اعزاز بخشنے والوں کی خدمت اقدس میں یہ عرض کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ اس طرح وہ توقیر رسالت نہیں بلکہ تحقیر رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کے بشر رسول ہونے سے انکاری ان حضرات نے آپ ﷺ پر بھی بصد شوق وہی الزامات لگانے شروع کر دیے ہیں جو ان سے قبل حنفی مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ پر، یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ پر اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ پر لگائے تھے۔ دین اسلام میں غلو اور کمی بیشی کی تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے رسولوں کی بشریت سے انکار کر کے انھیں محض رسول مان لیا تھا اور پھر ان کی شان میں اس قدر مبالغہ آرائی کہ کہ ان کو خدا کے نور میں سے نور بنا کر انھیں بیٹوں کا خطاب دے دیا۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اندر سے خدا اور باہر سے بشر سمجھتے تھے۔ مزید برآں انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا جسمانی ظہور قرار دے کر عین اللہ بنا دیا تھا۔ ہمارے احباب بھی انہیں کی طرح حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیتے ہیں۔ نُوْرٌ مِّن نُّورِ اللّٰهِ پر ان کا پکا ایمان ہے یعنی ان کا ایمان ہے کہ حضور ﷺ نہ صرف نوری ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو نوری ہے کا جزو ہیں۔ اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مثال کی توہین ہوتی ہے بلکہ بشر رسول حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس اور رسالت مصطفویؐ کی بھی کیونکہ محلِ وحی اور ظرفِ نبوت و رسالت اگر ہے تو بشر۔ نوع بشر کے علاوہ نبوت و رسالت کا کوئی ظرف نہیں۔ یہ لازم و ملزوم ہیں کسی نوری (فرشتہ) کو انسانوں کا رسول، نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ نوری رسول نوریوں (فرشتوں) میں ہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل : ۹۴)

ترجمہ: ''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جبکہ آ گئی ان کے پاس ہدایت مگر اس بات نے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کیا بھیجا ہے اللہ نے بشر کو رسول بنا کر؟'

بشریت کا انکار کرنے والے رسالت کے بھی منکر ٹھہریں گے اور حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا جزو قرار دینے والوں کا حشر بھی یہود و نصاریٰ اور حنفی مشرکین کے ساتھ ہوگا۔ اگر کوئی قوم یا فرقہ ایسے عقاید باطلہ کو ہدایت سمجھتا ہو جو قرآن مجید کے عقاید جلیلہ و محرکہ کے خلاف، نا آہنگ یا متناقض ہوں تو اسکا گمراہ ہونا یقینی ہے۔

جولوگ بعض نبیوں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جزو ٹھہراتے ہیں ان کے بارے اللہ فرماتا ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الزخرف: ۱۵)

ترجمہ: ''اور انھوں (کفار و مشرکین) نے ٹھہرا رکھا ہے اس کے لیے اس کے بندوں میں سے ایک جزو۔ بیشک انسان تو صریحاً ناشکرا (گستاخ) ہے۔''

☆ اور ان کفار و مشرکین نے بایں ہمہ دلائل تنزیہ و توحید اللہ کی مخلوقات میں بعض کو اس کا جز (اولاد، معنوی ذریت) ٹھہرا رکھا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عزیرؑ، عیسیٰؑ اور فرشتے اللہ کے بیٹے، اور بیٹیاں ہیں۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔

☆☆☆

باب سوم۔ شرک فِی الصِّفات

شرک فی الصفات کا مطلب ہے اللہ جل شانہ کی صفات مطلقہ میں کسی اور ہستی کو شریک یا ساجھی سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مطلقہ یہ ہیں کہ وہ آسمان کے اوپر سے لے کر زمین سے نیچے تک کا تنہا مالک ہے۔ اس کے کاروبار کائنات میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی شہنشاہی لاشریک ہے، اس کے کارخانہ قدرت میں کوئی اور ساجھی نہیں۔ کائنات کا کوئی ذرّہ تک اس کے حکم سے باہر نہیں۔ دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ شجر، حجر، پہاڑ، صحرا، دریا، سمندر، سورج، چاند، زمین و آسمان، حیوان اور تمام حشرات الارض اسی کی عبادت (تکوینی یعنی جبری) اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں۔ انسانی اعضاء بھی تکوینی عبادت میں لگے رہتے ہیں جبکہ تشریعی عبادت (مرضی کی عبادت) میں صرف انسان ہی آتے ہیں۔ کریں یا نہ کریں یہ انکی مرضی ہے۔ پھر سب کمزور ہیں اور وہی ایک قوت والا ہے۔ سب بے علم (صرف اسی حد تک عالم جو کچھ اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ انھیں عطا کر رکھا ہے) اور اسی ایک کو علم ہے۔ سب فانی ہیں اسی کو بقا ہے۔ سب محتاج ہیں وہی ایک بے نیاز ہے۔ سب اسی کے بندے ہیں اور وہی ایک شہنشاہ ہے۔ غرضیکہ عرش سے فرش تک جو کچھ ہے اسی کا ہے اور اس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہر برائی سے منزہ اور ہر الزام سے بری۔ اس کی مانند کوئی نہیں، اس کی شبیہ و مثال کوئی نہیں۔ انسان کے اللہ تعالیٰ سے تین رشتے ہیں وہ ہیں خالق، رب اور الٰہ۔ ان تینوں رشتوں کو اگر صحیح طور پر سمجھا جائے تو شرک قریب بھی نہیں آنے کا۔

اللہ کے اوصافِ مطلقہ کے بارے چند ایک قرآنی آیات ملاحظہ کیجیے گا:

۱. .... ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○

(الزمر: ٦)

''وہ ہے اللہ تمہارا رب اس کی بادشاہی ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں پھر کدھر پھرے جاتے ہو؟''

۲. ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ...O(المومن: ٦٢)

''وہ اللہ ہے تمہارا رب ہر چیز بنانے والا۔۔۔''

۳. .... لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط...O(الزمر: ٤٤)

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔۔۔''

۴. عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ط ...O(الانعام: ٧٣)

''چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔۔۔''

۵. فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ O(الانعام: ١٤)

''جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا''

٦. ....يَعْلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط...(الفرقان: ٦)

''جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں اور زمین میں''

۷. كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O(القصص: ٨٨)

''اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کا حکم ہے (اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی طاقت ہے) اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔''

۸. رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ج يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ لا O(المومن: ١٥)

''وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا، اتارتا ہے بھید کی بات (وحی) اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے''

۹. ....لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O(المومن: ١٦)

''۔۔۔کس کا راج ہے اس دن۔ اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا۔''

۱۰. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ O (الشوریٰ: ١١)

''اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

۱۱. .... اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝(الشوریٰ:۱۲)

''بیشک وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔''

۱۲. ....وَهُوَ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ۝(الشوریٰ:۲۸)

''۔۔۔اور وہی ہے کام بنانے والا، سب تعریفوں کے لائق۔''

۱۳. اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط.... ۝(الانعام:۵۷)

''حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے''

۱۴. وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

(المومن : ۲۰)

''اور وہ (انسانی ہستیاں) جنھیں یہ پکارتے ہیں اس (اللہ) کے سوا وہ نہیں فیصلہ کر سکتے کسی چیز کا بیشک اللہ ہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا''۔

۱۵. ....اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۝(الشوریٰ:۲۷)

''۔۔۔بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔''

۱۶. اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورہ فاطر: ۱)

''بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

۱۷. ....اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝(الشوری: ۵۰)

''۔۔۔بلاشبہ وہ ہے سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قادر''

۱۸. ....اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝(سبا: ۵۰)

''۔۔۔بلاشبہ ہے وہ سب کچھ سننے والا اور قریب ہی''

۱۹. قُلْ اِنَّ رَبِّىْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(سبا : ۳۶)

''کہو (اے نبی ﷺ) بیشک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور ناپا تلا عطا فرماتا ہے جسے چاہے مگر اکثر لوگ حقیقت کو نہیں جانتے۔''

۲۰. وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ صلے وَ هُوَ السَّمِيْعُ

الْعَلِيْمُ O (عنکبوت: ۶۰)

''اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ ہی رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمھیں بھی اور وہ ہے ہر بات کا سننے والا اور سب کچھ جاننے والا۔''

۲۱. .... اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ O (المومن: ۲۲)

''۔۔۔یقیناً وہ بڑی قوت والا اور بڑا سخت ہے سزا دینے میں۔''

۲۲. اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ O (المومن: ۸)

''بلاشبہ تو ہی ہے سب پر غالب اور بڑی حکمت والا۔''

۲۳. اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ O (المومن: ۴۴)

''بلاشبہ اللہ نگہبان ہے اپنے بندوں پر''

۲۴. .... اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ O (المومن: ۵۶)

''۔۔۔بلاشبہ وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا۔''

۲۵. ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ O

(المومن: ۶۲)

''یہ ہے اللہ جو تمھارا رب ہے، خالق ہر چیز کا۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے پھر کدھر بہکائے جا رہے ہو تم؟''

۲۶. ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَهُ الْمُلْکُ ط وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ O ط

(فاطر: ۱۳)

''یہی ہے اللہ تمہارا رب، اسی کی ہے بادشاہی اور وہ (دوسرے) جنھیں پکارتے ہو تم اس (اللہ) کے سوا نہیں ہیں وہ مالک پرکاہ کے بھی۔''

۲۷. .... اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ ج وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ... O (فاطر: ۱۴)

''اگر تم پکارو انہیں (اہل قبور) کو نہیں سن سکتے وہ (اولیاء) تمہاری دعائیں اور اگر سن لیں تو نہیں جواب دے سکتے تمہیں''

۲۸. اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ○ (فاطر:۳۸)

''بے شک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو۔ بلاشبہ وہ جانتا ہے
دلوں کے رازوں کو''

درج بالا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات مطلقہ کا ذکر ہوا ہے وہ ہیں:

الرب، الخالق، الواحد، القهار، الحكم، السميع، البصير، العليم،
الخبير، القدير، العزيز، الحكيم، الرزاق، القوى، الاحد، الحى،
الحميد، مالک الملک، علم الغيب، النصير، القريب

اس کے علاوہ بھی بہت سی صفات مطلقہ ہیں۔ یہاں صرف انہی صفات کا ذکر کیا ہے جن کا نفس مضمون سے تعلق ہے۔ جہالت کا شکار کلمہ گو بھائیوں نے اللہ تعالیٰ کی کئی صفات مطلقہ کو حضور نبی کریم ﷺ سے منسوب کر رکھا ہے وہ ہیں:

i۔ ''حضورؐ عالمِ الغیب/کلی غیب دان''

ii۔ ''حضورؐ الحاضر والناظر (السمیع البصیر، القریب)

i۔ حضور ﷺ عالم الغیب، کلی غیب دان

جب ہمارے گم گشتہ راہ حضرات نے حضور سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جزو (حصہ) قرار دے دیا تو اس کے لیے لازم تھا کہ وہ آپ ﷺ کو خدائی صفاتِ مطلقہ سے بھی آراستہ کرتے۔ چنانچہ انھوں نے بلا حیل وحجت آپ ﷺ کو ''کلی غیب دان''، ''حاضر وناظر'' (ہر جگہ، ہر وقت) قرار دے دیا۔

احمد رضا خاں صاحب قرآن میں تحریف لفظی سے تو رہے مگر تحریف معنوی سے کام لیتے ہوئے انھوں نے جہاں قرآن میں حضور ﷺ کو ان کی اپنی زبانی دوسرے انسانوں جیسا بشر کہلوایا گیا ہے (قل انما انا بشر مثلکم) ''کہہ دیجیے اے نبی ﷺ میں بھی ایک بشر ہوں تم ہی جیسا'' اس نے ترجمہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔ ''تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔ اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ ظاہراً تو بشر تھے مگر حقیقت میں نور تھے۔ ظاہر/ظاہری کا سابقہ لگا کر اپنا مطلب نکال لیا۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ ایک ایک بات میں اللہ تعالیٰ کے بتانے (عطا کرنے) پر انحصار نہیں کرتے بلکہ انھیں خدا نے کلی علم ایک ہی مرتبہ عطا کر دیا۔ یہ حضرات حضور ﷺ کے ذاتی علم غیب کے دعویدار ہیں۔ نبی کریم ﷺ تو کجا یہ تو اولیاء کرام

کے ذاتی علم غیب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بہر حال ہم ان کے ''عطائی'' علم غیب پر ہی بحث کریں گے۔

i۔ جو علم عطائی ہو وہ علم غیب نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو علم بذریعہ فرشتہ (وحی) بذریعہ الہام والقاء یا پردے کے پیچھے سے آواز یا بذریعہ خواب عطا کرتا ہے ماسوائے اس علم وحکمت کے جو پیغمبر کو اس کی پیغمبرانہ وہبی قوت علم وفہم سے عطا ہوتا ہے۔ اسے ''ملکۂ نبوت'' کہا جاتا ہے۔ قرآن بذریعہ وحی جبریل اتارا گیا تو کیا اس کو حضور ﷺ کا غیب کہا جائے گا؟ کیا حدیث قدسی کو بھی حضور ﷺ کا علم غیب کہا جائے گا؟۔ العجب! العجب! نبی کے لغوی معنی غیب کی خبر دینے والا ہیں اور اصطلاحی معنی ''سردار'' کے ہیں۔ جہاں لفظ ''خبر'' آجائے گا وہاں غیب دانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خبر کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی اور سے سن لے۔ دوسرا یہ کہ وہ کہیں (اخبار، کتاب) سے پڑھ لے۔ پھر جو شخص کسی چیز، واقعہ یا وقوعہ کو آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کے لیے یہ ''خبر'' نہیں رہتی۔ اس نے تو خود دیکھ لیا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی آدمی نے کوئی چیز یا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یا اپنے کانوں سے سن لیا اور وہی چیز یا واقعہ کسی اور آدمی کو بتا دیتا ہے۔ اس (دوسرے) آدمی کے لیے یہ خبر ہوگئی اور جس نے خود دیکھ کر بتایا اس کے لیے یہ خبر نہ ہوئی تو دوسرا آدمی یہ نہیں کہے گا کہ دیکھنے والے کو غیب ہوا اور جب دوسرا آدمی یہ خبر کسی تیسرے آدمی کو پہنچائے گا تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ اسے علم غیب ہوگیا ہے۔ اس نے تو سنی ہوئی خبر آگے پہنچائی تو خود چشم بینا سے دیکھ لینا یا کسی سے سن لینا یا کہیں سے پڑھ لینا ہرگز غیب کے زمرے میں نہیں آتا۔ لفظ خبر غیب کی نفی ہے۔ الغرض نبی جو خبر دیتا ہے ایک تو وہ اللہ تعالیٰ سے مختلف ذرائع (جن کا ذکر کیا گیا ہے) سے حاصل کرتا ہے دوسرے وہ جن باتوں (اوامر ونواہی) کی خبر دیتا ہے وہ یہ ہدایات الٰہی سے متعلق ہوتی ہیں نہ کہ دنیوی امور جیسے آج کیا ہوگا، کل کیا ہوگا کے بارے میں۔ انبیاء کو کارہائے نبوت بارے ہی بتایا جاتا ہے۔ وہ آج کل کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا بتانے نہیں آتے۔ یہ نبی کا منصب ہی نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ نبی جو خبر دیتا ہے وہ عطائی ہوتی ہے اور عطائی پر غیب دانی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اطلاع علی الغیب کو علم غیب نہیں کہا جاتا۔

ii۔ ''عطائی'' علم غیب پر بحث کے بعد اب بات کرتے ہیں ''کلی علم غیب'' کے بارے میں۔ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے اگر کسی فرد یا بشر کو ہر وقت ہر چیز کا علم ہو تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ وہ ایک

پل بھی سکون اور بے فکری سے نہیں گزار سکتا چاہے کوئی ہو۔ وہ ہر آنے والی مصیبت، حادثہ، تنگی اور محرومی کا قبل از وقت تدارک کرے گا۔ یوں تدبیر اور تقدیر میں آنکھ مچولی شروع ہو جائے گی۔۔ کل کی بات آج معلوم ہو جائے تو زندگی ایک ڈرامے کی بے کیف ریہرسل بن کر رہ جائے۔

iii۔ تیسری بات یہ کہ نبی ﷺ کو اس کے کارِ نبوت سے ماورا کے علم کا فائدہ کیا۔ کیا نبی کو کاہنوں کی طرح بھارتیں بوجھنے کے لیے بھیجا گیا؟۔ کیا تمام اصحابؓ رسول ﷺ آپ ﷺ سے ہر وقت یہ پوچھتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا، میں کب اور کہاں مروں گا، میری صحت اور مالی حالت کیسی رہے گی، اس غزوہ میں ہمیں فتح ہوگی کہ شکست، بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ جانتے ہوتے کہ نبی کریم ﷺ کلی غیب دان ہیں تو وہ ضرور ایسے سوالات اکثر پوچھا کرتے۔ مگر بہت کم ہی ایسا ہوا کہ اصحابؓ نے ایسے سوالات پوچھے۔

یہاں تک تو تھی حضور نبی کریم ﷺ کے عطائی اور کلی علم غیب پر منطقی بحث و تمحیص۔ اب آگے چلتے ہیں اور قرآن مجید و احادیث نبویہ ﷺ سے معلوم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو علم غیب (عطائی اور کلی) تھا کہ نہیں۔

القرآن:

i. قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: (کہہ دو! (اے نبی ﷺ) کہ نہیں اختیار رکھتا میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نہ کسی نقصان کا مگر یہ کہ چاہے اللہ۔ اور اگر ہوتا مجھے علم غیب کا تو ضرور حاصل کر لیتا میں بہت فائدے اور نہ پہنچتا مجھے کوئی نقصان۔ نہیں ہوں میں مگر خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں)۔

۲. یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ (المائدہ: ۱۰۹)

ترجمہ: ''جس دن اللہ جمع کرے گا سب رسولوں کو پھر فرمائے گا! ''تمھیں کیا جواب

دیا گیا تھا'' تو وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔تو ہی ہے بہت جاننے والا سب چھپی باتوں کا۔''

اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تمھاری امتوں نے ہمارے پیغام کا کیا جواب دیا تھا؟ وہ سب کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ وہ ہمارے بعد کیا کرتے رہے۔تو ہی (اللہ) سب اسرار کا جاننے والا ہے۔ یہاں اللہ نے حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر تمام رسولوں میں تخصیص نہیں کی کہ حضور ﷺ تو جانتے ہونگے مگر دیگر رسول اس سے بے خبر ہونگے کہ ان کی امتیں ان کے بعد کیا کیا کرتی رہیں۔

۳. اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (لُقمٰن : ۳۴)

ترجمہ: ''بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت اور وہ نازل کرتا ہے بارش۔اور جانتا ہے جو کچھ ہے پیٹوں میں۔اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا کام کرے گا وہ کل، اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں وہ مرے گا۔ بیشک اللہ ہے سب کچھ جانتا بڑا باخبر''۔

۴. وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

(ھود: ۳۱)

ترجمہ: ''اور میں (نوحؑ) نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ یہ کہ میں جانتا ہوں غیب اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ (غیر بشر) ہوں اور نہ میں کہتا ہوں ان کی نسبت جنھیں حقارت سے دیکھتی ہیں تمھاری آنکھیں کہ ہرگز نہیں دے گا انھیں اللہ بھلائی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے یہ کہوں تو بلاشبہ میں تو اس وقت ہو جاؤں گا ظالموں میں۔''

☆ یہاں رب کریم نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہلوایا ہے کہ نہ تو ان کے پاس اللہ کے

خزانے اور نہ وہ غیب دان ہیں اور نہ ہی وہ کوئی فرشتہ ہیں۔ ملاحظہ کیجیے کہ ایک جلیل القدر نبی اور رسول بھی اس بات سے انکاری ہے کہ اس کے پاس اللہ کے خزانے (رزق و دولت وغیرہ) ہیں، وہ علم غیب جانتا ہے اور یہ کہ وہ کوئی فرشتہ (نوری ہے)۔

۵. قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ○ (الانعام: ۵۰)

ترجمہ: ''کہ (اے نبی ﷺ) میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں کوئی غیب دان ہوں اور نہ میں کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ (غیر بشر) ہوں۔ میں نہیں پیروی کرتا مگر اس حکم کی جو وحی کیا جاتا ہے میری طرف۔ تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ تو تم ان باتوں پر غور و تفکر کیوں نہیں کرتے۔''

اوپر آیت نمبر ۴ (ھود: ۳۱) میں جن جن چیزوں سے حضرت نوحؑ سے انکار کرایا گیا ہے انھی سے حضور ﷺ سرور کائنات سے اسی ترتیب سے اور انھی الفاظ میں انکار کرایا گیا ہے۔

۶. وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(ھود: ۱۲۳)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا اور اسی کی طرف رجوع کیے جائیں گے کام سب کے سب۔ پس عبادت کر اسی کی اور بھروسا رکھ اسی پر، اور نہیں ہے آپ کا پروردگار بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو''۔

☆ یہاں لفظ ''للہ'' میں ''جو (ل)'' ہے وہ واسطے تخصیص کے ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں چاہے کوئی نبی ہو یا کوئی فرشتہ۔

۷. ....فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ○ (یونس: ۲۰)

ترجمہ: ''۔۔۔۔سوتو (اے نبی ﷺ!) کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے، سو منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (رب کی نشانیوں کا)۔

۸. ....اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ○ (المائدہ : ۱۱۶)

ترجمہ: ''بے شک تو ہی (اللہ) ہے غیب کا علم جاننے والا۔''

۹. وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّ رَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○

(الانعام : ۵۹)

ترجمہ: ''اور اُسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی کہ نہیں جانتا انہیں کوئی بھی سوا اس کے ،اور وہ جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی اور تری میں۔اور نہیں گرتا کوئی پتا مگر وہ اسے جانتا ہے، اور نہ کوئی دانہ ہے اندھیروں میں زمین کے اور نہ کوئی تر اور نہ خشک مگر وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔''

ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جزوی طور پر وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کو علم غیب عطا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے یکمشت غیب کا علم آپ ﷺ کو عطا کر دیا ہے لہٰذا آپ کلی غیب کے مالک ہیں۔اس آیت میں اللہ نے ان کا یہ فریب بھی آشکار کر دیا ہے کہ غیب کی کنجیاں تو صرف اسی کے پاس ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۰. وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ لا

(الشوریٰ: ۵۲)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے وحی کی آپ ﷺ کی طرف ایک روح (قرآن) اپنے حکم سے۔آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔لیکن ہم نے بنا دیا اس کو نور۔ہم راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ سے جسے چاہیں اپنے بندوں

میں سے۔اور بلاشبہ آپ ﷺ تو ہدایت کرتے ہیں سیدھے راستہ کی۔"

۱۱. تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ ۚ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (هود: ۴۹)

ترجمہ: "یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کرتے ہیں آپ ﷺ کی طرف نہ آپ ﷺ ہی انھیں جانتے تھے اور نہ آپ ﷺ کی قوم اس سے پہلے۔ پس صبر کیجیے۔ بلاشک نیک انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔"

۱۲. قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۛ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ (النمل: ۶۵)

"کہہ دیجیے نہیں جانتا کوئی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو سوا اللہ کے۔ اور انہیں خبر تک نہیں کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔

درج بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی ہستی نہیں سوائے اللہ کے جو غیب دان یا غیب بین ہو۔ وحی الٰہی کو اللہ نے "غیب کی خبریں" کہہ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انبیاء خبریں موصول کرنے والے تھے آگے اپنے امتیوں کو پہنچانے کے لیے نہ کہ از خود غیب دان یا غیب بین تھے اور یہ کہ ان خبروں (وحی کی گئیں) کو بھی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم ازیں قبل نہیں جانتے تھے۔

۲۳. قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۝ (الجن: ۲۵ تا ۲۸)

ترجمہ: "کہہ دیجیے (اے رسول ﷺ!) میں نہیں جانتا کہ قریب ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا کر دے گا اس کے لیے میرا پروردگار ایک مدت مقرر ۝ وہ جاننے

والا ہے غیب کا۔ پس وہ نہیں آگاہ کرتا اپنے غیب پر کسی کو O مگر (ہاں) جب وہ کسی رسول کو اس (علم غیب/ ہدایت) کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔ سو بلاشبہ وہ چلاتا ہے اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی محافظ (فرشتے) O تاکہ وہ (اللہ) بظاہر جان لے کہ انہوں (انبیاء) نے پہنچا دیے پیغامات اپنے رب کے اور اس نے احاطہ کر رکھا ہے ان امور کا جو ان کے سامنے ہیں اور شمار کر رکھی ہے اس نے گنتی ہر چیز کی''۔

۱۴. مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَى إِذْ يَخْتَصِمُونَ O إِنْ يُوحَى إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ O إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ O (ص: ۶۹. ۷۱)

ترجمہ: ''نہیں تھا مجھے (حضور ﷺ) کچھ علم فرشتوں کے متعلق جب وہ ملاء اعلیٰ میں تکرار کر رہے تھے O نہیں وحی کیا جاتا میری طرف مگر اس لیے کہ میں ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا O جبکہ فرمایا آپ ﷺ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہ بلاشبہ میں بنانے والا ہوں ایک انسان مٹی سے''

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کی بحث و تکرار کے متعلق انھیں بغیر وحی الٰہی کے کچھ علم نہ تھا۔ ان کا مقصد غیب دانی نہیں بلکہ لوگوں کو (اسلام) سے خبردار کرنا ہے---

۱۵. وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ O (المدثر: ۳۱)

ترجمہ: ''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر خود وہی''۔

۱۶. وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ O (التحریم: ۳)

ترجمہ: ''اور جب مخفی طور پر کہی نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے کوئی بات۔ پھر جب اس بیوی نے بتا دی وہ بات اور ظاہر کر دیا اس کو اللہ نے نبی ﷺ پر تو نبی ﷺ نے جتلا دی اس میں سے کچھ بات اور ٹال دی کچھ۔ پس جب پیغمبر نے جتلا دی اس کو وہ

بات تو وہ بولی: کس نے بتا دی آپ کو یہ بات؟ آپ ﷺ نے کہا بتلائی مجھے خدائے علیم وخبیر نے''

اور جب نبی ﷺ نے حضرت حفصہؓ کی دلجوئی کے لیے شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور ان سے کچھ بات کہہ کر اسے مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ مگر حضرت حفصہؓ نے وہ بات حضرت عائشہؓ سے کہہ دی اور اللہ نے اس پر آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ بات تو حفصہؓ کو بتلا دی کہ تو نے عائشہؓ سے یہ بات کہہ دی اور کچھ نہ بتائی۔ وہ بولیں کہ آپ ﷺ کو یہ کس نے بتلا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا اور ہر چیز سے واقف ہے۔ باقی وہ کیا بات تھی؟ اس کا صحیح علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے۔

۱۷. ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ○

(السّجدہ : ٦)

ترجمہ: ''وہی ہے جاننے والا سب چھپی اور کھلی کا۔ بڑا زبردست، نہایت رحم والا''۔

۱۸. وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ....○

(البقرہ : ۲۵۵)

ترجمہ: ''اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آ سکتی الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ان کو دینا چاہے۔''

درج بالا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے سوا غیب دانی اور رغیب بینی کی ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھلم کھلا نفی کی گئی ہے جس کا اظہار خود انبیاء کی زبانی بھی کروایا گیا ہے۔ اس نفی میں تمام انبیاء و اولیاء شامل ہیں۔ کوئی استثناء نہیں۔

وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ○

(المائدہ : ۴۴)

ترجمہ: ''جو کتاب خداوندی کا حکم تسلیم نہیں کرتے ایسے لوگوں کو کافر کہا جاتا ہے''۔

اگر کوئی قوم یا فرقہ ایسے عقاید کو ہدایت سمجھتا ہے جو قرآن کے عقاید جلیلہ و محکمہ کے خلاف، نا آہنگ یا متناقض ہوں تو اس کا گمراہ ہونا یقینی ہے۔ قرآن مجید سے بے اعتنائی اور دوری و مہجوری کے نتیجے میں انسان کا

نفسی، قلبی اور حسی نظام خراب و ناکارہ ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں گمراہی اسکا مقدر بن جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں امتِ مُسلمہ کی رہنمائی کے لیے سنائی تھی۔ وہ یہ ہے:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم گمراہ نہیں ہو گے جب تک کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے۔''

(راوی مالک بن انس، مشکوٰۃ، ۴۵/۱۷۶)

بعض حضرات نے قرآن مجید کی درج بالا اٹھارہ آیات کے مقابلہ میں صرف دو آیات کا غلط سہارا لے رکھا ہے کہ حضور کلی علم غیب کے حامل تھے۔ وہ دو آیات درج ذیل ہیں۔

i. وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝

(التکویر: ۲۴.۲۵)

ترجمہ: ''اور وہ (حضور ﷺ) غیب (کے اس علم کو لوگوں تک پہنچانے) کے معاملہ میں بخیل نہیں ہے ○ اور نہیں ہے یہ کلام کسی شیطان مردود کا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ تم لوگوں سے غیب کی کوئی بات چھپا کر نہیں رکھتے۔ غیب کے جو حقائق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کھولے جاتے ہیں خواہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں ہوں یا فرشتوں کے بارے میں یا زندگی بعد موت اور آخرت کے بارے میں سب کچھ تمہارے سامنے بے کم و کاست بیان کر دیتے ہیں۔ اور وہ ایسا کلام نہیں ہے جیسا اشراق سمع کرنیوالے شیاطین کاہنوں کے پاس لاتے ہیں۔

یہاں غیب کی باتوں کا مطلب اسرار وحی ہے۔ ذاتی علم غیب مراد نہیں۔ جن امور کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے ان کا تعلق فریضۂ رسالت اور اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہوتا ہے۔ انبیاء کا کام کاہنوں کی طرح بجھارتیں بوجھنا نہیں کہ فلاں کا مقدر کیا ہے، کل وہ کیا کرے گا، وہ رزق کن ذرائع سے اور کہاں کہاں سے کھائے گا، اس کی اولاد کتنی ہوگی، وہ کب اور کس جگہ مرے گا وغیرہ وغیرہ۔ ایں کار پیغمبراں نیست۔

سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بُوالعجبیست! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

i. اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا

يَعْقِلُوْنَ ○ (الانفال: ۲۲)

ترجمہ: ''بلاشبہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (عقل نہیں رکھتے)''

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

ii. وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ○ (آل عمران : ۴۹)

ترجمہ: ''اور بنائے گا اسے (عیسیٰؑ کو) رسول بنی اسرائیل کی طرف۔ کہ میں آیا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی لے کر تمھارے رب کی طرف سے۔ میں بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے ایک صورت پرندے کی سی۔ پھر پھونکتا ہوں اس میں تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور برص (کوڑھ) والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے اور بتا دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ بیشک اس میں کافی دلیل ہے تمہارے لیے اگر تم ہو ایمان لانے والے''۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی تسلی کے لیے باتمام حجت کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کو جو معجزات عطا کیے ان میں سے پانچ کی تفصیل دی ہے۔ یہ معجزات حضور نبی کریم ﷺ کو عطا نہ ہوئے تھے البتہ کسی کو زندگی میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہونے پر آپ ﷺ نے بذریعہ دعا ٹھیک کر دیا ہو تو یہ ایک علیٰحدہ بات ہے۔ اس قسم کے واقعات تو اولیائے کرام سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ باقی مٹی سے پرندے بنانا، مردوں کو زندہ کرنا اور پیٹوں کے اندر کیا ہے اور لوگوں کے گھروں میں ذخیرہ شدہ مال واناج وغیرہ کی تفصیل جاننا حضرت عیسیٰؑ کے لیے ہی مختص تھا۔ حضرت عیسیٰ کے یہ معجزات ہمارے نبی ﷺ کے معجزات کے آگے ہیچ ہیں۔ اس پر بحث میں پڑنے سے مضمون طوالت پکڑ جائے گا۔ اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ پیٹوں کے اندر کیا اور

لوگوں کے گھروں میں پڑا ہوا مال کتنا اور کیا کیا ہے کے متعلق جانتے تھے لہٰذا ہمارے نبی ﷺ بھی ایسی غیب کی باتوں سے واقف تھے قطعاً غلط ہے۔ ہر نبی کے علیحدہ علیحدہ معجزات ہوتے ہیں۔ پھر معجزات حالات اور امتوں کی ذہنیت کے مطابق عطا کیے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی تفصیل درج ذیل ہے (مذکورہ معجزات اس میں شامل نہیں ہوں گے)۔

۱۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی طرح پیدائش ہی سے نبی تھے۔

۲۔ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ نے گود میں ہی لوگوں سے کلام کیا اور کہا کہ:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا O (مریم : ۳۰)

ترجمہ: ''عیسیٰؑ نے کہا بلاشبہ میں بندہ ہوں اللہ کا۔ دی ہے اس نے مجھے کتاب اور بنایا اس نے مجھے نبی۔''

۴۔ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

۵۔ قرب قیامت میں آپ آسمان سے زمین پر اتریں گے۔ دجال سے جہاد کریں گے۔ شریعت محمدیؐ کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ شادی کریں گے، اولاد ہوگی۔ پھر فوت ہو جائیں گے۔

۶۔ تمام کفار و مشرکین ایمان لے آئیں گے۔ کوئی کافر نہ رہے گا۔

ان معجزات عیسیٰؑ میں سے ایک بھی معجزہ حضور نبی کریم ﷺ کو نہ دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات اگرچہ بے مثال ہیں اور نادر ہیں مگر حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا مقام ہے اور اس پر بحث مضمون کو طویل بنا دے گی۔ صرف چند ایک خصوصیات محمدی ﷺ پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

۱۔ آپ ﷺ پر جو کتاب نازل کی گئی صرف اسے ہی ''الکتاب'' کہا گیا اگرچہ دوسری بھی اللہ ہی کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقرہ : ۲)

ترجمہ: ''یہ ایک کتاب ہے (اللہ کی طرف سے) اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔''

۲۔ دوسرے انبیاء کے کاموں میں ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ اس طرح سے ہیں لا الٰه الا الله آدم صفی الله، ج لا الٰه الا الله ابراهیم خلیل الله، لا الٰه الا الله اسمٰعیل

ذبیح اللہ ،لا الہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ، لا الٰہ الا للہ عیسیٰ روح اللہ مگر ہمارے نبی کے کلمہ میں جو آپ کی صفت بیان کی گئی وہ ''رسول اللہ'' ہے۔لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔دوسرے انبیاء سے یہ امتیاز کیا کم ہے!

۳۔ حضور ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز (معجزہ) حامل قرآن ہونا ہے۔ یہ آخری، کامل و اکمل اور قیامت تک محفوظ اللہ تعالیٰ کا ہدایت نامہ ہے۔

۴۔ آپ ﷺ خاتم النّبین ہیں۔آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی/رسول نہیں آئے گا۔

۵۔ آپ ﷺ پر دین اسلام مکمل ہوا اور اللہ نے تمام نعمتیں آپ ﷺ پر ختم کیں اور آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔

۶۔ آپ کسی قوم یا علاقہ کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ ﷺ سارے جہان کے لیے قیامت تک نبی ہیں اور شریعت محمدی ﷺ قیامت تک قائم رہے گی۔

۷۔ آپ ﷺ ''رحمۃ للعالمین'' ہیں۔اللہ نے آپکا ذکر بلند فرمایا۔ورفعنا لک ذکرک

ہوتا ہے ورفعنا لک ذکرک سے یہ ثابت

خود رب محمدؐ ہے ثنا خوان محمدؐ

۸۔ حضور ﷺ کے معجزات بے شمار ہیں لیکن آپ اکیلے نبی ہیں جن کو آسمانی معجزات بھی عطا ہوئے۔ معراج شریف اور شق القمر آپ ﷺ ہی کے معجزات ہیں۔

۹۔ آپ ﷺ ہی مقام محمود اور وسیلہ پر متمکن ہوں گے۔

''حضرت عیسیٰؑ پر کمالات ملکیہ و روحیہ کا غلبہ تھا۔اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے لیکن اگر بشر کو مَلَک پر فضیلت ہے اور ابوالبشر کو مَسجُود ملائک بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ جو عبارت ہیں مجموعہ کمالات روحانیہ و جسمانیہ سے اعلیٰ درجہ پر ہونگے ،اس کو حضرت مسیحؑ سے افضل ماننا پڑے گا اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔''

حضرت ابوعبداللہ سہل التستری (م ۲۷۳ھ) کی خدمت میں ایک عیسائی راہب حاضر ہوا۔اس نے ملاقات کے بعد عرض کیا کہ ''ہمارے نبی (عیسیٰؑ) کی روحانیت تمہارے نبی کی روحانیت سے افضل ہے وہ

اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ متواتر چالیس دن کا روزہ رکھتے تھے جبکہ تمھارا نبی ایک دن کا روزہ رکھتا تھا لہٰذا ہمارے نبی کی روحانیت تمہارے نبی کی روحانیت سے افضل تھی''۔ حضرت سہل تُستری نے فرمایا: اچھا یہ بات ہے تو پھر تم میرے ہاں قیام کرو۔ کھانے پینے کو سب کچھ دیا جائیگا۔ میں چالیس دن (متواتر) کا روزہ رکھوں گا تم میری ہر طرح سے نگرانی کرنا۔ حضرت سہل تستری نے اس راہب کی تسلی بخش نگرانی میں چالیس دن کا روزہ نبھایا۔ جب چالیسویں دن افطاری کا وقت آیا تو آپ نے راہب سے کہا۔

''میں نے یہ چالیس دن کا روزہ تو شرط کے تحت رکھا تھا۔ اب بغیر افطاری کے ثواب کی خاطر مزید چالیس دن کا روزہ رکھوں گا۔ راہب نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت سہل تستری نے مزید چالیس دن کا روزہ بھی نبھایا اور ۸۰ دن گزر جانے پر روزہ افطار کیا۔ انھوں نے راہب سے کہا ''تمہارا نبی چالیس دن متواتر کا روزہ رکھتا تھا اور میں نے اسی دن کا روزہ تمہاری نگرانی میں رکھا تو بتاؤ جس نبی ﷺ کے امتی کی روحانیت کا یہ حال ہے اس کے نبی ﷺ کی روحانیت کا کیا حال ہوگا۔ بتاؤ کیا ہمارے نبی ﷺ کی روحانیت تمہارے نبی کی روحانیت سے افضل نہ ہوئی؟ عیسائی راہب اپنا سا منہ لے کر چلتا بنا۔

معجزات گو انبیاء کے فضائل میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے لیے اصل باعث شرف ان کی سیرت ہوتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کی سیرت مطہرہ بے مثل ہے۔

اب نبی کریم ﷺ کی غیب دانی کے متعلق آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے فرمودات پیش کیے جاتے ہیں۔

غیب دانی کی نفی از روئے احادیث نبوی ﷺ

۱۔ ابن المنذرؒ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے مشہور شاگرد حضرت عکرمہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ''اے محمدؐ قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقہ میں قحط برپا ہے بارش کب ہوگی؟ میری بیوی حاملہ ہے وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا، کل کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا، مروں گا کہاں؟ ''اس پر حضور نبی ﷺ کریم نے سورہ لقمان کی یہ آیت پڑھی۔ (یہ آیت پیچھے درج ہے یہاں صرف اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

''قیامت کی گھڑی کا علم اللہ کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ

ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے کوئی آدمی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔ تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے"۔ (سورۃ لقمٰن: ۳۴)

۲۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: "غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جن کو ہر وقت اللہ جانتا ہے پیٹوں کا گھٹنا، بڑھنا، ایک بچہ ہے، دو بچے ہیں، ادھورا ہے یا پورا ہے۔ مینہ کب برسے گا، جاندار کس سرزمین میں مرے گا، قیامت کب برپا ہوگی۔ (صحیح بخاری)

۳۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو کوئی یہ کہے کہ محمد ﷺ غیب کے تمام امور (کلی غیب) جانتے ہیں وہ جھوٹا ہے اللہ کے سوا کسی کو غیب حاصل نہیں"۔ (صحیح بخاری)

۴۔ ایک دفعہ مکہ کے چند مشرکین نے حضور ﷺ سے اصحاب کہف، حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین کی سرگزشت اور روح کے بارے پوچھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ آپ ﷺ کل بتائیں گے اس بھروسا پر کہ جبرائیلؑ آئیں گے تو دریافت کر لیں گے۔ حضرت جبرائیل ۱۵ روز تک نہ آئے اس پر آپ ﷺ نہایت غمگین ہوئے مشرکین نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اللہ کی طرف سے جو وحی آئی اس میں ان سوالات کے جوابات کے علاوہ حضور کو تنبیہ کی گئی کہ آئندہ بغیر انشاء اللہ کہے وعدہ نہ کرنا۔ اس واقعہ سے متعلقہ قرآنی آیات نقل کرتے ہیں۔

وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ز وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا ۝ (الکہف: ۲۳۔۲۴)

ترجمہ: "دیکھو آئندہ کسی چیز کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ میں کل فلاں کام کر دوں گا اِلّا یہ کہ اللہ ہی چاہے اور اگر بھول کر ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو اور کہو امید ہے کہ میرا رب اس معاملہ میں ہدایت کے قریب تر کی طرف میری رہنمائی فرما دے گا۔"

روح کے بارے ایک اور آیت قرآنی میں وضاحت کر دی گئی۔ ملاحظہ کیجیے۔

وَ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل : ۸۵)

ترجمہ: ''اور وہ پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے روح کی بابت کہہ دیجیے کہ روح حکم ہے میرے رب کا اور نہیں دیا گیا تم کو علم مگر تھوڑا سا۔''

☆ درج بالا آیات قرآنی سے بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ کلی علم غیب نہیں جانتے تھے، مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ ان کو کسی حد تک، کسی خاص موقع پر عطا کرتا تھا، جتنے علم کو اس موقع پر ضرورت ہوتی اور جب خدا چاہتا۔۔

۵۔ قبیلہ بنی المصطلق کے لوگ جب مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو اس قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلیے بھیجا۔ یہ صاحب ان کے علاقہ میں پہنچے تو کسی وجہ سے ڈر گئے۔ قبیلہ کے کسی آدمی سے ملاقات نہ کی۔ مدینہ میں آ کر حضور ﷺ سے شکایت کی کہ قبیلہ کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ اس پر سخت ناراض ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تحقیق کے لیے بھیجا اور وہ زکوٰۃ وصول کر کے لائے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کہ آپ ﷺ فوج روانہ کرنے والے تھے کہ اسی دوران اس قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار جو ام المومنین حضرت جویریہؓ کے والد تھے ایک وفد لے کر مدینہ تشریف لے آئے اور حقیقت حال پوری طرح واضح کر دی۔ اس واقعہ سے متعلقہ قرآنی آیت کا صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بغیر جانے بوجھے نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر شرمندگی اٹھانا پڑے۔'' (الحجرات:۴)

۶۔ غزہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک جگہ پڑاؤ کے دوران حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ قافلہ کو اس کی تلاش میں رکنا پڑا۔ ادھر ادھر بڑی تلاش کے باوجود ہار نہ مل سکا۔ آگ جلا کر ادھر ادھر ڈھونڈا مگر پتہ نہ چل سکا۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں جب ہار نہ مل سکا تو حضور ﷺ نے چلنے کا حکم دیا جب وہ اونٹ اٹھا جس پر میرا ہودج تھا تو اس کے نیچے سے وہ ہار مل گیا۔''

(صحیح بخاری، جلد ا، ص ۴۸)

☆ آپ غور فرمائیں کہ حضور ﷺ کا مع قافلہ ہار کی تلاش میں اس جگہ ٹھہرنا جہاں پانی تک دستیاب نہ ہو کس قدر مشکل مرحلہ تھا اس موقع پر بھی آپ ﷺ کے علم غیب کا سراغ نہیں ملتا۔

۷۔ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ''ایک رات مدینہ میں دشمن کی آمد کی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ سرکار دو جہاں نے ابوطلحہؓ کا گھوڑا لیا اور مدینہ کے اردگرد گھوم کر معاملہ کی تحقیق کی معلوم ہوا بات کچھ نہ تھی۔ یونہی افواہ تھی'' (صحیح بخاری، جلد ا، ص ۴۰۱)

۸۔ حضور نبی کریم ﷺ نے معراج النبی سے واپسی پر بتایا کہ آپ ﷺ گزشتہ شب بیت المقدس گئے تھے تو مشرکین نے پوچھا کہ آپ ﷺ بیت المقدس کے بارے کچھ نشانیاں دیں کہ اس میں فلاں فلاں چیز کہاں اور کیسے ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضورؐ کو فرماتے سنا۔

''جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے لیے روشن کر دیا۔ سو میں اس کے نشانات انھیں بتلاتا جاتا اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا''۔

(صحیح بخاری، جلد ا، ص ۵۴۸)

۹۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں ''چار قبائل کے لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ ﷺ سے افرادی قوت چاہی آپ ﷺ نے اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہؓ ان کی مدد کے لے روانہ کیے۔ یہ دراصل ان قبائل کی سازش تھی جس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ جب یہ ستر صحابہؓ بیر بیعونہ پہنچے تو انہوں نے ایک کے سوا سب صحابہؓ کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ کا بے حد صدمہ ہوا اور آپ ﷺ ایک ماہ کے قریب ان ظالم اور غداری کرنے والوں کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے رہے'' (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۵۸۲)

علاوہ ازیں غزوہ بدر کے بعد جب قریش مکہ کا زور ٹوٹ گیا اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا تو نبی مکرم نے بعض قبیلوں کی درخواستوں پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لیے ادھر ادھر بھیجا جن میں سے اکثر راستہ میں جان سے ماری گئیں۔ واقعہ رجیع میں ستر داعیوں کا مارا جانا، واقعہ بیر بیعونہ میں دس صحابہؓ کا قتل ہونا، اسریہ ابن ابی العوجاء میں پچاس صحابہؓ کی شہادت، واقعہ ذات اطلاح میں چودہ داعی مسلمانوں کا تیروں سے مارا جانا، عروہؓ بن مسعود ثقفی کا تیروں سے چھد جانا۔ ان تمام واقعات سے کیا استنباط ہوتا ہے۔

۱۰۔ حضرت معوذؓ بن عضراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اس پر آپ تشریف فرما ہو گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع لگایا۔

"فینا نبی یعلم ما فی غد (ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے)"

اس پر حضورؐ نے فرمایا: "یہ چھوڑو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں"۔ (صحیح مسلم۔ باب حزب الدف فی النکاح)

۱۱۔ غزوہ تبوک ۹ ھ بمقابلہ ہرقل قسطنطنیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی کے بعد اثناء راہ میں حضور ﷺ کا ناقہ (اونٹ کا بچہ) گم ہو گیا۔ منافقین کی بن آئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ "ہم کو آسمان سے خبریں ملا کرتی ہیں، ہم آسمانی حالات جانتے ہیں" وغیرہ۔ تعجب ہے کہ اپنے ناقہ کا حال نہیں جانتے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا "بخدا میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے جو میرے رب نے مجھے سکھا دیا ہے اور اب میں بہ الہامِ الٰہی بتاتا ہوں کہ ناقہ فلاں مقام پر ہے۔ مہار اس کی ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے"۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بھیج کر ناقہ منگوا لیا۔ قول بالا کہنے والا منافقین میں سے زید بن الصیت قبیلہ بنو قینقاع سے تھا۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد اس نے توبہ کر لی"۔

۱۲۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ جبرائیلؑ حضور ﷺ کو یہ کہہ کر گئے کہ وہ فلاں وقت آپ ﷺ کے پاس آئیں گے لیکن وہ وقت موعود پر گھر نہ آئے باہر منتظر رہے۔ رسول اللہ سوچنے لگے کہ اللہ اور اس کے قاصد تو کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرتے یہ کیا ہوا۔ اس پر جبریل نے باہر سے کہا گھر کے اندر کتا (پلہ) ہے۔ اس پر آپ ﷺ کتے کے بچے کو گھر میں ڈھونڈنے لگ گئے۔ آخر وہ حضور ﷺ کی چارپائی کے نیچے بیٹھا مل گیا۔ اسے باہر نکالا آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا یہ کب آیا تھا۔ انھوں نے کہا مجھے بھی پتہ نہیں۔ کتے کا بچہ باہر نکالا تو پھر جبریلؑ اندر آئے اور کہا۔

"انا لا یدخل و بیتا فیه کلب وصورة"

(ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا کوئی ((ممنوع) تصویر ہو)

(صحیح مسلم، جلد۲، ص۱۹۹)

۱۳۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے مروی ہے: ''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کل کیا ہونے والا ہے جانتے ہیں اس نے اللہ تعالےٰ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے۔ ''اے نبی ﷺ! تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں''۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط ..... (النمل : ٦٥)

محولہ بالا ارشاد حضرت عائشہؓ صدیقہ نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو غیب دان اور غیب بین ماننے والے نہ صرف حقائق کا انکار کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر سخت جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے ہیں جب کہ اس سے نہ نبی مکرم ﷺ کی شان میں اضافہ ہوتا ہے نہ دین اسلام کی کوئی خدمت ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ کو تمام ما کان و ما یکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے''۔

حضور سرور کائنات، فخر موجودات اور فخر نوع انسانی ﷺ یا کسی اور ہستی (فرشتے، جن، انسان وغیرہ) کے علام الغیوب ہونے کی تردید میں نہایت واضح قرآنی آیات اور بہت سی مستند احادیث مبارکہ (قولی وفعلی) پیش کی ہیں۔ طوالت کے پیش نظر بہت سی آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کو رقم نہیں کیا جا سکا۔ مذکورہ آیات اور احادیث سے عام فہم انسان کو پتہ چلتا ہے کہ کسی نبی، ولی، فرشتہ یا جن کو علم غیب حاصل نہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی نوعیت کیا ہے۔ کیا اس علم کو علم غیب کہہ سکتے ہیں جو ادراک بالحواس اور تعقلی استخراج کا نتیجہ ہو؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کیا ایسے علم کو علم غیب کہا جا سکتا ہے جو کسی وحی یا اطلاع پر مبنی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی ہی میں ہے۔ مزید برآں غیب زمانہ ماضی، حال اور مستقبل پر محیط ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ کل کیا ہوگا بلکہ یہ بھی ہے کہ کیا ہوا تھا اور کیا ہو رہا ہے۔ مذکور آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ میں غیر اللہ کے غیب جاننے کی تردید تینوں زمانوں پر محیط ہے۔ بغیر اطلاع کے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا اور اطلاع (خبر) خواہ اللہ جل شانہ کی طرف سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہرگز غیب نہیں کہلا سکتی۔ ہمارے احباب حضور ﷺ کے علم غیب کے ساتھ ''عطائی'' کا سابقہ لگا کر خود ہی یہ تسلیم کر بیٹھے ہیں کہ حضور ﷺ کو علم غیب ہرگز نہیں تھا۔ پھر لفظ ''عطائی'' کے بعد غیب غیب ہی نہیں رہتا۔ نبی کا معنی ہے غیب کی خبریں دینے والا اور

خبر کبھی غیب بنی نہیں کہلا سکتی خواہ وہ کہیں سے ملے۔ لہذا خدا کے علم ہی کو علم غیب کہا جا سکتا ہے۔ اگر خدا اس علم کسی کو عطا کرتا ہے تو اس عطا کردہ علم کو علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔ ایک بات بتانے کی اور ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو وہ علم و حکمت عطا کرتا ہے جو متعلقہ کار نبوت ہو۔

سرور کائنات ﷺ کو جو دکھایا، بجھایا یا سمجھایا جاتا تھا وہ فریضہ رسالت، اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ کارہائے دنیا کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''میں تو ایک آدمی ہوں (تم ہی جیسا) جب تمہیں دین کا حکم دوں تو اسے قبول کرو، اور جب میں دنیوی امور کے بارے میں کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔ تم دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو''۔ (صحیح مسلم)

۲۔ ''حضورؐ الحاضر والنّاظر''

رسول اللہ ﷺ کو نور من نور اللہ (اللہ کا جز) قرار دینے کے بعد ان حضرات کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کو خدائی صفات مطلقہ سے بھی متصف کرتے وہ انھوں نے کر دکھایا۔ ایک تو نبی اللہ کو کلی غیب دان قرار دیا دوسرے ان کے ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جب حضور ﷺ ہر وقت، ہر جگہ حاضر و ناظر تھے اور ہیں تو پھر انکا غیب دان ہونا چہ معنی دارد؟ کہیں گے کہ اللہ تعالےٰ بھی تو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ناظر ہے پھر بھی وہ کہتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا غیب دان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ازل سے لے کر ابد تک کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، اس کے لیے ماضی، حال، مستقبل کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کا خود کو غیب دان کہنا تمثیلی ہے یعنی انسانی عقل کے مطابق ہے۔ بہر حال اللہ کی صفات مطلقہ کو کسی اور ذات، ملائکہ، جن و بشر سے منسوب کرنا نہ صرف شرک فی الصفات اللہ ہے بلکہ ارتکاب ارتداد بھی ہے۔ ان حضرات نے حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی صورت قرآنی لفظ ''شاھد'' سے اخذ کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ''شاھد'' کے معنی گواہ کے ہیں اور گواہ اسے کہا جاتا ہے جو کسی وقوعہ پر موجود ہو اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور کانوں سے سن رہا ہو لہٰذا درج ذیل آیت قرآنی میں جو آپ ﷺ کو ''شاھد'' کہا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ﷺ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر تھے اور ہیں، ہم وہ آیت نقل کرتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَی

اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ○(الاحزاب : ۴۵،۴۶)

ترجمہ: ''اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو (اپنی امت کے بارے) شہادت دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چراغ روشن۔''

''اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے شہادت دینے والا (شہادت اخروی) اور ایمان داروں کو جنت کی خوشخبری دینے اور منکرین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور سب لوگوں کو اللہ کے حکم سے اس کے سچے دین کی طرف دعوت دینے والا اور آفتاب ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔''

یہاں شاھد سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں اور عملاً اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی اپنی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

کیا ہمارے ان حضرات کو سارے قرآن مجید میں لفظ ''شاھد'' کے بارے یہی ایک آیت نظر آتی ہے؟ کیا تمام انبیاء کے لیے لفظ شاھد استعمال نہیں ہوا؟، فرشتوں اور عام انسانوں کو بھی شاھد نہیں کہا گیا؟ کیا انفرادی طور ہر شخص کے نامہ اعمال کے گواہ (شاھد) اس کے اپنے اعضاء، نماز، روزہ، قرآن مجید، فرشتے اور متعلقہ انسان نہیں ہوں گے؟

سرور کائنات ﷺ کے لیے جو لفظ شاھد استعمال ہوا ہے اس کے اندر بڑی وسعت ہے۔ اس میں تین قسم کی شہادتیں (گواہیاں) شامل ہیں:

ا۔ قولی شہادت

اس شہادت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دین جن حقائق اور اصولوں پر قائم ہے نبی کریمؐ ان کی صداقت کے گواہ بن کر کھڑے ہوں اور دنیا سے صاف صاف کہ دیں کہ وہی حق ہیں انکے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔ خدا کی ہستی اور اس کی توحید، ملائکہ کا وجود، وحی کا نزول، حیات بعد الموت کا وقوع اور جنت و دوزخ کا برملا اظہار یہ سب کچھ حقیقت ہے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اس حقیقت کو نہیں مانتے۔

۲۔ عملی شہادت

عملی شہادت (گواہی) کا مطلب ہے کہ نبی ﷺ اپنی پوری عملی زندگی میں اس حقیقت کا مظاہرہ کرے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے وہ اٹھا ہے۔ وہ جس چیز کو نیکی اور جس چیز کو برائی کہتا ہے اسکے

ہر شابے سے اس کی زندگی پاک ہو۔ جس قانون حیات کو وہ خدا کا قانون کہتا ہے اسے نافذ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اس کا اپنا اخلاق اور کردار اس بات پر گواہ ہو کہ اپنی دعوت میں وہ کس قدر سچا اور کتنا مخلص ہے۔

۳۔ اُخروی شہادت

اس شہادت کا مطلب ہے کہ جب اللہ کی عدالت قائم ہو تو اُس وقت نبی ﷺ اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اسکے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم و کاست، لوگوں تک پہنچا دیا اور ان کے سامنے قول و عمل سے حق واضح کر دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس شہادت پر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ماننے والے کس جزا کے اور نہ ماننے والا کس سزا کے مستحق ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کو مقام شہادت پر کھڑا کر کے کتنی بڑی ذمہ داری آپ ﷺ پر ڈالی گئی اور آپ ﷺ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے جو اس مقام بلند (شہادت) پر کھڑے ہو سکے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے دین برحق کی قولی اور عملی شہادت پیش کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں ہوئی۔ تو آخرت میں آپ ﷺ یہ شہادت دے سکیں گے کہ آپ ﷺ نے امت دعوت (کفار) اور امت اجابت (مسلمین) پر حق پوری طرح واضح کر دیا تھا اور تبھی اللہ تعالیٰ کی حجت لوگوں پر قائم ہو گی۔

بیان کردہ شہادت عظمیٰ کو "حاضر و ناظر" کی لایعنی اور گری ہوئی صفت سے متصف کرنا کہاں کی مسلمانی ہے! مزید برآں نامہ اعمال تو ہر انسان کا فرشتے تیار کر رہے ہیں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کے اپنے اعضاء سے بھی گواہی لے گا۔ رہے انبیاءؑ کرام تو ان کا کام بندوں کے اعمال پر گواہی دینا نہیں بلکہ اس بات پر گواہی دینا ہے کہ انہوں نے بندوں تک حق پہنچا دیا تھا۔ انبیاء اپنی اپنی امتوں پر شاھد قرار پائے۔ صالحین، فرشتوں اور نیکوکاروں کو بھی جن کو رحمت الہیٰ نے چنا ہو اسی منصب پر فائز ہو سکیں گے مزید یہ کہ جس طرح انبیاء کرام کو "شھداء علی الناس" یعنی اپنی اپنی امتوں پر شاہد ہونے کا مرتبہ حاصل ہوا اسی طرح امتِ محمدؐیہ کو شہدا علی الناس کا مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ احادیثِ نبویؐ میں ہے کہ قیامت کے دن ساری امتوں پر شہادت کا کام امتِ محمدؐیہ سے لیا جائے گا۔ شاید یہ اس لئے ہوگا کہ امت محمدؐیہ ہی وہ امت ہے جو سارے پیغمبروں کی بھی صداقت پر ایمان لائی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ....O (البقرہ : ۱۴۳)

ترجمہ: ''اوراسی طرح ہم نے بنایا تم کوامت متوسط تا کہ تم ہواورلوگوں (امتوں) پر
گواہ اور ہوں رسول ﷺ تم پر گواہ۔''

جیسا کہ احادیث میں ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعویٰ کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کوتو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی۔اس وقت نبی کریم ﷺ کی امت انبیاء کے دعویٰ کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات (من حیث المجموع) سے پوری طرح واقف ہونگے ان کی صداقت وعدالت پر گواہی دیں گے۔اس وقت وہ امتیں کہیں گی کہ انہوں نے نہ تو ہمارا زمانہ پایا اور نہ ہم کو دیکھا پھر ان کی گواہی کیسے مقبول ہوسکتی ہے۔اس وقت آپ کی امت جواب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اسکے رسول ﷺ کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہوا اسی وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں۔

قارئین! لفظ ''شاھد'' جو پیچھے سورہ احزاب میں جناب نبی ﷺ کریم کے لیے استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت پوری طرح کردی گئی ہے اس کے مقابلہ میں ''حاضر، ناظر'' استعمال کرنا شانِ رسالت ﷺ میں اضافہ نہیں بلکہ الٹا اس میں کمی کے مترادف ہے۔

اب لفظ شاھد/شھید کے مختلف معانی کی بزبانی قرآن مجید فہرست پیش کی جاتی ہے تا کہ شاھد کا ترجمہ ''حاضر وناظر'' کرنے والوں پر ان الفاظ کی اصل حقیقت واضح ہوسکے

شاھد/شھید کے معانی:

۱۔ حمایتی اور مددگار

....وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○

(البقرہ : ۲۳)

ترجمہ: ''۔۔۔اور بلاؤ اپنے حمایتیوں کو سوائے خدا کے، اگر تم سچے ہو''۔

۲۔ دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا

i. .... وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج....○(المائدہ : ۱۱۷)

ترجمہ: ''(حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں)۔۔۔اور میں ان پر نگران تھا جب تک ان میں رہا''۔

ii. .... وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ

اللّٰہِ وَ کَانُوۡا عَلَیۡہِ شُھَدَآءَ ۚ....O(المائدہ : ۴۴)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور حکم کرتے تھے درویش اور علماء اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور مقرر تھے اس کی خبر گیری پر۔''

۳۔ احوال بتانے والا

i. وَ نَزَعۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا فَقُلۡنَا ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ...O(القصص : ۷۵)

ترجمہ: ''اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتانے والا (پیغمبر یا نیک لوگ) پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند۔۔۔۔''۔

ii. وَجَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ وَّشَہِیۡدٌ O (قٓ: ۲۱)

ترجمہ :''اور آیا ہر ایک جی کے ساتھ ایک ھانکنے والا ور ایک احوال بتانیوالا۔''

iii. فَکَیۡفَ اِذَاجِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍم بِشَہِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا ؕO (النسآء:۴۱)

ترجمہ: ''پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے ایک احوال بتانے والا در بلاویں گے تجھ کو (نبی کریم ﷺ) ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔''

۴۔ ماننے والا

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَ اتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ O(آل عمران :۵۳)

ترجمہ: ''اے رب ہمارے ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول ﷺ کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔''

۵۔ کھلا اور ظاہر

عالم الغیب والشھادۃO(الانعام : ۹)

ترجمہ: ''چھپی اور کھلی کا جاننے والا (اللہ تعالیٰ)۔

شاہد بمعنی گواہ

شاہد کے عمومی معانی گواہ کے ہیں اور گواہ ان حضرات کے بقول اُسے کہتے ہیں جو وقوعہ پر حاضر و ناظر ہو۔ اسی بنا پر یہ حضور ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں جتنی بھی گواہوں (شاہدین) کی اقسام ہیں ان میں سے اکثریت ان کی ہے جنہوں نے مشہودین (گواہی دیے گئے) کو ہرگز نہیں دیکھا۔ کتنے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ انبیاء کرام، حضور نبی کریم ﷺ، آسمانی کتب (زبور، توریت، انجیل)، فرشتوں، جنوں وغیرہ کو دیکھا ہے یا دیکھ رہے ہیں؟ پھر بھی وہ گواہی دیتے ہیں کہ تمام ایسے ہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آگے جو شاہدین کی فہرست دی جارہی ہے اس سے واضح ہو جائے گا کہ شاہد کے لیے حاضر، ناظر ہونا ضروری نہیں یعنی ہر کوئی موقع کا گواہ نہیں ہوتا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ گواہ

i. .... وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ط O (النساء : ۱٦٦)

ترجمہ: ''۔۔۔اور کافی ہے اللہ ہی گواہ''۔

انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ نے جب یہ عہد لیا کہ کیا وہ آنے والے رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے تو سب نے اس کا اقرار کر لیا پھر ان سے اللہ نے فرمایا:

ii. ....قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ O

(آل عمران : ۸۱)

ترجمہ: ''۔۔۔فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''۔

iii. قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ قف شَهِيْدٌ م بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ قف .... O (الانعام : ۱۹)

ترجمہ: ''تو پوچھ سب سے بڑا گواہ کون ہے، کہہ دے 'اللہ' جو گواہ ہے میرے اور تمھارے درمیان۔۔۔۔''

iv. اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ O (الحج : ۱۷)

ترجمہ: ''بیشک اللہ ہر چیز پر شاہد (گواہ) ہے''

☆ بیشک ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

انبیاء کرام کی گواہی پیچھے سورہ آل عمران:۸۱ میں بیان کردی گئی ہے۔

۲۔ فرشتے اور بندگان خدا گواہ

i. وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَO

(الزمر : ٦٩)

ترجمہ: ''اور چمک اٹھے گی زمین نور سے اپنے رب کے اور رکھ دی جائے گی کتاب (اعمال نامہ) اور لائے جائیں گے انبیاء اور گواہ (فرشتے اور بندگان خدا) اور فیصلہ کیا جائے گا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔''

ii. لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاO (النساء : ١٦٦)

ترجمہ: ''لیکن اللہ گواہ ہے اس پر جو تجھ (نبی کریم ﷺ) پر نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا''۔

۳۔ کان، آنکھیں، کھالیں گواہ

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَO (حم السجدة : ٢٠)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب پہنچیں (کفار کی جماعتیں) اس (دوزخ) پر تو بتائیں گے ان کو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی چمڑیاں جو کچھ وہ کرتے تھے۔''

۴۔ ہر مسلمان گواہ (شاھد)

ہر مسلمان نمازوں (التحیات) کلموں (کلمہ شہادت) اور اذان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے روز محشر تقریباً ہر فرد ایک دوسرے، علماء اور درویشوں کے بارے گواہی دے گا کہ انھوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور انھوں نے اسے کس راہ پر گامزن کیا وغیرہ۔

۵۔ عدالتی گواہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ...O (المائدہ : ۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! قائم رہو خدا واسطے شہادت دینے کو انصاف سے اور نہ ابھارے تمہیں دشمنی کسی قوم کی اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔''

حضور ﷺ سرورِ کائنات شاہد علی الامۃ

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ O (النحل : ۸۹)

ترجمہ: ''اور (یاد کرو) جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں ایک گواہ (نبی) ان پر انہی میں سے اور ہم لائیں گے آپ ﷺ کو گواہ ان (امتِ مُسلمہ) پر اور ہم نے نازل کی آپ ﷺ پر یہ کتاب (قرآن) واضح بیان ہر چیز کا اور ہدایت ورحمت اور خوشخبری مسلمانوں کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ کو حضور نبی کریم ﷺ سے جس قسم کی شہادتیں مقصود تھی (شہادت قولی وفعلی) اور ہیں (شہادت اخروی)، ان کی تفصیل پیش کر دینے اور قرآن حکیم کی رو سے لفظ شاھد/شہید کے مختلف معانی قلمبند کر دینے اور شاھدین کی فہرست پیش کر دینے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شاھد کے معنی ''حاضر وناظر'' نہیں ہیں اور اگر ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہاں یہ بھی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ مخلوقات ہمہ قسم اس کے آگے حاضر ہیں (از ازل تا ابد)۔ اس کا ہر جگہ موجود ہونا تمثیلاً ہے وہ وَاسعٌ عَلٰی کلّ شیً ہے۔ وہ محیط ہے، سَمِیعٌ و بصَیرٌ اور علیم وخبیر ہے۔

اب منطقی دلائل سے یہ ثابت کیا جائے گا کہ حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات ﷺ کو حاضر، ناظر (ہمہ وقت اور ہر جاہ) کہنا کس قدر نا معقول اور بعید از قیاس ہے۔

منطقی دلائل

۱۔ نبی کریم ﷺ کو حاضر وناظر ماننے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں بھی اور دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی تا قیامت ہر وقت، ہر جگہ حاضر وناظر تھے اور رہیں گے۔ اگر

حضور ﷺ حیاتِ مبارکہ میں حاضر و ناظر (ہر جگہ، ہر وقت) تھے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بیک وقت گھر میں بھی ہوتے تھے اور مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھا رہے ہوتے تھے۔ مدینہ میں بھی ہوتے تھے اور مکہ میں بھی ہوتے تھے، سفر میں بھی ہوتے تھے اور حضر میں بھی ہوتے تھے اور غزوات میں بھی ہوتے تھے۔

۲۔ اگر آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں حاضر و ناظر نہیں تھے تو یہ قرآن مجید کی کس آیت یا حدیث سے متشرح ہے کہ آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد حاضر و ناظر ہیں۔

۳۔ اگر نبی مکرم ﷺ عرش و فرش، لوح و کرسی، بحر و بر، زمین و آسمان، کوہ و دمن، چاند، سورج، ستاروں، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت، عالم ارواح، عالم برزخ اور عالم قدس سب جگہ حاضر و ناظر ہیں تو اللہ تعالیٰ اور ان میں فرق کیا رہ گیا۔ کیوں کہ ہر جا موجودگی (Omnipresence) صرف اور صرف صفت خداوندی ہے۔

۴۔ اگر آپ ﷺ کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا نظریہ درست مان لیا جائے تو وحی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کو بتانے کے لیے الہام، القا، پردے کے پیچھے سے اور خواب کے ذرائع استعمال کرنے کی پھر کیا ضرورت تھی۔ آپ ﷺ تو ان کے بقول عرش معلیٰ پر حاضر و ناظر تھے اور ہیں۔ ایں چہ بُوالعجبیست!

(ہر وقت، ہر جگہ) ہوگا وہ کلی غیب بھی جانتا ہوگا۔

۵۔ جیسا کہ پیچھے از روئے قرآن مجید شاھد اور شھید کے الفاظ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام، حضور ﷺ سرور کائنات، انبیاء کی امتوں، فرشتوں، انسانی اعضاء، قرآن مجید، سابقہ آسمانی کتابوں اور عام انسانوں وغیرہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان الفاظ کا ترجمہ حاضر و ناظر کر دیا جائے تو پھر سب کیا حاضر و ناظر نہ گردانے جائیں گے؟ العجب!

شاھد/شھید جیسے الفاظ ''حاضر و ناظر'' پر دال نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس صفت کا مالک ہے۔ وہ سمیع، علیم، خبیر اور بصیر ہے شاھد اور شھید بھی ہے۔ یہ تمام صفات مل کر ''حاضر، ناظر'' کی تشکیل کرتی ہیں۔

محض شاھد کہنے سے تو اللہ تعالےٰ بھی حاضر ناظر نہیں بنتا۔ ادھر نبی کریم ﷺ نہ سمیع ہیں نہ بصیر نہ علیم نہ قریب اور نہ خبیر۔ اللہ تعالےٰ کی ان صفات کا تذکرہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حاضر وناظر۔

۱. لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○

(الشوریٰ : ۱۱)

ترجمہ: ''کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی (ہر بات کا) سننے والا اور ہر چیز کا دیکھنے والا ہے''۔

۲. رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○(البقرہ : ۱۲۷)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

۳. اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ○ (المجادلہ: ۱)

ترجمہ: ''بے شک اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔''

.... اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ○ (الشوریٰ: ۲۷)

ترجمہ: ''۔۔۔۔بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔''

۴. ....یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ○ (الحدید: ۴)

ترجمہ: ''۔۔۔۔وہ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین میں اور جو نکلتی ہے اس سے اور جو اترتی ہے آسمان سے اور جو اوپر چڑھتی ہے اس میں اور وہ (اللہ) تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اس کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔''

۵. یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰىہُ اللّٰہُ وَنَسُوۡہُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ع ○ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَا یَکُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ہُوَ رَابِعُہُمۡ وَلَا خَمۡسَۃٍ اِلَّا ہُوَ سَادِسُہُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰی مِنۡ ذٰلِکَ وَلَاۤ اَکۡثَرَ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمۡ اَیۡنَ مَا کَانُوۡا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (المجادلہ : ۶، ۷)

ترجمہ: ''جس دن اٹھائے گا ان سب کو اللہ پھر بتا دے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اللہ نے اسے ضبط کر لیا تھا اور وہ خود اسے بھول گئے تھے اور اللہ ہر چیز پر شاھد (گواہ) ہے ○ کیا نہیں دیکھا آپ ﷺ نے کہ، اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتا مشورہ تین کا مگر وہ (اللہ) ہوتا ہے چوتھا ان میں کا اور نہ پانچ کا مگر وہ ہوتا ہے چھٹا ان میں کا اور نہ کم کا اس سے اور نہ زیادہ کا مگر وہ ہوتا ہے انکے ساتھ جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر وہ (اللہ) بتا دے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، قیامت کے روز۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

منافقین تین تین، پانچ پانچ کے حلقے بنا کر بیٹھ جاتے اور مسلمانوں کو غصہ دلانے کے لیے سرگوشیاں کرتے اور ان کی طرف اشارے کرتے۔ مسلمانوں نے اس بارے حضور نبی کریم ﷺ سے شکایت کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اگر منافق تین اکٹھے مل کر کوئی سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور اگر وہ پانچ اکٹھے بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور خواہ وہ اس سے کم تعداد میں اکٹھے بیٹھ کر کوئی سرگوشی کریں یا اس سے زیادہ تو راہ میں وہ جہاں کہیں بھی مل بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ دنیا میں جو کچھ اسلام کے خلاف کر رہے ہیں قیامت کے دن اللہ انھیں جتلا دے گا اور اس کے مطابق سزا دے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اللہ سمیع، علیم، خبیر، بصیر اور قریب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات مطلقہ ہیں ان میں کسی اور کو دخل نہیں اور یہ سب مل کر صفت حاضر و ناظر بنتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز اس کے آگے حاضر ہے یہی نہیں بلکہ ہر چیز کی حرکت اسی کی توفیق سے ہی ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں رہتی ہے۔ تو اتنا کچھ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ''شاھد'' ''حاضر، ناظر'' کے معنی ادا ہی نہیں کرتا۔ مزید یہ کہ حضور ﷺ کو حاضر کہنا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔

☆☆☆

باب چہارم۔شرک فی الاختیار

شرک فی الاختیار شرک جلی کی تیسری صورت ہے۔شرک فی الذات اور شرک فی الصفات پر بحث ہو چکی ہے۔دراصل شرک فی الاختیار شرک فی الذات اور شرک فی الصفات کا ماحصل ہے یعنی ان عقاید باطلہ کا عملی مظاہرہ ہے لہٰذا اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بھی گونہ اعادہ ہوتا رہے گا۔یہ لازم وملزوم جو ہوئے۔

کائنات کا نظام بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔اس کے اذن اور ارادے کے بغیر ایک پتا بھی ہل نہیں سکتا۔تخلیق مخلوقات،موت وحیات،عزت وذلت،دولت وحکومت،نفع وضرر،کفر وایمان، تندرستی وبیماری،عطاءرزق،اور حشر ونشر سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔وہ قادر مطلق،خالق ومالک،حَیّ و قَیّوم اور مسبب الاسباب ذات ہے۔اس کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا چاہے کوئی طاغوت وفرعون ہو کہ نبی و ولی۔اسے توحید فی لاختیار کہا جاتا ہے۔اس کا متضاد شرک فی الاختیار ہے۔شرک فی الاختیار دراصل شرک فی الالوہیت ہے۔

شرک فی الاختیار کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اسے مختصر رکھنے کی کوشش بسیار کی جائے گی۔شرک فی الاختیار کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ اللہ جل شانہ کے علاوہ کسی اور کو قادر ومختار تسلیم کرنا اور خدائی تصرفات کا حامل ٹھہرانا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی (نبی،ولی) کو مشکل کشا،حاجت روا اور نفع ونقصان کا مالک تسلیم کرنا۔

۳۔ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور اسے اللہ کے ہاں سفارشی ماننا۔

۴۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو "قاسم رزق"،تسلیم کرنا۔

۵۔ اللہ کے ہاں قبولیت دعا کے لیے حرام وسائل اختیار کرنا۔

ا۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو قادر ومختار وخدائی تصرفات کا حامل ٹھہرانا

i۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

.... اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ : ۱۰۶)

ترجمہ: ''۔۔۔۔کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔''

ii. يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (التغابن: ۱)

ترجمہ: ''تسبیح کرتی ہے اللہ کی جو مخلوقات آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اسی کی ہے حکومت اور اسی کو شایاں ہے سب تعریف اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔''

جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اپنی زبان و حال اور امتثال امر و نہی سے اللہ کی عظمت شان اور اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اسی کی ہر چیز پر حکومت ہے اور سب تعریف اسی کو سزاوار ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

iii. مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚ (الحدید: ۲۲)

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ خود تمہاری جانوں میں مگر وہ (لکھی) ہے ایک کتاب میں پیشتر اس کے کہ ہم پیدا کریں اس کو دنیا میں بلاشبہ یہ بات اللہ پر آسان ہے۔''

خشک سالی اور کھیتوں اور پھلوں کے نقصان وغیرہ سے جو آفت زمین پر آتی ہے اور بیماری اور اولاد کے نقصان وغیرہ کی جو مصیبت خود تمہاری جانوں پر پڑتی ہے وہ سب پیدا ہونے سے پہلے کتاب تقدیر (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ بیشک یہ مُقدر کرنا اور کتاب میں لکھنا اللہ پر آسان ہے۔

iv. هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (الکھف: ۴۴)

ترجمہ: ''وہاں (دنیا میں) تو سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔ وہی ہے بہتر ثواب اور بہتر بدلہ دینے والا۔''

دنیا میں سب اختیار خدائے برحق کو ہے اور وہی آخرت میں بہتر ثواب اور بہتر بدلہ دینے والا ہے۔

v. قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز
وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O
(آل عمران : ۲۶)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے (اے رسول ﷺ) اے مالک ملک کے تو ہی دیتا ہے حکومت جسے چاہے اور چھین لیتا ہے سلطنت جس سے چاہے۔ اور عزت دیتا ہے جسے چاہے اور ذلت دیتا ہے جسے چاہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہے سب بھلائی۔ بیشک تو ہی ہر چیز پر قادر''۔

(اے بنی نوع انسان!) اللہ ہی حکومت و عزت اور محرومی و ذلت دیتا ہے جسے چاہے۔ اس کے قبضہ قدرت میں خیر ہی خیر ہے۔ اللہ ہر شے اور اس کے کرنے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔

vi. قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ج لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ O (سبا : ۲۲)

ترجمہ: ''کہیے (اے پیغمبر ﷺ!) ان مشرکوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا مالک و مختار سمجھتے ہو وہ ایک ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور ان میں سے (اللہ) کا کوئی ساجھی نہیں اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار۔''

vii. وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ط وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ
فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O (الانعام: ۱۷)

ترجمہ: ''اور (اے انسان) اگر پہنچائے اللہ تجھے کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کو سوا اس (خدا) کے اور اگر وہ پہنچائے تجھے کوئی بھلائی تو وہ ہر چیز پہ قادر (قدرت رکھنے والا) ہے۔''

viii. وَ لَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لا لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ج ....O
(الکهف : ۳۹)

ترجمہ: ''اور جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ جو چاہے اللہ،

نہیں کوئی طاقت (کام) مگر بتوفیق الٰہی"۔

☆ یہ ان دو آدمیوں کا قصہ ہے جن میں ایک کو اللہ تعالےٰ نے دو باغ دیئے جن کے درمیان ایک نہر بہتی تھی۔ باغ خوب پھلے مگر اس نے ناشکری کا مظاہرہ کیا اور روز آخرت کا انکار کیا اور جب باغوں میں داخل ہوا تو اللہ نے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

ix. اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ○ (الدھر : ۲۹، ۳۰)

ترجمہ: "بیشک یہ ایک نصیحت ہے۔ پس جو کوئی چاہے اختیار کرے اپنے رب کی طرف راستہ، اور تم چاہ نہیں سکتے کوئی بات مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا حکمت والا ہے۔"

بیشک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ جو چاہے اس پر عمل کر کے اللہ کا قرب حاصل کرے اور تم جب ہی کوئی چیز چاہ سکتے ہو کہ اللہ کو منظور ہو۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا حکمت والا ہے۔ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی راستہ (دین حق) اختیار نہیں کر سکتا۔

x. وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ○ (بنی اسرائیل : ۸۰)

ترجمہ: "اور کہیے (اے نبیؐ) اے میرے رب! داخل کر مجھے داخل کرنا سچا اور نکال مجھے نکالنا سچا اور عطا کر مجھے اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔"

xi. .....وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ (الکھف : ۴۵)

ترجمہ: "اور ہے اللہ ہر چیز پر صاحب اقتدار"

درج بالا قرآنی آیات ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہیں کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی قادر مطلق، مختار کل اور متصرف ارض و سماوات و مافیھا ہے۔ اس کے علاوہ فی نفسہ کوئی قادر و مختار و متصرف نہیں اور نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے۔ اسی کی ہے حکومت اور اسی کو شایاں ہے سب تعریف اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ اس کے سوا مشرکین جن کو مالک و مختار سمجھتے ہیں وہ حقیقت

میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور ان میں سے اللہ کا کوئی ساجھی نہیں اور نہ ہی مددگار۔ ہر قسم کی زمینی آفت ومصیبت، بیماری اور اولاد کی حرج مرج وغیرہ سب کی سب پیدا ہونے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ وہ تقدیر الٰہی کو بدل ڈالے یا اس میں مخل ہو۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ تقدیر مبرم اور تقدیر معلق۔ تقدیر مبرم اٹل ہے جیسے پیدائش، موت وحیات، جسمانی اور عقلی صلاحیتیں، حادثات' اولاد اور اس سے محرومی، رزق کا تعین اور کفر وایمان وغیرہ۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی چاہے کوئی پیروں اور بزرگوں کا سہارا لے یا قبروں، درباروں کے طواف کرے۔ تقدیر معلق دعا اور دوا سے ٹل سکتی ہے۔ اس میں بحالی صحت، غم واندوہ، تنگی ترشی، حصول روزگار وغیرہ ایسے مسائل شامل ہیں۔ اس میں تبدیلی مشروط ہے۔ تقدیر کا منکر مرتدین میں شامل ہوجاتا ہے۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی وملائی و پیری (اقبال)

۲۔ غیر اللہ کو مشکل کشا، حاجت روا اور نفع وضرر کا مالک ٹھہرانا

اللہ جل شانہٗ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں:

أ. وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ (الفرقان : ۳)

ترجمہ: ''اور (مشرکین) نے بنالیے اس (اللہ) کے سوا کئی معبود (انسانی ہستیاں) جو نہیں پیدا کرتے کچھ بھی، اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہیں مالک ہیں اپنے لیے کسی بھی ضرر کے اور نہ کسی نفع کے اور نہ وہ اختیار رکھتے ہیں موت کا اور نہ حیات کا اور نہ دوبارہ اٹھنے کا۔''

یہاں معبودوں سے مراد دھات یا پتھر کے تراشے ہوئے بت نہیں بلکہ وہ متبرک ہستیاں ہیں جن کو خیالی طور پر بتوں سے متشکل کر کے ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اس آیت میں جتنی بھی صفات بے کسی بیان ہوئی ہیں وہ پتھر کے بتوں کی نہیں بلکہ نوع انسانی (بزرگ ہستیوں) کی ہیں۔ خانہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں میں سب سے بڑا بت حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ مشرکین بھی جانتے تھے کہ ان کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے

بتوں کی فی نفسہٖ کوئی حیثیت نہیں۔ان بتوں کی تشکیل کے پیچھے گزشتہ بزرگ ہستیوں کا تصور کارفرما ہوتا تھا۔ قرآن مجید میں معبودوں کے لیے اِلٰہ کا لفظ ہی آتا ہے جس کا ترجمہ عموماً بت ہی کیا جاتا ہے حالانکہ بت (پتھر، دھات کے) کو عربی میں وثن کہا جاتا ہے جس کی جمع اوثان ہے۔ یہ قرآن میں کہیں کہیں آیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی پرستش کی جائے، اس سے مرادیں مانگی جائیں اور اس کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی دی جائے اسے بت ہی تصور کیا جاتا ہے، چاہے وہ کوئی مخلوق ہو۔

ii. وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (الشوریٰ : ۳۱)

ترجمہ: ''اور نہیں تم عاجز کرنے والے زمین میں اور نہیں تمھارا اللہ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار۔''

اور اگر وہ تمہارے جرموں پر تمھیں پکڑنا اور تم پر عذاب لانا چاہے تو تم زمین میں بھاگ کر اس کو ایسا کرنے سے عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

iii. اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِىْ مِنْ دُوْنِىْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ○ (الکھف : ۱۰۲)

ترجمہ: ''پس کیا سمجھ لیا ہے کافروں نے کہ وہ ٹھہرائیں میرے بندوں (اولیاء اللہ) کو میرے سوا کارساز۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے۔''

iv. قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ ... ○ الجن : ۲۱.۲۳)

ترجمہ: ''کہ دیجیے (اے نبی ﷺ) کہ میں نہیں اختیار رکھتا تمھارے لیے کسی نقصان کا اور نہ کسی فائدہ کا ○ کہ دیجیے کہ مجھے تو ہرگز نہ بچا سکے گا اللہ سے کوئی بھی اور نہ میں پاؤں گا اس کے سوا کوئی جائے پناہ ○ سوائے پہنچا دینے کے اللہ کا حکم اور اس کے پیغامات۔۔۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور ﷺ سرور کائنات سے کہلوایا ہے کہ نہ تو انہیں کسی کے نقصان کا اور نہ نفع کا اختیار ہے اور نہ ہی انھیں کوئی اللہ کے سوا بچا سکتا ہے اور نہ ہی انھیں اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ مل سکتی ہے۔ ماسوائے اللہ کا حکم اور پیغامات پہنچا دینے کے ان کے پاس کوئی الوہی اختیارات نہیں ہیں۔

v. ....قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ط.... O(الرعد: ١٦)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے (اے رسول ﷺ) پس کیا بنا رکھے ہیں تم نے اس (اللہ) کے سوا اور کارساز، نہیں اختیار جنھیں اپنی ذات کے لیے نفع اور نقصان کا بھی۔''

vi. قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط O.... (الاعراف: ١٨٨)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) میں نہیں مالک اپنی جان کے لیے کسی نفع کا اور نہ نقصان کا مگر جو چاہے اللہ۔''

vii. اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (الاعراف : ١٩٤)

ترجمہ: ''جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے (انبیاء، اولیاء) ہیں تم جیسے۔ بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو۔''

viii. وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ج وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ O (یونس : ١٠٧)

ترجمہ: ''اور اگر پہنچائے تجھے (اے انسان!) اللہ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کو سوائے اس (اللہ) کے۔ اور اگر وہ پہنچانا چاہے تجھے کوئی بھلائی تو کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، اور وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

ix. قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ

بَيْنَكُمْ ط وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ O (الانعام : ۵۸)

ترجمہ: ''کہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) کہ اگر ہوتی میرے پاس وہ بات (عذاب نازل کرنا) جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا معاملہ میرے اور تمھارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں (مشرکین) کو۔''

ان (مشرکین) سے کہ دیجیے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کر رہے ہو کہ محمد ﷺ اگر سچا ہے تو اس کے جھٹلانے کی وجہ سے وہ ہم پر عذاب نازل کر دے۔ اگر یہ کام میرے (حضور ﷺ) اختیار میں ہوتا تو معاملہ کبھی کا طے ہو چکا ہوتا اور اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ مشرکین کے طعنوں کے باوجود نبی ﷺ کریم ان پر عذاب لانے میں کامیاب نہ ہو سکے کہ ایسا کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

x. اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝

(الاعراف : ۱۹۱۔۱۹۲)

ترجمہ: ''کیا وہ شریک ٹھہراتے ہیں اُن کو جو نہیں پیدا کرتے ایک چیز بھی اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور نہیں کر سکتے ان کی مدد اور نہ اپنی مدد آپ''

xi. وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ لا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝

(البقرہ : ۱۶۵)

ترجمہ: ''نسل انسانی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو (بندگی و عبادت و امداد و حاجت روائی کے لیے) اس کا ہمسر و مثیل مانتے اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنا چاہیے۔ لیکن جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔ کاش! شرک کرنے والے لوگ اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے جو وہ عذاب کے وقت دیکھیں گے اور ان کو یقین ہو جاتا کہ ہر طرح کی قوت و عزت کا مالک صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ

(مشرکین کو) شدید ترین عذاب دینے والا ہے۔"

xii. اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ○ (النحل: ۱۰۰)

ترجمہ: "اس (شیطان) کا تسلط صرف ان لوگوں پر ہے جو اسے اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں اور (اس کے وسوسوں سے) اللہ کے معاون اور حصہ دار مقرر کرتے ہیں"۔

مشکل کشا، حاجت روا اور نفع وضرر کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس بارے قرآنی آیات مبارکہ کا غیر مبہم اور واضح فیصلہ رقم کر دیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے نہ صرف عام بزرگ ہستیوں جن کو مشرکین مشکل کشا، حاجت روا اور نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے بلکہ خود حضور نبی کریم ﷺ کی زبانی بھی ایک بار نہیں بلکہ کئی بار کہلوایا ہے کہ وہ کسی نفع ونقصان اور تکلیف وبھلائی (بذات خود بھی) کے ہرگز ہرگز مالک وشریک نہیں۔ عزت دینے والا بھی اللہ اور ذلت وپستی کا شکار بنانے والا بھی اللہ۔ ساری مخلوق بلا امتیاز اسی ذات کریمی کی محتاج اور نیاز مند ہے۔ کسی کو اس کے آگے سر اٹھانے کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ○ (الاعراف: ۱۹۳)

ترجمہ: "اور اگر تم بلاؤ انہیں سیدھے راستہ کی طرف تو وہ نہ پیروی کریں گے تمہاری۔ برابر ہے تم پر کہ انہیں دعوت دو یا خاموش رہو۔"

مندرجہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اب احادیث نبوی اور بزرگان دین کے اقوال قلم بند کرتے ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ

i۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں حضور نبی کریم ﷺ کے پیچھے سواری پر تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے لڑکے! میں تجھے چند باتیں بتانا چاہتا ہوں غور سے سن۔ دیکھ تو خدا کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا۔ تو خدا کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو مانگے تو خدا سے مانگ۔ جب تو کسی مشکل میں مدد کا طالب ہو تو خدا سے مدد طلب کر۔ خدا کو

اپنا مددگار بنا اور اس بات کا یقین کر کہ اگر لوگ متحد ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں
تو وہ تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے''۔

ii۔ قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری۔۔۔و انذر عَشِیرتک الاقربین O۔۔۔''ڈراوَاپنی برادری اور اپنے اہلِ خاندان کو'' تو آپ ﷺ نے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: ''اے قریشیو! اے اولاد عبدالمطلب! اے چچا عباسؓ!، اے صفیہؓ، اے فاطمہؓ میرے مال میں سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں لیکن خدا کے ہاں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

(یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام کتب احادیث میں شامل ہے)

iii۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

''میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تشویش وفکر سے، غم والم سے، عجز ومغلوبیت سے، کاہلی وسستی سے، بخل سے، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبہ وتسلط سے۔''

(مشکوٰۃ:۲۳۴۵، متفق علیہ)

iv۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بلا کی مشقت اور بدبختی کے پہنچنے، بری تقدیر اور دشمنوں کے خوش ہونے سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ:۲۳۴۴)

v۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ میں تیرے ساتھ سستی، بڑھاپے، قرض اور گناہ سے پناہ پکڑتا ہوں۔ اے اللہ میں آگ کے عذاب سے، آگ کے فتنہ، قبر کے فتنہ اور عذاب، مالداری کے فتنہ اور برائی، فقر کے فتنہ کی برائی اور دجال کے فتنہ کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گناہ برف اور اولے کے پانی سے دھو ڈال، میرے دل کو پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ڈالی۔''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ:۲۳۴۶)

vi۔ حضرت زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ میں تیرے ساتھ عاجزی، سستی، بزدلی، بخل، بڑھاپے اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری دے اور اس کو پاک کر۔ تو اس کا بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا کارساز اور مالک ہے۔ اے اللہ! تیرے ساتھ میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو نہ ڈرے اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو پناہ مانگتا ہوں۔''

(مسلم، مشکوٰۃ: ۲۳۴۷)

vii۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں تجھ سے صحت، حرام سے بچنے، امانت، حسن خلق اور تقدیر کے ساتھ راضی ہو جانے کا سوال کرتا ہوں۔'' (مشکوٰۃ: ۲۳۸۶)

viii۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''انہٗ لا یستغاث بی و انما یستغاث باللہ'' (طبرانی)

ترجمہ: ''فریادرسی مجھ سے نہیں کی جاتی، فریادرسی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔''

ix۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا:

''و اعلم ان الامۃ لو جتمعوا علی ان ینفعوک بشی لا ینفعوک الا بشی قد کتبہ اللہ لک''

(اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر ساری مخلوق خدا تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں صرف اتنا فائدہ پہنچے گا جتنا اللہ کریم نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔)

x۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد حضرت اسعدؓ بن زرارا جوان چھے ساتھیوں میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر حضور ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ ان میں بیعت کے لئے سب سے پہلے ہاتھ بڑھانے والے یہی اسعدؓ تھے کی وفات ہوگئی جس پر حضور ﷺ کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے طعنہ دینا شروع کیا کہ اگر حضرت محمد ﷺ پیغمبر ہوتے تو ان کو صدمہ کیوں پہنچتا۔ آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

املک لنفسی ولا لصا جی من الله شأ(طبرانی ، ص : ۱۲۶۱)
(میں اپنے لیے اوراپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار (قطع تقدیر) نہیں رکھتا)

xi۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آ کر صحابہؓ کرام نے اس سے گلو خلاصی کے لیے استدعا (استغاثہ) بحضور نبی کریم ﷺ کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فقال النبی ﷺ انه لا یستغاث بی و انما لا یستغاث بالله (طبرانی)

(رسول ﷺ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھ سے استغاثہ (مصیبت ٹالنے کی دعا) نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغاثہ کرنا چاہیے) مستغیث صرف اللہ کی ذات ہے۔ کوئی اور غوث نہیں۔

حضرت امام حسنؓ کی فاقہ کشی کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے خواب میں انہیں فرمایا: ''جو شخص مخلوق سے امیدیں وابستہ رکھے اور خالق سے نہ رکھے اس کا یہی حال ہوا کرتا ہے''۔ (اخرجہ البخاری)

xii۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''تم میں سے ہر ایک کو اپنے رب سے اپنی ضرورت کی سب چیزیں مانگنی چاہییں حتٰی کہ نمک بھی اس سے مانگے اور جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے (اور پھر کوئی حیلہ کرے)'' (جامع ترمذی)

xiii۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو کچھ اللہ چاہے اور آپ ﷺ چاہیں وہی ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا۔ بے شک وہی ہوتا ہے جو اکیلا اللہ چاہے''۔ (مسند احمد، ۱/۲۸۳)

فخر انسانیت، فخر موجودات، محبوب داور ﷺ کے فرمودات عالیہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور انکساری، عاجزی اور بے بسی پر محمول آپ کی مندرجہ دعائیں شرک فی الاختیار۔ (نفع وضرر، مشکل کشائی، حاجت روائی) کے بارے میں مندرجہ آیات قرآنی پر آمنا وصدقنا کہنے کا بے مثال عملی اور اعتقادی نمونہ ہیں۔

۳۔ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور اسے اللہ کا سفارشی ماننا

القرآن

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

i. اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الاعراف : ۱۹۴)

ترجمہ: ''بے شک جن لوگوں (بزرگ ہستیوں) کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے وہ بندے ہیں (تمھاری طرح خدا کے) پس بلاؤ انھیں (اپنی احتیاجوں میں مدد کے لیے) پھر دیکھو کیا وہ تمہاری احتیاج کو پورا کرتے ہیں اگر تم ہو سچے اپنے دعویٰ میں''۔

ii. وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (الاعراف : ۱۹۷)

ترجمہ: ''اور جن لوگوں (بزرگ ہستیوں نہ کہ مجسموں) کو تم پکارتے ہو سوائے اس (اللہ) کے وہ نہ تو استطاعت رکھتے ہیں تمہاری مدد کی اور نہ وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔''

iii. وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: ۸۸)

ترجمہ: ''اور آپ ﷺ (اے نبی ﷺ) نہ پکاریں ساتھ اللہ کے کسی اور معبود (بت ہو کہ کوئی ہستی) کو۔ نہیں کوئی اور معبود سوائے اس (اللہ) کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوا اسکی ذات کے۔ اسی کا ہے حکم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

iv. وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف : ۵، ۶)

ترجمہ: ''اورکون زیادہ گمراہ ہوگا اس (شخص) سے جو پکارتا ہے سوائے اللہ کے ایسوں (اہل قبور) کو جو جواب تک نہ دے سکیں اس کو روز قیامت تک اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں O اور جب جمع کیے جائیں گے (روز قیامت) تو وہ (قبروں والے) ہوں گے ان کے دشمن اور ہوں گے ان کی عبادت (پکار) کے منکر''۔

v. وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ O اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ O (النحل : ۲۰، ۲۱)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ (اہل قبور) جن کو وہ پکارتے ہیں (مدد کے لیے) سوائے اللہ کے وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ بھی (اولاد، رزق وغیرہ) اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں (خالق نہیں بلکہ خود بھی مخلوق ہیں) O وہ مردے ہیں بے جان اور وہ (اہل قبور) خود نہیں جانتے کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے (یعنی انھوں نے مجہول سائلوں کی کیا دادرسی کرنی ہے وہ تو مردہ ہونے کی وجہ سے ہر چیز سے لاعلم ہیں حتیٰ کہ اس بات سے بھی کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔''

vi. وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ O (یونس : ۱۰۶)

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ نہ پکار سوائے اللہ کے کسی کو جو نہ نفع دے تجھے اور نہ نقصان۔ اور اگر تو ایسا کرے تو تو بھی ہوگا اس وقت ظالموں (مشرکوں) میں سے۔''

vii. وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ .....O (النحل : ۷۴/۷۳)

ترجمہ: ''اور پوجتے ہیں سوائے اللہ کے ایسوں کو جو مختار نہیں ان کی روزی کے آسمانوں اور زمین میں سے کچھ بھی اور نہ قدرت رکھتے ہیں O سو مت چسپاں کرو

اللہ پر مثالیں۔''

☆ مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام انھی سے ہوتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہوسکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ وہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کرتا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ اور اختیار سے کی لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہوتے ہیں۔ یہ صورت اللہ کے ہاں نہیں ہر چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلاواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت وارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ آدمی ہر کلی جزئی کا فاعل اور مؤثر حقیقی اللہ ہی کو سمجھے۔

viii. ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○ (فاطر: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ''وہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، اسی کی ہے بادشاہی اور جن کو تم پکارتے ہو اس (اللہ) کے سوا نہیں وہ (بزرگ ہستیاں) مالک گٹھلی کے ایک چھلکے کے ○ اگر تم ان کو پکارو تو وہ نہیں سنتے تمھاری پکار کو اور اگر وہ سن بھی لیں (بفرض محال) تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تم کو یہ (زندہ اور مردہ بزرگ جنھیں تم خدائی اختیارات میں اس کا شریک سمجھتے ہو) قیامت میں صاف کہہ دیں گے کہ انھوں نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا کہ یوں شرک کریں۔ ایسی صحیح خبر (اے نبی ﷺ) تمھیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔''

ix. لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ

الْاٰصَالِ ○ (الرعد: ۱۴، ۱۵)

ترجمہ: ''اسی کو پکارنا برحق ہے اور جن کو وہ (مشرکین) پکارتے ہیں سوائے اس (اللہ) کے وہ نہیں جواب دیتے (بت یا اہل قبور) ان کو کچھ بھی مگر جیسا کہ کوئی پھیلائے ہو ہاتھ دونوں پانی کی طرف کہ وہ (پانی) آپہنچے اس کے منہ میں حالانکہ وہ نہیں پہنچنے والا اس تک اور نہیں ہے پکارنا کفار کا مگر گمراہی میں ○ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو (ہر قسم کی مخلوق) آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی اور ناخوشی سے (تکوینی/جبری عبادت) اور ان کے سایے بھی صبح اور شام کے وقت۔''

x. ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ○ ع (لقمٰن: ۳۰)

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جس چیز (خیالی بت یا بزرگ ہستیاں بھی) کو بھی وہ پکارتے (عبادت بالندا) ہیں اس (اللہ) کے سوا وہ باطل ہے اور کہ اللہ ہی ہے عالیشان کبریائی والا۔''

xi. یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ○ (الحج: ۷۳)

ترجمہ: ''غیر اللہ کی عبودیت اختیار کرنے والو! آؤ تمھیں ایک مثال کے ذریعہ بات سمجھائی جائے۔ تم جن قوتوں کو خدا کے سوا صاحب اقتدار مان کر پکارتے ہو ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ وہ ایک مکھی جیسی شے بھی پیدا نہیں کر سکتے خواہ اس کے لیے وہ سب مل کر بھی کوشش کیوں نہ کر لیں۔ اتنا ہی نہیں اگر کوئی مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ نہیں چھڑا سکتے اس کو اس سے۔ ناتواں ہیں طالب (پکارنے والے) اور مطلوب (جن کو پکارا جائے مدد کے لیے)''

xii. اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَ

يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

(النمل : ٦٢)

ترجمہ: ''کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے (یہاں جب کوئی محکوم اور مجبور قوم اپنی پریشانیوں میں پکارتی ہے تو کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچتا سوائے اللہ کے) اور (کون ہے جو) تمہیں حکومت و مملکت عطا کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم میں بہت تھوڑے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔''

xiii. وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا ۢ بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان : ١٧. ١٩)

ترجمہ: ''اور جس دن وہ (اللہ) اکٹھا کرے گا انھیں (متبعین کو) اور جن کو وہ پوجتے ہیں (معبود) سوائے اللہ کے۔ تو پوچھے گا (اللہ) کیا تم نے گمراہ کر دیا تھا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی بھٹک گئے تھے راستہ سے ۝ وہ (معبود، بزرگان) کہیں گے پاک ہے تیری ذات، نہیں تھا مناسب ہمارے لیے کہ ہم بنائیں تیرے سوا کسی کو سازگار (اولیاء)۔ لیکن تو نے ہی سامان حیات دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ وہ بھول گئے تیری یاد کو اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ۝ (اس پر اللہ فرمائے گا) پس وہ تو جھٹلا چکے تم (متبعین) کو اس بات میں جو تم کہتے ہو۔ پس نہ تم طاقت رکھتے ہو ہٹانے (عذاب) کی اور نہ مدد کرنے کی (ایک دوسرے کی) اور جو ظلم (شرک) کرتا ہے تم میں سے ہم چکھائیں گے اس کو عذاب بہت بڑا۔''

xiv. قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ

اَتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا O (فاطر : ۴۰)

ترجمہ: ''کہ دیجیے بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جنھیں تم (مدد کے لیے) پکارتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ مجھے دکھاؤ تو وہ کیا ہے جو انھوں نے پیدا کیا ہے زمین میں سے، یا انھیں کوئی شراکت ہے آسمانوں میں (وہ کون سا شعبہ ہے) یا دی ہے ہم نے ان کو کوئی کتاب کہ وہ واضح دلیل رکھتے ہیں اس میں سے (کہ جس میں لکھا ہو کہ تم خدا کے سوا ان قوتوں کو شریک سمجھو) بلکہ نہیں وعدہ دیتے یہ ظالم (مشرک) ایک دوسرے کو مگر دھوکے کا (مفاد پرست لوگ ایک دوسرے سے کہتے رہتے ہیں کہ تم ضابطہ خداوندی کا خیال چھوڑ دو اور اپنی مصلحت کے مطابق کام کرو)''۔

XV. قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا O اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا O (بنی اسرائیل : ۵۶۔۵۷)

ترجمہ: ''کہ دیجیے (اے نبی ﷺ) پکار و ان ہستیوں کو جنھیں تم (معبود) خیال کرتے ہو اللہ کے سوا۔ پس وہ تو نہیں مالک ہٹانے تکلیف کو تم سے اور نہ بدلنے کے وہ لوگ خود بوقت حاجت خدا ہی کو پکارتے ہیں اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں زیادہ مقرب ہے اور وہ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تحقیق تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے۔''

شفاعت (سفارش) دنیوی

XVi. وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O

(یونس : ۱۸)

ترجمہ: ''یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں (بزرگ ہستیوں) کو اپنا معبود بناتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ معبود اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان سے کہیے کیا تم بتلاتے ہو اللہ کو جو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ زمین میں! (حالانکہ وہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے، یہ ہو نہیں سکتا)۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

xvii. اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (الزمر : ۴۳، ۴۴)

ترجمہ: ''کیا بنائے انہوں نے سوائے اللہ کے سفارشی (بت، انسانی ہستیاں)؟ کہ دیجیے (اے نبی ﷺ) کیا اگرچہ نہ وہ اختیار رکھتے ہوں کچھ بھی اور نہ عقل و فکر رکھتے ہوں ○ کہ دیجیے اللہ ہی کے اختیار میں ہے سفارش سب۔ اسی کی ہے حکومت آسمانوں اور زمین میں۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

xviii. اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○

(الزمر : ۳)

ترجمہ: ''سنو! اللہ ہی کے لیے ہے خالص بندگی (جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو) اور جنہوں نے بنا لیے ہیں سوائے اس (اللہ) کے اور کارساز (وہ کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان (معبودوں) کی مگر اس لیے کہ وہ قریب کر دیں ہمیں اللہ سے بہت (اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں)۔ بیشک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا اس کو جو ہے جھوٹا، حق کو نہ ماننے والا۔''

یعنی خالص عبادت تو اللہ ہی کا حق ہے اور جن مشرکین نے اللہ کے سوا

اور کارساز ٹھہرا لیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان بتوں (غیر اللہ) کو معبود حقیقی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی پرستش محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں (بذریعہ سفارش)۔ سنو اے اہل حق وہ جن باتوں میں الگ الگ مسلک اختیار کرنے کی بنا پر اختلاف کر رہے ہیں اب اللہ (اس قرآن کے ذریعہ) ان میں فیصلہ کر دے گا۔

xix۔ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنَ○ (یٰسٓ: ۲۳)

ترجمہ: ''(اس نیک شخص نے کہا) کیا میں بنالوں اس (اللہ) کے سوا اوروں کو معبود کہ اگر ارادہ کرے رحمٰن مجھے تکلیف پہنچانے کا تو کام نہ آئے میرے ان کی سفارش اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔''

xx. مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○

(السجدہ : ۴)

ترجمہ: ''نہیں تمہارے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی۔ پس کیا تم غور نہیں کرتے؟''

xxi. .... قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط....○ (الفتح : ۱۱)

ترجمہ: ''تو کہہ (اے نبی ﷺ) کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ۔''

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین نے اپنے گناہ کی بخشش کے لیے حضور ﷺ سے استدعا کی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شرک فی الاختیار کے تحت کسی غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی تسلیم کرنے کی تردید میں نہایت واضح اور غیر مبہم اکیس آیات قرآنی مع نہایت صحیح اور عام الفہم اردو ترجمہ و تفسیر نقل کر دی گئی ہیں۔ ان آیات قرآنی سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں کی تفصیل درج ذیل ہے:

یہ کہ جن معبودوں کو مشرکین مصائب و آلام میں پکارتے چلے آرہے ہیں ان میں مٹی، پتھر اور دھات کے تصوراتی بت (اوثان، انسانی اور حیوانی شکل میں) اور زندہ و مردہ انسان (شیطان صفت یا بزرگان خدا) سب شامل ہیں۔ بت کو عربی زبان میں وثن کہا جاتا ہے جس کی جمع اوثان ہے۔ اس سے مراد پتھر یا دھات کے مجسمے ہیں گرچہ یہ تصوراتی ہی ہوتے ہیں۔ شرک و بدعت کا شکار ہمارے احباب اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ لفظ الٰہ جس کے معنی ہم عموماً معبود (جس کی عبادت کی جائے) کرتے ہیں اور پھر معبود کا ترجمہ بت ہی کرتے ہیں سے مراد صرف بے جان مجسمے اور مورتیاں ہیں جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں، نہ کہ زندہ یا اہل قبور انسان (انبیاء و اولیاء)۔ اسی لیے تو اللہ کہتا ہے کہ نہ تو وہ سنتے ہیں، نہ جواب دے سکتے ہیں۔ وہ تمہاری مدد اور شنوائی کیا کریں گے جب کہ اس کے مقابلہ میں ان کے بقول اولیاء اللہ زندگی میں اور فوت ہو جانے کے بعد ہر کسی کی پکار سنتے اور اس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ یوں ہووے! ان سے گزارش ہے کہ لفظ اوثان (مجسمہ، بت) قرآن حکیم میں شاذ ہی استعمال ہوا ہے۔ درج بالا آیات میں جن کو مشرکین مدد کے لیے پکارتے تھے یا پکارتے ہیں کے لیے لفظ اوثان کہیں بھی استعمال نہیں ہوا بلکہ لفظ اَلَّذِینَ (وہ لوگ یا انسان) ہی آیا ہے۔ کہاں گئے ان کے بے جان مٹی اور پتھر کے بت۔ الفاظ اِلٰہ، معبود اور بت نہایت وسیع المعانی ہیں۔ بت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان عشق کی حد تک محبت کرے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہو۔ معشوق کو بھی بت کہا جاتا ہے۔ وطن کو بھی، سیم و زر کو بھی، شخصیت کو بھی، قبر کو بھی، مجسمہ کو بھی۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ

وہ کون سے بت ہیں جن کو مسلمان پوجتے ہیں اور ان سے امیدیں باندھتے ہیں؟ کیا وہ پتھر کے

مجسموں اور دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں؟ نہیں تو پھر وہ کن بتوں کو پوجتے اور ان سے کچھ حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ کیا وہ غیر اللہ ہی نہیں جن کی قبروں کو وہ پوجتے اور ان کا طواف کرتے ہیں کہ وہ ان کی مرادیں بر لائیں! افلا تعقلون۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

یہ کہ جن ہستیوں (الّذین، عباد) کو مشرکین (کافر ہوں کہ مسلمان) مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ تو پَرِ کاہ کے مالک بھی نہیں۔ انہوں نے کسی کو کیا دینا ہے۔ وہ خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ وہ تو اتنے بے بس ہیں کہ سب مل کر بھی ایک ادنیٰ سی چیز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اتنا ہی نہیں اگر کوئی مکھی ان سے کچھ (غذا) چھین کر لے جائے تو وہ اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جنہیں تم مدد کے لیے پکارتے ہو مجھے دکھاؤ تو سہی وہ کیا ہے جو انھوں نے پیدا کیا ہے زمین میں سے یا انہیں کوئی شراکت ہے آسمانوں میں یا ان کو کوئی کتاب دی ہے ہم نے کہ اس میں سے واضح دلیل رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا ان قوتوں کو شریک سمجھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کو بھی کہا گیا کہ نہ پکاریے اللہ کے سوا کسی کو جو نہ نفع دے آپ ﷺ کو اور نہ نقصان۔ اگر آپ ﷺ ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا شمار بھی ظالموں (مشرکین) میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے شرک میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا چاہے وہ کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ تقویٰ اور اللہ پر بھروسے میں ذرا سی لغزش پر انبیاء کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔

مزید برآں وہ ہستیاں جن کو یہ مشرکین زندہ یا مردہ حالت میں خدائی تصرفات کا حامل قرار دے کر پکارتے ہیں روز قیامت اللہ کے ہاں پیشی پر صاف صاف اس بات سے انکار کر دیں گی کہ انھوں نے ان پکارنے والوں کو ایسا کرنے کی تعلیم دی تھی یا تلقین کی تھی اور کہ وہ ان کی ان مشرکانہ حرکات سے باخبر تھیں۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے تو کبھی اپنے چاہنے والوں کو اس قسم کی تعلیمات نہیں دیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے اور ہر انسان کی دنیوی زندگی میں جو مصائب، مشکلات اور آزمائشیں آتی ہیں اور جس طرح کا فضل و کرم اس نے اسے عطا کرنا ہے وہ روز اول سے ہی کتاب تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں کمی یا زیادتی بھی صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز کسی انسان کے لیے فائدہ مند ہے اور کون سی چیز نقصاندہ، کونسی سختی، آزمائش کے لیے ہے اور کون سی اعمال بد کا نتیجہ۔ وہ انسان کی ہر حرکت سے اور ہر ہر ضرورت سے آگاہ ہے اور رحمٰن و رحیم ہوتے ہوئے وہ ہر کسی کے فائدہ کے لیے کرتا ہے اگرچہ انسان اسے اپنی کم علمی اور کم عقلی کی وجہ سے نقصان سے تعبیر کر دے۔ اس لیے نہ صرف انسان اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرے بلکہ سختی

اور محرومی پر نہ صرف صبر کرے بلکہ اس کا شکر بھی ادا کرے۔ یہ بات اس کی اخروی اور دائمی زندگی میں نفع بخش ثابت ہوگی۔ بے صبرا اور ناشکرا انسان ہی وسیلے اور سفارشیں ڈھونڈتا پھرتا ہے خاص کر اہل قبور ہستیوں سے جو یہ بھی نہیں جانتیں کہ کون آیا ہے اور کیا مانگتا ہے۔ قادرِ مُطلق اور علیم وخبیر ذات کو کون سمجھائے کہ فلاں کی مراد پوری کر دو۔ کیا وہ دنیا کا بادشاہ یا حکمران ہے کہ اسے کسی کی سفارش ماننا پڑتی ہے کیونکہ وہ ہر کسی کے حالات سے واقف نہیں ہوتا۔ سفارش کا عقیدہ رکھنا خدائے رحمٰن ورحیم، خالق و مالک ورازق پر بداعتمادی کا اظہار ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایسا سوچنے اور کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: قُلِ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ۔ اللہ ہی کے اختیار میں ہے سفارش سب۔ یعنی سفارش ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی پر طلب شفاعت نہیں کی جاتی۔ اس بارے ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

> ''حضرت جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی (بدو) آیا۔ کہنے لگا کہ جانیں مشقت میں ڈالی گئیں اور اہل وعیال بھوکے ہیں، اموال نقصان کیے گئے اور مویشی ہلاک ہوگئے۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کریں۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر طلب شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ پر طلب شفاعت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، سبحان اللہ! آپ ﷺ دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ صحابہؓ کے چہروں پر ایسا کلمہ کہنے والوں کے لیے غضب کے آثار ظاہر ہوگئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لیے افسوس ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی پر طلب شفاعت نہیں کی جاتی۔ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے، تیرے لیے افسوس ہو۔ تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ اس کا عرش آسمانوں پر (اس طرح اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) قُبّہ کی طرح محیط ہے۔ اس سے آواز پیدا ہوتی ہے جس طرح سوار ہونے پر اونٹ کے پالان سے آواز آتی ہے''۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ:۵۴۸۱)

یہاں تک بحث ہو رہی تھی اس شفاعت (سفارش) کی جو دنیا میں مشرکین تصوراتی بتوں اور اہل قبور (بزرگ ہستیوں) سے اللہ تعالیٰ کے ہاں کروانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں قرآنی آیات قلمبند کی گئی ہیں۔ اب آتے ہیں اُخروی شفاعت کی طرف کہ اس شفاعت کے کرنے کا کسے اور کس طرح حق حاصل

ہوگا اور یہ کہ کس کے حق میں یہ شفاعت (دوزخ سے بچنے یا وہاں سے رہائی پانے کے لیے) قبول ہو سکے گی۔ دنیوی اور اُخروی شفاعت میں تمیز کیے بغیر قرآنی آیات کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ ہماری دینی کتب میں علماء اس تمیز کو مدنظر رکھے بغیر قرآنی حوالے دیتے چلے آرہے ہیں۔

شفاعتِ اُخروی

شفاعتِ اخروی کے بارے میں غلط عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں بالوضاحت سمجھا دیا ہے۔

القرآن

۱. وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ○ (البقرہ : ۱۲۲)

ترجمہ: ''اس روزِ حساب سے اپنا بچاؤ کرلو جب کوئی متنفس کسی دوسرے متنفس کے کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی معاوضہ (تاوان) ہی قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی شفاعت (سفارش) ہی فائدہ دے سکے گی نیز نہ ان کو کہیں سے کوئی مدد ہی ملے گی (جائے پناہ)''۔

یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو یہود و نصاریٰ کی طرح حضرت عُزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی شفاعت پر تکیہ کر کے کچھ کیے بغیر جنت میں داخل ہو جانے کا یقین رکھتے ہیں اور انھیں صرف ان کے خدا کے ''بیٹوں'' سے نسبت ہی جنت میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔

۲. وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِىٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ○ (الانعام : ۵۱)

ترجمہ: ''اور ڈرایے (اے نبی ﷺ!) بذریعہ اس (قرآن) کے ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اس بات سے کہ وہ جمع کیے جائیں گے اپنے رب کے ہاں کہ نہ ہوگا ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی، تاکہ وہ بچتے رہیں۔''

اے نبی ﷺ تم اس علم وحی کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں

کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس (اللہ) کے سوا وہاں کوئی ایسا ذی اقتدار نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے۔ شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر)، وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔

۳. ... وَ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی...O(الانبیاء : ۲۸)

ترجمہ: ''۔۔۔۔وہ کسی کی شفاعت نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو۔۔۔۔۔''

۴. یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا O (طٰہٰ : ۱۰۹)

ترجمہ: ''اس دن نہ نفع دیگی سفارش مگر اس کی جس کو اجازت دے گا رب رحمٰن اور پسند کرے گا اس کے لیے بولنا۔''

اس روز شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جس کو اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔

۵. مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ...O(البقرہ : ۲۵۵)

ترجمہ: ''کون ہے جو اس (اللہ) کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔۔۔۔؟''

۶. وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰۤی O(النجم : ۲۶)

ترجمہ: ''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ کام نہیں آئے گی ان کی شفاعت کچھ بھی مگر بعد اس کے حکم دیگا اللہ جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔''

☆ یعنی انسانی ہستیوں کی تو کیا حقیقت آسمانوں کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی بھی سفارش کچھ کام نہیں آسکے گی۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت کے پابند ہوں گے کہ کسی کی سفارش کر سکیں۔

۷. مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ....O(یونس : ۳)

ترجمہ: ''کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت/حکم کے بعد۔۔۔۔''

۸. .... لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ○يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ....○(النبا: ۳۷، ۳۸)

ترجمہ: ''قدرت نہیں کہ اس (اللہ) سے کوئی بات کرے ○ جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار باندھ کر۔۔۔۔''

کون شفاعت کا مستحق ہوگا؟

جہاں تک شفاعت کنندہ کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ اس بارے میں تو درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے۔ آیت نمبر۳ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ شفاعت کنندگاں صرف انھی کی سفارش کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہوگا۔ اس بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

و قال ابوهريره :: " من اسعد الناس بشفاعتك يا رسول الله؟ قال من قال لا الها الا الله خالصا من قلبه"

(حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ وہ کون خوش نصیب ہوگا جو آپ ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوگا؟'' اس پر رسول ﷺ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے دل کی گہرائیوں سے کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرے)

اس حدیث کی وضاحت میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''فتلك الشفاعة لا هل الاخلاص باذن الله و لا تكون لمن اشرك بالله "

(پس یہ شفاعت ان کو حاصل ہوگی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ کی اجازت سے لیکن مشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی۔)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام : ۸۲)

ترجمہ: ''جولوگ ایمان لائے (مسلمان ہوئے) اوراپنے ایمان کوظلم (شرک) سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن (جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں''۔

قرآن مجید نے جس کے لیے شفاعت کی تردید کی ہے وہ شرک گزیدہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شفاعت کواپنی اجازت سے ثابت اور مقید رکھا ہے۔

شفاعتِ اُخروی کی قسمیں

شفاعتِ اخروی کی کئی اقسام ہیں۔ شفاعت کی پہلی قسم شفاعت کبریٰ ہے جس سے جلیل القدر انبیاء بھی معذرت چاہیں گے۔ آخر معاملہ حضور نبی کریم تک آپہنچے گا اور آپ ﷺ اللہ کے حضور جلد حساب کتاب کے لیے سفارش کریں گے۔ دوسری قسم جنت میں داخلہ کی ہوگی۔ تیسری قسم ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم کے مستحق ہوں گے۔ چوتھی ان مسلمانوں کے لیے ہوگی جو اپنے گناہوں کی بنا پر دوزخ میں سزا پا رہے ہوں گے۔ پانچویں قسم اہل جنت کے لیے ہوگی تاکہ ان کے اجر میں اضافہ ہو یعنی ان کے درجات بلند ہوں۔ چھٹی قسم شفاعت بعض اہل جہنم کفار کے لیے ہوگی تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو سکے۔

شرک زدہ گروہ کی منطق

شرک فی الاختیار کے تحت غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنے اور ان کو اللہ کے ہاں اپنا سفارشی ماننے کے بارے میں قرآنی تردید پیش کر دینے کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں رہتی لیکن پھر بھی چند معروضات پیش کرنا چاہوں گا۔

i۔ قرآن وفرامین نبوی ﷺ سے حضور ﷺ اور تمام انبیاء کی بشریت ثابت ہے۔ اس سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے۔ پھر کیا کیا۔ ظاہری، کا سابقہ لگا کر ''ظاہری بشر'' کی ترکیب وضع کر لی یعنی حضور ظاہراً تو بشر تھے مگر حقیقت میں نور تھے۔

ii۔ قرآن واحادیث نے حضور ﷺ کے علم غیب کی تردید کی ہے۔ انہوں نے ''عطائی'' کا سابقہ لگا کر ''عطائی علم غیب'' کی ترکیب نکال کر اپنا بچاؤ کیا ہے۔ ''عطائی'' کے ساتھ ''کلی'' کی شرط بھی رکھتے ہیں۔

ii۔ حضور ﷺ کو ہر جگہ حاضر ناظر ثابت کرنے کے لیے انھیں لفظ ''شاہد'' کے سوا قرآن سے کچھ نہیں ملا حالانکہ لفظ ''شاہد'' ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر کی صفت مشبہ کو محیط نہیں ہے۔ حاضر و ناظر کے لیے عَلِیمٌ، خَبِیرٌ، سَمِیعٌ، بَصِیرٌ، قُرِیبٌ جیسے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ یہ سب خدائی صفات ہیں (اللہ کے ننانوے ناموں میں سے)۔ لفظ شاہد اللہ کا صفاتی نام نہیں ہے کیونکہ یہ صفت مشبہ نہیں ہے بلکہ عام صفت ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی صفات میں عَلِیمٌ، خَبِیرٌ، سَمِیعٌ، بَصِیرٌ اور قُرِیبٌ قطعاً نہیں ہیں۔ یہ صفات ہمہ وقتی اور ہمہ جائی ہیں۔ شاہد کے لغوی معنی گواہ کے ہیں (چشم دید گواہ شرط نہیں)۔ یہ لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام، حضور ﷺ نبی کریم، تمام امتوں اور عام لوگوں کے لیے بطور گواہ استعمال ہوا ہے۔ ہر مسلمان کلمہ دوم میں گواہی دیتا ہے کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وَحدہ لاَ شرِیکَ لَہٗ و اشھدان محمد عبدہ و رسولہ'' O ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں''۔

iv۔ اسی طرح زیر بحث موضوع غیر اللہ کو مدد، حاجت روائی کے لیے پکارنا اور انھیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی ماننا (دنیوی زندگی میں) کے تحت بھی ان کی کٹ حجتی اور تلبیس اسی طرح کی ہے جیسی اوپر تینوں موضوعات میں۔ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ''بِاذنِ اللّٰہ'' کہ کر حضور نبی کریم ﷺ اور تمام بزرگان دین کو خدائی تصرفات اور اختیارات سونپ دیے ہیں اس لیے ان کے مزاروں پر جا کر مانگنے والے ایسے ہی ہوئے جیسے خدا سے مانگنے والے۔ خدا نے ہی جو ان (بزرگوں) کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ اس میں شرک کی کیا بات ہے! اس بارے میں ان کی یہ منطق ملاحظہ فرمائیں:

''باذن اللہ، بعطائے الٰہی''

علامہ سید احمد سعید کاظمی مرحوم اپنی تقریر ''توحید اور شرک'' مرتبہ محمد مختار احسن مرحوم میں فرماتے ہیں:

i۔ ''۔۔۔پس جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی، عطائی اور محدود نہیں اور ہماری حیات عطائی ہے۔ اللہ کی حیات باقی ہے اور ہماری فانی تو شرک ختم ہو گیا۔ یہی تصورات تمام مسائل میں پیش کرتے چلے جایئے بات واضح ہو جاتی ہے''۔

ii۔ ''۔۔۔اللہ قادر ومختار ہے اور انسان کی وہ قدرت اور اختیار جو اللہ نے ہر شخص کے اندر پیدا کی اس کی وجہ سے انسان بھی مختار ہوا کہ نہیں؟ سُنیے اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار کسی سے عطا نہیں ہوا بلکہ ذاتی ہے اور بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔''

iii۔ ''علم انسانیت کا زیور ہے لیکن علم تو خدا کی صفت ہے۔ تو کیا یہ شرک ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو علم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بندے کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم اپنا ہے ہمارا علم اسی کا عطا کردہ ہے''۔

iv۔ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے اور فرماتا ہے ہم نے انسان کو سمیع وبصیر یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ تو اللہ کی تمام صفات بے نیاز وغنی ہو کر ہیں اور بندوں کی یہ صفات اس کے نیاز مند، حاجت مند ہو کر ہیں۔۔۔ الوہیت اور عبدیت کے درمیان یہی فرق ہے۔''

iv۔ ''اب شرک کا مطلب واضح ہو گیا کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں یعنی کسی کی عطا کردہ نہیں وہی کسی اور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ اور ان صفات سے شرک لازم نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں۔ اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صفات نہ بخشی ہوں تو پھر نہ کوئی سننے والا ہو، نہ دیکھنے والا، نہ زندہ ہو، نہ کوئی علم والا ہو۔ پس ہم یہی کہیں گے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی وابدی ہیں، بندے کی عارضی ہیں۔۔۔''۔

v۔ ''اگر ہم کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اختیار مانیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع اور بصر مانیں تو شرک نہیں کیونکہ جب عطا کا تصور آیا تو شرک کی نفی ہو گئی۔''

vii۔ ''معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تصور کو مان لینے سے مقصد پورا نہ ہوا اور محض مخلوق کا تصور کرنا شرک سے بچنے کے لیے کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اور یہ ماننا کہ خدا کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، بھی ضروری ہے۔''

☆ آگے ''مشرکین کا اعتقاد'' کے تحت فرماتے ہیں کہ:

viii۔ ''یہ درست ہے کہ مشرکوں نے اپنے باطل معبودوں کو مخلوق مانا لیکن جب مان لیا تو ان کو تسلیم کرنا چاہیئے تھا کہ مخلوق خالق کی محتاج ہے اور خالق کے وجود کے بغیر مخلوق کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور مخلوق جس طرح پیدائش میں خالق کی محتاج ہے اس لیے موت کے لیے بھی اسی کی محتاج ہے۔ یہ اعتقاد ضروری تھا لیکن مشرکین نے کہا: ''یہ ٹھیک ہے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا لیکن پیدا کرنے کے بعد ان کو الوہیت دے دی۔ لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرا حکم نہ بھی ہو تو تم کام کر سکتے ہو۔ یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد۔ حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے تھا کہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہو سکتی۔''

آگے فرماتے ہیں کہ:

viii۔ ''اللہ سب کچھ دے سکتا ہے مگر الوہیت نہیں دے سکتا کیونکہ الوہیت مستقل ہے اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے لیکن مشرکین کا تصور یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ لات و منات وغیرہ ایسے زاہد و عابد لوگ تھے کہ اللہ نے کہا کہ تمہاری عبادت کمال کو پہنچ گئی۔ اب میں تم پر یہ عنایت کرتا ہوں کہ تم آزاد ہو۔ میں نہ تم پر کچھ فرض کرتا ہوں اور نہ کوئی پابندی لگاتا ہوں۔ اس طرح انھوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دے دی ''۔

تجزیۂ تقریر

مولانا صاحب نے اپنی تقریر (محولہ بالا حصہ) میں ایک انوکھا فلسفہ پیش کیا ہے جس کو پڑھ کر قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ یہ مختلف اور متضاد بیانات کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے فلسفہ یہ پیش کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور بندوں کی یہی صفات عطائی ہیں لہذا بندگان خدا کو بھی اللہ کی طرح مختار، علیم (مولانا نے علیم کے بجائے علم کو خدائی صفت قرار دیا ہے) سمیع اور بصیر تسلیم کر لیا جائے تو یہ کون سا شرک ہے؟ ہم ان کی ذاتی اور عطائی تمیز کو تو مان لیتے ہیں لیکن اس سے یہ تو انھوں نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ذاتی لحاظ سے خدا ہے اور اس کے بندے عطائی لحاظ سے خدا۔ صفات جو ہر دو کی ایک ہی ٹھہریں یعنی اللہ تعالیٰ بھی مختار، علیم، سمیع اور بصیر ٹھہرا اور اس کے بندے بھی۔ ۔ دراصل وہ حضور نبی کریم ﷺ کو مختار، قادر اور حاضر، ناظر اور اولیائے اللہ کو خدائی تصرفات کا حامل قرار دینے میں اپنے کو برحق اور پاک از شرک ثابت کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے کہا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا۔ سمیع و بصیر اور علیم و خبیر نہ نبی کریم ہیں نہ اللہ نے کسی اور کے لیے یہ الفاظ قرآن میں دیے ہیں۔ حضور ﷺ کے ننانوے ناموں میں سمیع و بصیر اور علیم و خبیر اور قادر و مختار نہیں ہیں۔

آگے مولانا صاحب نے درج ذیل متضاد نتائج نکالے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''پس ہم یہی کہیں گے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں، بندے کی عارضی۔۔۔''

یہاں پہلے تو مولانا نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں، بندے کی وہی صفات عارضی۔ صفات و اختیارات ازلی ہوں کہ عارضی یا عبوری (Interim) بہر حال وہ ہوتے ایک ہی جیسے ہیں۔ عارضی یا عبوری اختیارات اس وقت روبعمل آتے ہیں جب کوئی حکمران یا اتھارٹی معطل ہو جائے اور اس کی جگہ وہی اختیارات کسی دوسری اتھارٹی کو سونپ دیئے جاتے ہیں اور جب تک اصلاً با اختیار اتھارٹی وہ عہدہ سنبھال نہیں لیتی عارضی اتھارٹی وہ عہدہ سنبھالے رکھتی ہے۔ جیسے عبوری یا عارضی حکومت یا آئین وغیرہ۔ تو مولانا صاحب یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات کبھی معطل بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو سونپ دیتا ہے؟ یاللعجب! عارضی کی گرہ لگا کر اپنا مطلب اخذ کرنے کی یہ سعی کسی طور قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اپنے مثالی ہاتھوں سے بہترین تقویم پر پیدا کیا اور اس کے وجود میں اپنی روح پھونکی۔ پھر فرشتوں سے اس شے کو سجدہ تعظیمی کروایا (شے اور چیز میں فرق ہے شے وہ چیز ہوتی ہے جس کی ضرورت ہو)۔ پھر اس کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اِنَّ اللّٰہ خَلَقَ اٰدم علٰی صُورَتِہٖ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس صورت سے مراد جسمانی نہیں بلکہ معنوی شکل و صورت ہے یعنی کہ خدا نے انسان میں اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور ان میں حد بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان! (اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی میں جو کبریائی، عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات ان کی مستحق نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کمالی سے وحدانیت اور بقائے ازلی و ابدی سے تمام مخلوقات طبعاً محروم ہیں۔ بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ اللہ کی صفات وجودی (المو جود، الحیی، القدیم، القیوم، الباقی، الدائم، الاول، الآخر، الظاہر، الباطن، المؤخر) اسکی صفات علمی (الخبیر، العلیم، السمیع، البصیر، علام الغیوب، الواجد، الحسیب، الحکیم، القریب، المدبر) اسکی صفات قدرت (القدیر، القادر،

القوی، المتین، الواسع، المحیط، الجامع، القابض والباسط، النافع، الضار، المعطی والمانع) سے بھی مخلوقات تمام تر محروم ہیں۔ کسی غیر اللہ کو قادر ومختار وعلیم وخبیر وسمیع وبصیر، علّام الغیوب، مجیب (دعاؤں کا سننے والا)، مغیث (فریاد کو سننے اور پہنچنے والا) اور مُقیت (روزی پہنچانے والا) ماننا (عطائی یا ذاتی) اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ایک اور خدا کھڑا کرنے سے کم نہیں۔ یہ شرک عظیم ہے۔ پھر اتنی بڑی صفات مطلقہ کو اگر یہ ''عطائی'' اور ''عارضی'' کا لیبل لگا کر حضور نبی کریم ﷺ اور اولیاء اللہ کے لیے عین برحق سمجھتے ہیں تو انہیں کون روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پورے کے پورے ننانوے صفاتی نام بھی انھی ہستیوں کا اعزاز قرار دے دیں۔ پس ''عطائی'' اور ''عارضی'' کی ڈھال ہی ان کے اپنے دفاع کے لیے کافی ہے۔ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا چودھویں صدی ہجری سے قبل کسی بھی مفکر و مدبر، محقق و مجدد، مفسر و معلم اور ولی اللہ نے ''عطائی'' اور ''عارضی'' کی منطق کے تحت بندوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم منصب قرار دے کر عبدیت اور الوہیت کا اس طرح مذاق اڑایا ہے؟

آگے علامہ صاحب نے اپنی پیش کردہ منطق اور دعووں کا خود ہی ابطال کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تصور کو مان لینے سے مقصد پورا نہ ہوا اور محض مخلوق کا تصور کرنا شرک سے بچنے کے لیے کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اور یہ ماننا کہ خدا کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، بھی ضروری ہے۔''

علامہ صاحب یہاں خود ہی اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اس کی خاص صفت ہے اور کہ شرک سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ یہ نہایت ضروری ہے۔ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا مختار، قادر، سمیع، بصیر، علیم اور خبیر اللہ تعالیٰ کی صِفات نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو ان کے اپنے بقول وہ خاص صفات نہ ہوئیں اللہ تعالیٰ کی؟ تو پھر ان کی عارضی اور عطائی کی تلبیس کہاں گئی جبکہ خود ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''محض مخلوق کا تصور کرنا شرک سے بچنے کے لیے کافی نہیں''۔ عطائی اور عارضی کی گر ہیں کیا انھوں نے محض انسان کے مخلوق ہونے کی وجہ سے ہی نہیں لگائی ہیں! یا للعجب!

آگے علامہ صاحب فرماتے ہیں:

i۔ ''۔۔۔لیکن مشرکین نے کہا: ''یہ ٹھیک ہے کہ ان کے معبودوں کو اللہ نے پیدا کیا لیکن پیدا کرنے کے بعد ان کو الوہیت دے دی۔ لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرے حکم نہ بھی ہو تو تم کام کر سکتے ہو''۔ یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد۔ حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہو سکتی''۔

ii۔ ''اللہ سب کچھ دے سکتا ہے مگر الوہیت نہیں دے سکتا کیونکہ الوہیت مستقل ہے اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے۔۔۔۔ مشرکین نے کہا کہ اللہ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دے دی۔۔۔''

☆ یہاں علامہ صاحب نے الوہیت کو مخصہ بنا کر پیش کیا ہے۔ الوہیت کے معنی ربوبیت، شہنشاہت اور معبودیت کے ہیں۔ ساری مخلوقات کا پالنے والا، زندگی دینے والا، پروردگار اور مالک ایک ہی اللہ تعالیٰ، تمام مخلوقات کا حکمران، کنٹرول کرنے والا اور قادر مطلق وہی ذات محیط، ہر قسم کی عبادت و تسبیح (تکوینی اور تشریعی) اسی کو لائق، وہی دعاؤں اور پکار کو سننے والا (مجیب) اور وہی فریاد درس (مغیث) اور کوئی نہیں۔ نہ دائمی نہ عارضی! علامہ صاحب نے الوہیت کو مستقل اور دائمی قرار دیا ہے مگر الوہیت کی صفات (قادر، مختار، علیم، سمیع، بصیر، خبیر مجیب، مغیث، مقیت، علام الغیوب، نافع وضار، معطی و مانع وغیرہ) کو عطائی اور عارضی کا لیبل لگا کر غیر اللہ (انبیاء واولیاء) میں تقسیم کر دیا ہے۔ مشرکین کو تو طعنہ دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے معبودوں (تصوراتی بتوں) کے الوہی اختیارات کو مستقل اور دائمی قرار دیا یعنی ان معبودوں کے مرنے کے بعد بھی اور زندگی میں بھی۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مستقلاً اپنے اختیارات سونپ رکھے تھے۔ عارضی طور پر نہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے الوہی اختیارات میں مدوجذر نہیں ہوتا تھا لیکن یہ خود کیا کر رہے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کو کلی علام الغیوب، ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر، قادر و مختار، مشکل کشا، حاجت روا، پکارنے والے کی پکار کو سننے والے اور اس کی فریاد رسی کرنے والے اور اسی طرح اولیائے کرام (مرحومین) کو بھی مشکل کشا، بگڑی بنانے والے، فریاد رس (غوث) اور داتا سمجھ کر صدیوں سے ان کے مزاروں اور درباروں کے طواف کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان سے وہی کچھ مانگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔ تو کیا ان کے معبود (انبیاء واولیاء) مسلسل اور دائمی، الوہی اختیارات کے مالک نہ ٹھہرے؟ نہ عطائی اختیارات کا سلسلہ ٹوٹے (تا قیامت) نہ ان میں کمی ہو نہ وہ کسی بھی وقت معطل ہوں۔ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، قادر اور معبود حقیقی سمجھتے تھے لیکن اپنے معبودوں (بزرگ ہستیوں کے تصوراتی بتوں) کو یہی سمجھتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے لحاظ سے ان میں الوہی اختیارات بانٹ رکھے ہیں۔ ان تک رسائی حاصل کیے

حضور ﷺ اور اولیاء اللہ کو وہ خدائی تصرفات کا حا
توحید ہے'' کے تحت علامہ صاحب رقم طراز ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

....مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ ا

ترجمہ: ''وہ کون ہے جو شفاعت کر سک
سے''

اس حصہ آیۃ الکرسی کی تشریح میں فرما

''پتہ چلا کہ بغیر اذِن کے شفاعت کا ا

ہے۔پس جب یہ عقیدہ آیا کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی حاجت پوری
کرسکتا ہے تو شرک ہے اور جب اذنِ الٰہی کا عقیدہ آیا تو شرک ختم''۔

بندہ نے پیچھے شفاعت کی (زمانہ کے لحاظ سے) دو قسمیں بیان کی ہیں۔ایک شفاعت دنیوی اور دوسری شفاعت اخروی، شفاعت دنیوی کے لیے سفارش کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس کے بارے میں چند آیات قرآنی کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ دنیوی شفاعت (سفارش) کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا ماسوائے کسی کے لیے دعائے خیر کے۔اس میں ماں کی دعا (جنت کی ہوا)، باپ کی دعا، یتامیٰ اور غربا و مساکین کی دعائیں، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی دعائیں، توبۃ النصوح کے بعد اپنی دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتی ہیں۔کوئی فوراً، کوئی کچھ عرصہ بعد اور کوئی بروز آخرت۔باپ کی دعا کے بارے میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کہ دو کلمے ایسے ہیں جن کے اللہ کے ہاں پہنچنے میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ایک لا الہ الا اللہ۔اور ایک باپ کی دعا''۔کوئی تصوراتی بت یا اہل قبور (بزرگ ہستیاں) اللہ کے ہاں کسی کی سفارش نہیں کرسکتیں۔نہ ہی انہیں ''اِلاَّ بِاِذْنِہٖ'' سے مشروط کیا گیا ہے۔یہ شرط صرف شفاعت اخروی کے لیے ہے۔محولہ بالا آیۃ الکرسی کا حصہ شفاعتِ اخروی کے متعلق ہے نہ کہ سفارش دنیوی کے متعلق۔علامہ صاحب نے حاشیہ ص ۷، ۸ میں خود ہی تسلیم کیا ہے کہ یہاں شفاعت اخروی کی ہی بات ہوئی ہے۔فرماتے ہیں: ''یہاں ایک قاعدہ بیان فرما دیا کہ ہر شخص کو بارگاہ الٰہی میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی۔صرف وہی سفارش کرے گا جس کو پروردگار عالم نے اذن فرمایا۔بتانا یہ ہے کہ اے کفار و مشرکین! قیامت کے دن تو وہی سفارش کرے گا جسے اجازت ہوگی۔''

مولانا نے جب آیت مذکورہ بالا میں شفاعت کو شفاعت اخروی تسلیم کیا ہے تو پھر دنیوی سفارش میں باذِن اللہ کہاں سے آئے گا؟

دنیوی سفارش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

....مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○

(السجدہ : ۴)

ترجمہ: ''۔۔۔نہیں تمھارے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی
پس کیا تم غور نہیں کرتے؟''

دنیوی سفارش ایک تو اللہ تعالیٰ کو قطعاً قبول نہیں دوسرے اس کی قبولیت کے لیے بِاِذْنِہٖ کی گنجائش

بارے میں آگے چل کر وہ ایک حدیثِ قدسی کا سہارا لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ علامہ صاحب اپنے موضوع کو مختلف سرخیوں کے تحت اس طرح گڈمڈ کرتے ہیں کہ قاری کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا۔ بندہ نے کوشش کی ہے کہ ان کی غیر ضروری اور غیر متعلقہ باتوں کو چھوڑ کر صرف نفس مضمون پر ہی توجہ دی جائے اور اس کو لائق تنقید بنایا جائے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے جو انھوں نے اشارۃً بات کہی ہے پہلے اس پر بحث کیے بغیر آگے بڑھنا بے کار ہوگا۔

علامہ صاحب کی حضرت عیسیٰؑ کے باذن اللہ معجزات کے بارے میں پیش کردہ مختصر آیت (آل عمران:۴۹) کے مقابلہ میں زیادہ واضح آیت قرآنی پیش کر کے بحث چھیڑیں گے۔

.... وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا ۢ بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ ....O (المائدہ : ۱۱۰)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور جبکہ تو (عیسیٰؑ) بناتا تھا گارے سے پرندے کی سی صورت میرے حکم سے پھر پھونکتا تھا اس میں تو وہ ہو جاتا تھا پرندہ زندہ میرے حکم سے اور تو اچھا کرتا تھا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جبکہ تو نکالتا تھا (زندہ کرتا تھا) مردہ کو میرے حکم سے۔۔۔۔''

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰؑ کو عطا کیے گئے چاروں معجزوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں حُکماً رُو بَعمل لانے کو کہا تھا۔ ہر معجزہ کے بعد باذنی (میرے حکم سے) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ معجزہ نبی کی اپنی تخلیق نہیں ہوتا بلکہ اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہوتا ہے۔ چاہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی استدعا پر معجزہ دکھائے، چاہے حکم دے کر نبی کے ہاتھوں دکھائے اور چاہے تو نبی کو مطلع کیے بغیر رونما کر دے۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ O (عنکبوت : ۵۰)

ترجمہ: ''اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ اللہ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں (معجزات) کیوں نازل نہیں ہوئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے

پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں۔"

جناب علامہ صاحب نے اپنے موقف کی حمایت میں بے جا حضرت عیسیٰؑ کے "باذن اللہ" معجزات کا حوالہ دیا ہے۔اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو بھی "باذن اللہ" کے تحت خدائی تصرفات حاصل ہوتے ہیں اور وہ بھی عارضی نہیں بلکہ استمراری طور پر اور اس اتھارٹی کے تحت وہ مشکل کشا، حاجت روا اور فریاد رس بن جاتے ہیں۔ بدیں وجہ ان سے مرادیں مانگنا قطعاً شرک نہیں ہے۔انھوں نے فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ! ہم باذن اللہ کا اعتقاد کر کے شرک سے پاک، اور انبیاء و اولیاء کے اختیارات ثابت کر کے کفر سے بھی پاک۔ اس سے پہلے وہ یہ فرما چکے ہیں: "اب اگر کوئی اولیاء اللہ کو باذن اللہ حاجت روا کہے تو شرک ختم ہو گیا"۔

ہم علامہ صاحب اور ان کے معتقدین سے پوچھتے ہیں:

i۔ حضرت عیسیٰؑ کے جو معجزات "باذنی" (میرے حکم سے) کے تحت ظہور پذیر ہوئے تھے کتنے اور انبیاء یہی معجزات "باذن اللہ" کہ کر گارے سے زندہ پرندے پیدا کیا کرتے تھے؟ کیا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو "باذن اللہ" کہ کر تندرست کیا کرتے تھے اور "باذن اللہ" کی اتھارٹی سے کیا وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے؟

ii۔ کیا حضرت عیسیٰؑ (جن سے بات چھڑی ہے) اپنے مذکورہ بالا اور چند ایک اور معجزات کے علاوہ "باذن اللہ" کہ کر لوگوں کی دیگر بیماریاں اور مصائب بھی حل کر دیا کرتے تھے ؟ بے اولادوں کو اولاد بھی دیا کرتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کی طرح عصا پھینک کر اسے اژدہا بھی بنا دیا کرتے تھے؟

iii۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کہاں فرمایا ہے کہ اس نے "باذنی" (میرے حکم سے) کے تحت تمام انبیاء و اولیاء کو خدائی اختیارات (مختار، حاجت روا، فریاد رس اور ہر جگہ ہر وقت حاضر ناظر وغیرہ) سونپ رکھے ہیں۔ پھر حضور نبی کریم نے امت کو کہاں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو "باذن اللہ" کے تحت اپنے الوہی اختیارات دے رکھے ہیں اور بایں وجہ دوران حیات اور بعد از وفات ان کی قبروں، مزاروں اور درباروں پر حاضر ہو کر ان سے جو چاہو مانگو وہ ضرور دیں گے۔قرآن و فرامین نبوی ﷺ کو نظر انداز کر کے چودھویں صدی ہجری کے اختراع پرداز وں کو فوقیت دینا کہاں کا اسلام ہے؟ حضرت مُغیرہؓ ابن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول

اللہ ﷺ فرض نمازوں کے بعد یہ دعائیں مانگا کرتے تھے: (یہاں صرف متعلقہ بحث ایک ہی دعا درج کی جاتی ہے)

"اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجدمنک الجد" (بخاری ومسلم)

(اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے، کوئی اسے دے سکنے والا نہیں اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کرسکتا)۔

☆ حدیث نبوی ﷺ سے صاف ظاہر ہے کہ قادر ومختار اور نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی ہے۔ اس میں کسی طور بھی "باذن اللہ" قادر ومختار ومعطی ومغیث بن جانے کی مشرکانہ دلالت کو پذیرائی نہیں مل سکتی۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے متعلقہ قرآنی آیت سے تو علامہ صاحب "باذن اللہ" کے تحت اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات ملنے کا ثبوت پیش نہیں کر سکے لیکن حسب دعویٰ انھوں نے ایک حدیث قدسی کا سہارا لیا ہے اگرچہ "باذن اللہ" سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ حدیث یہ ہے: "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی زبان اقدس پر فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ قربت حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں۔ (علامہ صاحب اگلا حصہ چھوڑ گئے ہیں) "کسی چیز کے کرنے میں توقف اور تردد نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان قبض کرنے سے کہ وہ موت کو ناخوش رکھتا ہے۔ حال یہ کہ میں اسکی ناخوشی کو ناخوش جانتا ہوں اور اس کو مرنے سے چارہ نہیں"۔ (راوی ابو ہریرہؓ۔ مشکوٰۃ ۲۱۵۹ جلد ۱)

علامہ صاحب اس حدیث قدسی سے جو بات اخذ کر کے اپنے موقف (بعطائے الٰہی اور باذن اللہ)

کوتقویت بخشنا چاہتے ہیں وہ درج کیے دیتے ہیں۔علامہ صاحب کہتے ہیں:

''بعض لوگ اس حدیث کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا محبوب بن جاتا ہے تو پھر وہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز بات نہیں سنتا، اپنی آنکھوں سے خلاف شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا، اپنے ہاتھ پاؤں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا''۔

''یہ معنی بالکل غلط ہے، اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس معنی سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے گناہ نہیں کرتا۔اور وہ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن اس معنی کو جب الفاظ حدیث پر منطبق کیا جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔کیونکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہوسکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیز گاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۱)

(آپ ﷺ فرمایئے (انھیں کہ) اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو۔

(تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ)

''معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی اتباع یعنی تقویٰ اور پرہیز گاری کے بغیر مقام محبوبیت کا حصول ناممکن ہے''۔

درج بالا حدیثِ قدسی کے سیدھے سادھے نفس مضمون کو علامہ صاحب نے جس دور از کار اور ناقابل فہم منطق کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی ہے وہ قابل افسوس ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرائض کی پابندی سب چیزوں سے بڑھ کر بندہ کو اس کے قریب اور نزدیک کرنے کا باعث بنتی ہے۔اور نوافل کی لگاتار ادائیگی سے بندہ اللہ سے نزدیک تر ہوتا چلا جاتا ہے۔نوافل میں نفلی نمازیں، نفلی روزے اور ہر دم اللہ تعالیٰ کا ذکر وتسبیح شامل ہیں۔نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اور منظور نظر بن جاتا ہے تو پھر تجلیات الٰہی اس پر منعکس ہونا شروع ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے

میں اس کا انگ انگ حفاظت الٰہی میں آجاتا ہے اور وہ لاشعوری طور پر بھی خلاف شریعت کوئی حرکت نہیں کرسکتا الا ماشاءاللہ۔ بہ تقاضائے بشریت انسان سے بھول چوک یا کوتاہی کا سرزد ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں۔ انسان کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ تمثیلات سے کام لیتا ہے۔ اسے متشابہات کہا جاتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مثال کا نہ تو کوئی ہاتھ ہے نہ پاؤں اور نہ کوئی آنکھ اور کان۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ قرآنی متشابہات میں مت الجھو۔ بہرحال علامہ صاحب نے ان متشابہات میں الجھنے اور الجھانے کی سعی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اس معنی سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو اور حصہ سے گناہ نہیں کرتا، اور وہ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں''۔ علامہ صاحب نے مفسرین کی جس تشریح کو لغو قرار دیا ہے اس میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ اللہ کا محبوب بندہ جس کے وہ (اللہ) کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے کسی بھی قسم کے گناہ اور لغزش و کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ لاشعوری طور پر بھی خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتے۔ اگر کوئی کر بیٹھیں تو توبہ کرکے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ اس حدیث قدسی کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور اگر وہ (میرا محبوب بندہ) مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں''۔ مطلب یہ کہ اس کے محبوب بندے کو بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو بھی حکم ہوتا ہے (سورہ الناس) کہ آپ ﷺ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگتے رہا کریں۔ علامہ صاحب آگے چل کر اس بات کی تردید میں فرماتے ہیں: ''لیکن اس معنی کو جب الفاظِ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا کیونکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہوسکتا ہے تو تقویٰ و پرہیزگاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔''

حدیثِ قدسی کے متن کے مطابق فرائض کی سختی سے پابندی اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا باعث بنتی ہے اور نوافل کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ یہاں گناہ وغیرہ سے بچنے کی کوئی قید نہیں لگائی گئی اگرچہ فرائض و نوافل کی ادائیگی سے ہی گناہوں سے بچا جاسکتا ہے۔ بات اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی ہورہی ہے اور اس کے محرک فرائض و نوافل کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ

گناہوں سے بچنے کو۔ گناہ بے شمار قسم کے ہیں کوئی صغیرہ کوئی کبیرہ کوئی لغزش، کوتاہی اور ترک اولیٰ وغیرہ اور یہ انسان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ پھر علامہ صاحب کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ''بموجب حدیث گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو بندہ محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہوسکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیز گاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔'' یاللعجب! ہم علامہ صاحب سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کسی شخص کو عمل سے پہلے انعام دیا جاتا ہے یا کہ عمل کے بعد؟ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ بوجوہ (ادائیگی فرائض ونوافل) اس کا محبوب بنا تو پھر اس نے اسے (بندہ کو) انعام سے نوازا۔ انعام یہ کہ بندہ کے تمام قوائے نفسانی اور حیوانی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہوجاتے ہیں۔ اس کا جینا اور مرنا، اس کی صلوٰۃ وقربانی ''لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِین'' ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے دوررس نگاہوں سے نوازتا ہے۔ فضولیات اور لغویات پر کان نہیں دھرتا، خلاف شرع حرکات سے اجتناب کرتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے (صبر وتحمل، ہدایت وآگہی وغیرہ) تو وہ اسے ضرور دیتا ہے۔ ''اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں''۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندہ کے انعامات۔ اگر مفسرین نے گناہ ہائے صغیرہ وغیرہ سے بچنے کو بھی محبوب کے انعامات میں شامل کرلیا ہے تو کون سی بے اصولی کی بات ہے؟۔ دراصل علامہ صاحب تحریفات معنوی کے ذریعے نہ صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے (کسے باشد) کو معصوم عن الخطا کے مقام پر لا کھڑا کرنا چاہتے ہیں بلکہ آگے چل کر اسے 'محبوب کو' خدائی تصرفات کا حامل قرار دینے کی سند بھی عطا فرمائیں گے جو کہ ان کا اصل مدعا ہے۔ پہلے وہ درج بالا حدیث قدسی کی تفسیر از امام فخر الدینؒ رازی پیش کرتے ہیں بعد میں اس سے من مانے نتائج اخذ کریں گے۔ حدیث قدسی کی تفسیر ملاحظہ ہو:

> ترجمہ (اردو از عربی)۔ ''اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرلیتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کُنْتُ لَهٗ سَمَعاً و بَصَراً فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہوجاتا ہے تو وہ دور ونزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہوگیا تو وہ دور ونزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔ اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہوجائے تو یہ بندہ مشکل وآسان اور دور وقریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہوجاتا ہے''۔
>
> (تفسیر کبیر سورہ کہف ص ۹۱، جلد ۲۱)

امام رازیؒ کی درج بالا تفسیر حدیثِ قدسی (بقول علامہ صاحب) پر بحث کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ علامہ کاظمی کے اس سے ماخوذ نتائج بھی درج کر دیے جائیں۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں:

i۔ ''امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بصر کا نور جب اس (محبوبِ الٰہی) کی بصر کے صیقل شدہ آئینے میں چمکے گا تو وہ ہر نزدیک اور دور کی چیز کو دیکھ لے گا''۔

ii۔ ''جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس کے ہاتھ، پاؤں، دل اور دماغ میں ظاہر ہونگے تو یہ ہر آسان، ہر مشکل اور ہر دور و نزدیک کی چیز پر قادر ہو جائے گا۔ اب بتایئے کہ جب مشکل بندے کی قدرت میں ہوگئی تو مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے؟''

iii۔ ''مگر خوب یاد رکھیے کہ خدا کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیونکہ بندہ اگر کسی کی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے۔''

iv۔ ''پس واضح ہوگیا کہ ہمارا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے۔ اب بتایئے کہ عین توحید کو لوگ اگر شرک کہتے ہیں تو اسلام پھر کیا ہوگا؟''

v۔ ''کفار مکہ تو خدا پر یہ بہتان باندھتے کہ خدا نے ان پتھروں اور بتوں کو اختیار دے رکھا ہے اور اذن دے دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اور جب ہم نے ان انبیاء و اولیاء پر اذن کی شرط لگائی تو شرک دور ہوگیا اور جب ان کے اختیار کو ثابت کر دیا تو کفر بھی جاتا رہا''۔

vi۔ ''الحمدللہ! ہم ''باذن اللہ'' کا اعتقاد کر کے شرک سے پاک اور انبیاء و اولیاء کے اختیارت ثابت کر کے کفر سے بھی پاک ہیں''۔ (توحید و شرک، ص ۱۳، ۱۴، ۱۵)

العجب! العجب! ثم العجب! امام فخر الدین رازیؒ کی حدیث قدسی کی محولہ بالا تفسیر اور علامہ احمد سعید کاظمی کی درج بالا اختراعات، کٹ حجتیوں اور تاویلات نے ''شرک فی الاختیارات'' (قادر و مختار و کارساز و مشکل کشا اور پکار سننے والا) کا در کھول کر رکھ دیا ہے۔ بہ قول اقبال:

؎ خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں!

بحث سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہوگا کہ دین اسلام پر اگر کوئی اتھارٹی ہے تو وہ صرف اور صرف

قرآن مجید ہی ہے جس کی عملی تفسیر سیرۃ النبی (اعمال واقوال نبی ﷺ) ہے۔ سیر صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین سیرۃ النبی ﷺ کی وضاحتیں اور صراحتیں ہیں۔ البتہ اجتہاد فی الدین کی راہیں قیامت تک کھلی ہیں کوئی حدیث، تفسیر، فلسفہ وکلام جو نص قرآنی سے متصادم ہو اس کی کوئی اوقات نہیں۔ اس تفریق کو سمجھے بغیر راہ مستقیم تلاش کرنا فضول ہوگا۔ کوئی رومیؒ ہو کہ رازیؒ جب تک ان کے فرمودات قرآن سے مطابقت نہیں رکھتے ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کو پس پشت ڈال کر اختراعات وتاویلات کا سہارا لینے والے ہرگز دین اسلام کے خادم نہیں ہو سکتے۔ علامہ اقبالؒ نے اس بارے کیا خوب کہا ہے:

؎ شیخ ملت با حدیث دلنشیں
بر مراد او کند تفسیر دیں!

(اقبالؒ)

(ملت اسلام کا پیشوا و سردار دلنشیں باتوں سے اپنی مطلب برآری کے لیے دین کی تشریح وتفسیر کرتا ہے یعنی شہرت وشکم پروری کے لیے من گھڑت تفسیر دین کرتا ہے)۔

اب آتے ہیں بحث کی طرف تو امام رازیؒ نے جن تمثیلات حدیث قدسی (اللہ کا اپنے محبوب بندہ کے کان، آنکھ ہاتھ اور پاؤں ہو جانا) سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ کا محبوب بندہ نہ صرف سمیع، بصیر ہو جاتا ہے بلکہ وہ ''مشکل وآسان اور دور اور قریب کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے''۔ اگر یہ سچ ہے کہ بندہ ہر چیز پہ قادر ومختار ہو جاتا ہے تو پھر حدیث قدسی (زیر بحث) کے آخر میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ ''اگر وہ (محبوب بندہ) مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں؟''۔ ہر چیز پر نظر رکھنے اور قادر ومختار بن جانے والے کو مانگنے کی کیوں ضرورت پڑ گئی؟ امام رازیؒ نے نہ جانے کیوں حدیث کے ان آخری کلمات کو چھوڑ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے قادر ومختار و کارساز و کارکشا و فریادرس ہونے کے بارے میں پیچھے بے شمار آیات قرآنی پیش کی گئی ہیں۔ ان کا اعادہ مناسب نہ ہوگا۔ سورہ الکہف جس کی پہنچ نہیں کس نسبت سے امام رازیؒ نے یہ تفسیر پیش کی ہے (بمطابق حوالہ مذکورہ) کی ایک آیت مبارکہ کو ہی لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ''عطائی'' اور ''باذن اللہ'' کے تحت کتنے قادر ومختار و کارساز ہیں اور وہ اپنے احکامات میں کتنوں کو شریک کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا○ (الکھف : ۲۶)

ترجمہ: ''کہ دیجیے اللہ ہی بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ (اصحاب کہف) ٹھہرے۔ اسی کو معلوم ہیں اسرار آسمانوں اور زمین کے۔ کیسا عجیب ہے اس کا دیکھنا اور سننا! نہیں ان کا اس کے سوا کوئی کارساز اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو''۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ باتیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اصحاب کہف کتنی دیر غار میں سوئے رہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کے اسرار و رموز کو جانتا ہے، اور کوئی نہیں۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور سننا نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ کوئی اس جیسا سمیع و بصیر نہیں ہو سکتا۔ مخلوقات کا دیکھنا اور سننا اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کے مقابلہ میں پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ چوتھی یہ کہ اصحاب کہف کا اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں جو ''باذن اللہ'' کے بل بوتے پر ان کی مدد کر سکے۔ پانچویں یہ کہ وہ کسی بھی ہستی کو اپنے احکامات میں شریک نہیں ٹھہراتا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تنگی دینا چاہے تو کوئی اسے ''باذن اللہ'' کہ کر بچانے والا نہیں۔ (شفاعت اخروی اس سے مختلف ہے۔ اس پر پیچھے بات ہو چکی ہے)۔ مولانا روم کے یہ قول:

داد خود از کس نیابم جز مگر
زانکہ ہست از من بمن نزدیک تر

(میں اپنی دادرسی (چارہ سازی) کسی سے نہیں حاصل کر پاتا ماسوائے اس ماسوا (اللہ تعالیٰ) کے جو کہ مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے)

مولانا روم مزید فرماتے ہیں کہ:

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اول و آخر توئی و منتہا

(اے خدا! ہم تمام ہستیوں سے ناامید لوٹے۔ تو ہی اول بھی ہے، آخر بھی ہے اور تیری انتہا نہیں۔ تو حی و قیوم ہستی ہے)

امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہے تو پھر وہ بندہ دور و نزدیک کی آوازیں سن لینے اور دور و نزدیک کی چیزیں دیکھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان صفات کا موصوف بندہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک ہر آواز کو سن سکتا ہے اور ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے یعنی وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گیا۔ امام رازیؒ کے اس دعوے کی حقیقت قرآن مجید و فرقان حمید اور فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں بھی کسی انسان (انبیاء و اولیاء) کو سمیع و بصیر نہیں کہا گیا اور نہ ہی حضور نبی کریم ﷺ نے کسی غیر اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کی بات کی ہے۔ سمیع و بصیر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ سمیع و بصیر، قدرت و کلام اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالی ہیں۔ ان کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا کفر ہے۔ صفات سمیع و بصیر، سامع و باصر کی تفضیلِ کُل ہیں۔ کوئی غیر اللہ سمیع و بصیر و علیم و قدیر و نصیر و خبیر و رحیم نہیں ہو سکتا۔

علامہ کاظمی نے امام رازیؒ کی محولہ بالا تفسیر حدیث قدسی کی آڑ لے کر اور ''عطائی''، ''ذاتی''، ''عارضی'' اور ''باذن اللہ'' کی گرہیں لگا کر غیر اللہ (انبیاء و اولیاء) کو مشکل کشا، حاجت روا، ہمہ جائی اور قادر و مختار تسلیم کرنے کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ جناب کاظمی صاحب کا بیان دوبارہ نقل کرتے ہیں:

> ''مگر خوب یاد رکھیے کہ خدا کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیونکہ بندہ اگر کسی کی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن سے کرتا ہے''۔

جب اللہ نے کسی کو طاقت و اختیار دے دیا کہ وہ مخلوق کی حاجت پوری کرتا ہے اور مشکل حل کرتا ہے تو پھر اسے ''باذن اللہ'' کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ ''عطا'' کے بعد ''اذن'' کے معنی! اللہ تعالیٰ نے کہاں فرمایا ہے کہ اس نے باذن اللہ کے تحت اپنے بندوں میں اپنے خدائی اختیارات بانٹ رکھے ہیں۔ کاظمی صاحب آگے فرماتے ہیں:

> ''کفار مکہ تو خدا پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ خدا نے ان پتھروں اور بتوں کو اختیار دے رکھا ہے اور اذن دے دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اور جب ہم نے ان انبیاء و اولیاء پر اذن کی شرط لگائی تو شرک دور ہو گیا۔ اور جب ان کے اختیار کو ثابت کر دیا تو کفر بھی جاتا رہا''۔

حنفی مشرکین مکہ جن پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ محض پتھر کے بت نہ تھے بلکہ وہ انبیاء و اولیاء کے خیالی اور تصوراتی بت تھے۔قرآن نے سب سے پہلے جن پانچ بتوں (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) کا ذکر کیا ہے وہ سب حضرت ادریسؑ کی اولاد میں سے ولی اللہ تھے۔ پھر خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں میں سب سے بڑا بت حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔تو کیا مشرکین مکہ پتھروں کو پوجتے تھے کہ گزشتہ بزرگ ہستیوں کو اس بنا پہ کہ وہ ان کے لیے اللہ کے ہاں سفارشی تھے بعینہٖ ایسے جیسے کہ ہمارے یہ لوگ مرحوم بزرگوں کو اللہ کے ہاں اپنے سفارشی مان کر ان کی قبر پرستی کر رہے ہیں۔نہ باذن اللہ کی چابیاں مشرکین مکہ کے بزرگوں کو عطا ہوئی تھیں اور نہ ہی ہمارے مرحوم و باحیات بزرگوں کو۔حضرت صاحب کس بات پر مکہ کے مشرکین کو طعنہ دیتے ہیں جب کہ خود بھی وہی عقاید رکھتے ہیں جو مشرکین کے تھے بزرگ ہستیوں کے متعلق۔فرق صرف بت اور قبر کا ہے۔ہستیاں ایک جیسی ہی ہیں۔پھر حضرت کاظمی نے وہ کونسا شرک اور کفر اختیار کر رکھا تھا جو کہ ''باذن اللہ'' اور ''عطائی'' سے رجوع کر لینے پر دور ہو گیا؟۔

آخر میں علامہ کاظمی صاحب ایک اور عجیب بات کہتے ہیں کہ:

''بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو آیات قرآنی بتوں کے بارے میں آئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔اسی طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔''

بت وسیع المعانی لفظ ہے۔پتھر اور مٹی کے بتوں کے علاوہ ہر اس چیز کو بت کہا جاتا ہے جس کی محبت اللہ تعالےٰ کی محبت میں حائل ہو۔معشوق کو بھی بت کہا جاتا ہے۔طاغوت جس کی اطاعت کی جائے وہ بھی بت کہلاتا ہے۔اللہ کے سوا فوق الاسباب پر کسی کو متصرف سمجھنا بھی اسے بت بناتا ہے۔بت دل میں بھی ہوتے ہیں اور بغل میں بھی۔غیر اللہ سے امیدیں وابستہ رکھنا بھی بت پرستی ہے۔

؎ گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
(اقبالؒ)

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے !
(اقبالؒ)

یہ علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بتوں سے مراد پتھر اور دھات کے بت یعنی خود ساختہ اور بے جان بت ہی لیا ہے جن سے وہ مرادیں مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر وغیرہ کے بتوں جن کو عربی میں اوثان (وثن کی جمع) کہا جاتا ہے کم ہی استعمال کیا ہے۔ اس کے بجائے ''الذین'' یا ''عبادی'' (وہ لوگ، انسان، بزرگ ہستیاں) کا لفظ ہی آیات قرآنی میں آیا ہے۔

اَوثان (پتھر کے بُت)

.... فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ○

(الحج: ۳۰)

(پس بچتے رہو ناپاکی سے بتوں کی اور بچتے رہو بات جھوٹی سے)

''الذّین''، ''عِبادی'' (انسانی بت)

i. .... اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط....○(الحج: ۷۳)

(تم جن لوگوں (قوتوں) کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے خواہ اس کے لئے وہ سب مل کر بھی کوشش کیوں نہ کر لیں)۔

ii. وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ○ (الاعراف: ۱۹۷)

(اور جن لوگوں کو تم (مشرکین) پکارتے ہو سوائے اس اللہ کے، وہ نہ تو استطاعت رکھتے ہیں تمھاری مدد کی اور نہ وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں)

iii. اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ط....○(الکھف: ۱۰۲)

(پس کیا سمجھ لیا ہے کافروں نے کہ وہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا کار ساز۔۔۔؟)

ان آیات میں جہاں معبودان باطلہ کے لیے اوثان، الذین اور عبادی کے الفاظ کا استعمال دکھایا

گیا ہے وہاں ان آیات سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ جن ہستیوں (نہ کہ پتھر کے بتوں) کو مشرکین مدد کے لئے پکارتے ہیں وہ خود پرکاہ کے مالک بھی نہیں اور اللہ کے سوا اس کے بندوں کو کارساز و کارکشا سمجھنا کفر ہے۔ کہاں گئی علامہ کاظمی کی عطائی، ذاتی، عارضی اور باذن اللہ کی شرطیں اور منطق؟ الحذر!

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ باما گفت پیغام خدا را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مُصطفٰےؐ را

(اقبالؒ)

(میری طرف سے صوفی اور ملا کو سلام (خدا ان سے بچائے) کہ جنھوں نے ہمیں خدا کا پیغام تو سنایا مگر ان کی اس پیغام کی تاویل نے اللہ تعالیٰ، جبرائیلؑ اور حضور نبی کریم ﷺ کو حیرت میں ڈال دیا!)

شرک و بدعت کا شکار طبقہ کی شرک فی الاختیار کے بارے میں دفاعی اختراعات اور کٹ حجتیوں کا قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب دینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں (انبیاء و اولیاء اللہ) کو واقعتہً کیا کچھ عطا کر رکھا ہے اور اس میں سے وہ خلق خدا کو کیا دیتے ہیں۔

انبیاء کرام حکمت، روحانیت، عرفان اور تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں اور تجلیات الہیٰ کا مظہر ہوتے ہیں۔ ان کے ظروف وحی الہیٰ، حکمت اور عقل بشری سے مزین ہوتے ہیں۔ وحی اور عقلِ بشری کی وضاحت کی تو ضرورت نہیں البتہ حکمت کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں۔ مفسرین نے اپنی اپنی جگہ حکمت کی بہت سی تعریفیں کر رکھی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہی قلم بند کرتے ہیں۔

حکمت

i۔ ''حکمت دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں جو فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے''۔

ii۔ ''وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے قلب میں رکھتا ہے اور اس (حکمت) سے اس کو روشن کرتا ہے''۔

iii۔ ''نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ قوت جو بشری قوت سے فوق ہے جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح اور اسرار شریعت بیان کرتا ہے''۔

قرآن میں اکثر جگہ الکتٰب والحکمۃ کے الفاظ آئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو کتاب (وحی) اور حکمت عطا فرماتا ہے۔ حکمت انبیاء کے علاوہ اللہ کے مقبول بندوں کو ہی میسر ہوتی ہے جس سے وہ حکیم الامت بن جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

اتقوا من فراسة المومن فانه ينظر بنور الله

(مومن کی فراست (تیز فہمی، سمجھ) اور زیرکی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔

انبیاء واولیاء کی حکمت وفراست تشریعی امور (اسرارِ شریعت) میں ہوتی ہے نہ کہ تکوینی امور (نظام وانصرام کائنات) میں۔ تکوینی امور صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہوتے ہیں۔ نظام کائنات کے علاوہ پیدائش، موت، زندگی، جسمانی اور عقلی استعداد، فراہمی رزق، عزت وذلت، ایمان، جزا وسزا اللہ کے اختیار اور تصرف میں ہیں۔ ان میں کسی اور کا حصہ نہیں۔ وہی بہتر جانتا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کسی کی سفارش نہیں سنتا۔ وہ خود ہی انسان پر نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ وہ ایسا رحمٰن ورحیم ہے کہ جو مانگنے پر خوش اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے۔ ہے کوئی ایسا اور؟

انبیاء کا مشن اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں اور بندوں کے آپس میں تعلقات (حقوق وفرائض) کو بمطابق وحی الٰہیٰ سمجھانا اور خود اس پر عمل کر کے دکھانا ہے۔ بندوں کے اللہ تعالیٰ سے تعلقات کو عبادت اور بندوں کے آپس میں تعلقات کو اخلاق کہا جاتا ہے۔ انبیاء عبادت واخلاق کے بلند ترین درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ بھی خلقِ خدا کو راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ دنیا اکٹھی کرنے کی نہیں۔ انبیاء واولیاء سے جو حاصل ہوسکتا ہے وہ دنیا نہیں بلکہ دین، روحانیت، حکمت اور تزکیہ نفس واطمینان قلب ہے۔ دنیا دینا خدائے لم یزل کا کام ہے۔ خدائی دردسر ہے اور بندگی دردسر نہیں دردِ جگر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بڑی حکمت کی بات کہی ہے:

خدائی اہتمام خشک وتر ہے ○ خداوندا خدائی دردسر ہے
ولیکن بندگی استغفر اللہ! ○ یہ دردسر نہیں دردِ جگر ہے

معجزات اور کرامات انبیاء واولیاء کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ معجزہ نبی کی تسلی کے لیے نہیں بلکہ امت کی تسلی کے لیے ہوتا ہے اور کرامت ولی کی اپنی تسلی کے لیے ہوتی ہے مریدین کی تسلی کے لیے نہیں۔ معجزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الانعام : ۳۷)

ترجمہ: ''اور وہ (مشرکین مکہ) کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی اس (محمد ﷺ) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ کہ دیجیے بیشک اللہ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی (معجزہ) لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے''۔

اور وہ مشرکین حارث بن عامر اور ابو جہل وغیرہ کہتے ہیں کہ ان فرمائشی نشانیوں (زمین سے چشمے جاری کرنا یا کھجور اور انگور کے باغ اگانا یا آسمان کا ان پر آگرنا وغیرہ) میں سے کوئی نشانی اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر کیوں نہیں اتاری گئی۔ کہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) اللہ ایسے فرمائشی معجزے دکھانے سے عاجز نہیں لیکن یہ مقتضائے حکمت الٰہی کے خلاف ہے جسے ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تمام انبیاء آدم کی اولاد ہیں اور جنسی طور پر تمام بشر ہیں۔ بشر اشرف المخلوقات ہے اور انبیاء کا طبقہ اس کا سردار۔ نہ یہ خدا ہیں نہ خدا کے شریک نہ مشکل کشاء نہ قادر و مختار و کارساز۔ یہ بھی اللہ کے بندے ہیں مگر خاص بندے۔ اپنی اپنی امت کے نگہبان اور داعی حق ہیں۔ جس شرک کے خلاف انھوں نے اپنی زندگیاں کھپا دیں آج اسی شرک کو توحید کا لبادہ اوڑھا رہے ہیں۔

اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری!

انبیاء و اولیاء کے بارے میں یہ باتیں ضمناً کہنا پڑ گئیں۔ بات ان سے ہم کیا حاصل کر سکتے ہیں سے چلی تھی۔ ہم ان سے دینی ہدایات، روحانیت، تقربِ الٰہی، تقویٰ اور باطنی پاکیزگی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسے فضل نہیں بلکہ فیض یا فیضان کہا جاتا ہے۔ فضل اللہ سے مخصوص ہے۔ ان اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی صحبت اور نظر کرم انسان کی روحانیت میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں۔ اس حقیقت کے بارے میں علامہ اقبال اور بزرگان دین کے تاثرات پیش کرتے ہیں۔ علامہ صاحب حضرت ابراہیمؑ کے اپنے بیٹے حضرت اسمعیلؑ پر فیضان کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

حضرت موسیٰ نے حضرت شعیبؑ کی ایک عرصہ تک بکریاں چرائی تھیں اوران کی شاگردی میں رہے۔ پھر نبوت کے عہدے پر فائز ہوئے۔اس قرآنی واقعہ کا علامہ صاحب نے کیا تاثر لیا ملاحظہ فرمائیں۔

گر کوئی شعیب آئے میّسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

فخر موجودات، فخر نوع انسانی، محبوب داور حضور نبی اکرم ﷺ کے فیضان کی کوئی حد نہیں اور نہ ہی کوئی بشر اس کو ضبط تحریر کر سکتا ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے جہالت کے بحرِ ظلمات میں غوطے کھاتی ہوئی انسانیت کو کنارامل گیا۔ رحمت خداوندی کا در کھل گیا۔ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ﷺ کی امت (امت اجابت اور امت دعوت) آسمانی عذابوں اور شکلوں کے بدلے جانے کی سزا سے بچائی گئی۔ آپ ﷺ کے اصحاب کو ''رضی اللہ عنھم ورضوعنہ'' (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) قرآنی سند افتخار سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ کے یار غار و بدر و قبر کو ''افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق'' کا خطاب دیا گیا۔ ''شاہکار رسالت'' حضرت عمرؓ کو ''فاروق اعظم''، آپ کے محبوب حضرت عثمانِ غنیؓ کو ''کامل الحیاء والایمان'' اور بازوئے رسالت ﷺ حضرت علیؓ کو ''مظہر العجائب والغرائب'' کے خطابات دیے گئے ہیں۔

فیضانِ اولیاء امت محمدیہ ﷺ بھی ایک لمبی داستان ہے۔ صرف حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری کے اس بارے میں تاثرات پیش کرتے ہیں۔ آپ نے حضرت علیؒ ہجویری (عرف داتا صاحب) کے مزار پر چلہ کشی کی اور فیض پایا۔ لکھتے ہیں:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

(آپ 'حضرت علیؒ ہجویری' فیض جہاں کے خزانے لٹانے والے اور اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے مظہر ہیں۔ آپ کے فیضان نظر سے ناواقف حال لوگ پیر کامل بن جاتے ہیں اور کاملین ہادی ورہنما بن جاتے ہیں)۔

یہاں گنج بخش سے مراد دنیا کے خزانے لٹانے والا نہیں بلکہ حکمت وہدایت وعرفان الٰہی کے خزانے بخشنے والا ہیں۔ یہ مادی نہیں بلکہ روحانی فیض ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ گو شعر کا پہلا مصرع ہی اپنی جگہ واضح

ہے لیکن اس کے دوسرے مصرع نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ روحانی اور قلبی فیض ہے نہ کہ مادی یا دنیوی۔ مادی اور دنیوی، عطا کو فضل کہا جاتا ہے فیض یا فیضان نہیں اور فضل عطائے ربانی ہے۔ حضرت علیؒ ہجویری کے بارے میں اس ولی اللہ کے شعر کو من مانے معانی پہنانا اور اس بنا پر ان کو داتا کا خطاب دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ انبیاء و اولیاء کی قبروں پر حاضر ہو کر ان کی بلندی درجات اور اپنی عاقبت کی بہتری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جانی چاہییں۔ بزرگوں کو ''عطائی''، ''عارضی'' اور ''باذن اللہ'' کی شرائط اور حدیث قدسی کی خلاف قرآن تفسیر کے سہارے دنیوی حاجات پوری کرنے پر قادر اور سمیع و بصیر قرار دینے والوں کو ان (بزرگوں) پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ شرک ایک ایسا ظلم ہے جو مخلوق مخلوق پہ ڈھاتی ہے۔ بُت چاہے ستارہ، چاند، آگ، حیوانات اور پتھر وغیرہ کے ہوں چاہے انسانی ہستیاں ان میں سے ہر ایک بارگاہ ایزدی میں عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار اس انسان سے پوچھ جس نے مجھے اِلٰہ بنایا اور میرے وہ اوصاف بیان کیے جو میرے لیے مناسب نہ تھے لہٰذا اس (انسان) نے مجھ پر جو ظلم (ارتکاب شرک) کیا ہے اس کے بدلے میں اسے سزا دے۔ اللہ اس ظلم کی وجہ سے اسے (مشرک کو) سزا دے گا۔ البتہ شرک و بدعت کی تعلیم دینے والے پیروں، ملنگوں جن کی وفات کے بعد لوگ انہیں مشکل کُشا اور بگڑی بنانے والے تسلیم کرتے ہوئے انکے مزاروں کا طواف کریں گے اور ان سے مرادیں مانگیں گے کو بھی ان (مشرکوں) کے ساتھ دھر لیا جائے گا۔ قرآن میں سورہ الاحقاف: ۵، ۶ میں اللہ تعالےٰ نے اس بارے فرمایا ہے:

(چونکہ یہ آیات پیچھے نقل کی جا چکی ہیں لہٰذا ان کا اردو ترجمہ ہی پیش کرتے ہیں)

ترجمہ: ''اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (شخص) سے جو پکارتا ہے سوائے اللہ کے ایسوں (اہل قبور بزرگان) کو جو جواب تک نہ دے سکیں اس کو روز قیامت تک اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں O اور جب جمع کیے جائیں گے (روزِ آخرت) تو وہ (اہل قبور) ہونگے ان کے دشمن اور ہوں گے ان کی عبادت (پکار) کے مُنکر''۔

بزرگان دین کی اپنی تعلیمات بھی ہمیں اس طرح کے شرک سے روکتی ہیں لہذا یہاں ضروری ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ جیلانی اور دیگر بزرگان دین کے اس بارے میں خیالات سے بھی آگاہ کرتے چلیں۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات!

شیخ عبدالقادرؒ جیلانی بارگاہ ایزدی میں یوں عرض پرداز ہیں:

i۔ اے جملہ بیکسانِ عالم راکس
یک جو لطفت عالم را بس
من بے کسم و کسے ندارم جز تو
للہ بفریاد من بے کس رس

(اے دنیاو جہاں کے بے چارہ و بے کس لوگوں کا سہارا تیری مہربانی کی مقدار اگر جو کے برابر بھی ہوتو سارے جہاں کے لیے کافی ہے۔ میں بے یارو مددگار ہوں اور تیرے سوا میرا کوئی چارہ ساز نہیں ہے۔ اے اللہ! اپنی ذات وصفات کے طفیل مجھ بے کس کی فریاد کو پہنچ)

ii۔ یَستَغِیثُ باللّٰہ عَزَّوَجُلَّ (غوث صرف اللہ عزت وجلال والا ہے)۔۔۔(غنیۃ الطالبین)

امام ربانی حضرت مجدد الفؒ ثانی لکھتے ہیں:

iii۔ ا۔ ترجمہ از فارسی: ''بیماریوں اور تکلیفوں کے وقت بتوں اور شیطانی طاقتوں سے مدد مانگنا جو مسلمانوں میں آچکا ہے بالکل واضح شرک اور گمراہی ہے اور گھڑے ہوئے پتھروں (بتوں) اور نہ گھڑے ہوئے پتھروں (قبروں) سے حاجتیں مانگنا بالکل کفر ہے اور واجب الوجود رب برتر و پاک کا انکار ہے''۔

ب۔ ''جو بکروں وغیرہ سے بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور انہیں ان بزرگوں کے مزارات پر لے جا کر ذبح کرتے ہیں روایات فقہ میں اس عمل کو داخل شرک قرار دیا گیا ہے''۔ (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب نمبر ۴۱)

iv۔ حضرت علیؒ ہجویری لکھتے ہیں:

(ترجمہ از فارسی) ''جس کو خدا کی راہ کا پتہ ہے وہ مخلوق کی راہ نہیں دیکھتا۔ مخلوق سے حاجتیں طلب کرنا خدا کی معرفت سے دوری کا نشان ہے۔ بندہ کو اگر علم ہے کہ اللہ تعالےٰ قَاضِیُ الحَاجَات ہے تو اپنے جیسی مخلوق سے کیوں سوال کرے۔ کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مانگنا ایسا ہے جیسا قیدی کا قیدی سے مانگنا''۔

(کشف المحجوب، ص ۹۸)

v۔ احناف کی مشہور کتاب ''فتاویٰ البزازیہ'' میں لکھا ہے:

''جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بزرگانِ دین اور مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے بارے علم رکھتی ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے''۔

vi۔ پیر مہرؒ علی شاہ گولڑوی کا ارشاد ہے:

ترجمہ از فارسی: ''اگر کوئی شخص قبورِ صالحین کے سامنے سجدہ یا ان کے گرد طواف یا اہل قبور کو یہ الفاظ کہہ کر پکارتا ہے کہ تو میرا فلاں کام کر دے تو اس کا یہ عمل یقیناً بت پرستوں کے مشابہ ہوگا۔''

vii۔ مولانا الطاف حسین حالی نے مسلمان مشرکین کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ ان کی مشرکانہ عادتوں کی صحیح تصویر کشی کی ہے۔ ان کی اس بارے نظم پیش خدمت ہے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی ﷺ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی ﷺ سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(حالیؒ)

سید نصیر الدین شاہ صاحب، گولڑوی نے سورۃ الاعراف

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○(الاعراف: ۱۹۴)

ترجمہ: ''بیشک جن لوگوں (بزرگ ہستیوں) کو تم پکارتے ہو سوا اللہ کے وہ بندے ہیں (تمہاری طرح خدا کے)۔ پس بلاؤ انھیں اپنی احتیاجوں میں مدد کے لیے پھر دیکھو وہ تمہاری احتیاج کو پورا کرتے ہیں اگر تم ہو سچے (اپنے دعویٰ میں) کے تحت درج ذیل رباعی کہی جس پر اہل شرک و بدعت نے شور مچایا۔ اس حملے کا جواب انھوں نے اپنے ایک مضمون ''اعلان حق'' میں دیا اور معترضین کا منہ بند کیا۔'' ان کی رباعی ملاحظہ کیجیے:

اصلی داتا سے مانگ

رزّاق جہاں رب تعالیٰ وہ ہے
جوّادوغنی بر تر و بالا وہ ہے
کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے
اللہ سے مانگ دینے والا وہ ہے

(رنگِ نظام، ص۴۴)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زارو زبوں
ہو گیا پختہ عقاید سے تہی جس کا ضمیر

ان خدا سازوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ رائے قائم کر رکھی ہے کہ آپ ''قاسم رزق'' ہیں۔اس بارے میں بھی کچھ کہنا نہایت ضروری ہے۔یہ شرک فی الاختیار کی ایک صورت ہے۔

۴۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو قاسم رزق تسلیم کرنا

حضور سرورکونین ﷺ کی حدیث ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی ''(میں صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے) سے کچھ لوگ یہ اخذ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قاسم رزق ہیں لہٰذا آپ سے رزق مانگا جائے تو کوئی حرج نہیں۔علمائے کرام حدیث بالا کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ کلمات حضور نبی کریم ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب غزوہ حنین کے مال غنیمت پر انصار و مہاجرین جھپٹ پڑے اور یہ بات آپ ﷺ کو ناگوار گزری۔آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کا کافی حصہ تو مدمقابل قبائل کو واپس کر دیا اور باقی کا مکہ کے نومسلم مجاہدین وغیرہ کو تقسیم کر دیا۔اس عنایت کا اثر اہل مکہ پر بہت اچھا اثر پڑا۔

مال غنیمت مجاہدین اسلام کو دیا جاتا ہے۔حضور ﷺ کو صرف ایک خمس یعنی پانچویں حصے پر تصرف حاصل تھا۔اس تصرف کے معنی یہ ہیں کہ اس حصہ سے حضور ﷺ اپنے اہل بیت کے علاوہ ان نادار اور محتاج مسلمانوں کو دیا کرتے تھے جن کو جنگی قواعد کی رو سے مال غنیمت سے کچھ نہیں مل سکتا تھا۔اسی طرح لڑائی کے بغیر جو علاقہ (مال فے) اسلامی حکومت کے تصرف میں آتا تھا وہ گو حضورؐ کے تصرف میں براہ راست آجاتا تھا لیکن اس تصرف کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ اس کی آمدنی اپنی صوابدید پر اپنی خانگی ضروریات پر خرچ

کرنے کے بعد باقی سب کچھ بیت المال میں جمع کروادیتے تھے۔اس لحاظ سے آپ ﷺ خازن (خزانچی) تھے۔اس بارے میں حضور ﷺ کاارشاد ہے:

"قال ما اوتیکم من شی وما امنعکم ان انا الا خازن اصنع حیث ما امرت"

(فرمایا (حضور نبی کریمؐ نے) میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں، نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں۔جس جگہ پر صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں)۔(ابوداؤد، جلد۲،ص۱۵، کتاب الخراج والامارۃ)

درج بالا حدیث سے زیر بحث حدیث کی صحیح وضاحت ہوگئی کہ آپ ﷺ کس چیز کے قاسم تھے یعنی مال غنیمت کے اور خزانچی شاہی خزانے کے۔اب رزق کے بارے میں پہلے قرآنی آیات پیش کرتے ہیں پھر احادیث مبارکہ۔

القرآن

i. اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُط اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًام بَصِیْرًا O (بنی اسرائیل: ۳۰)

ترجمہ: "بلاشک آپ ﷺ کا رب ہی فراخ کرتا ہے روزی جس کی چاہے اور کم کرتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے"۔

جب اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے رزق میں فراخی اور کمی کرتا ہے تو دوسرا کون ہے جو اپنی مرضی سے خلق خدا میں رزق بانٹے۔اگر رزق اللہ تعالیٰ دے اور تقسیم کوئی اور کرے تو کیا یہ چوں چوں کا مربہ نہیں بن جائے گا۔ بندوں کو پھر رزق اسی سے مانگنا چاہیے جو اسے تقسیم کرے نہ کہ اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی ذات ہے۔ تقسیم رزق کے فوق الاسباب ذرائع اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں کسی اور کے نہیں۔اللہ کیسے اپنی مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے کسی کی عقل میں نہیں آسکتا۔

ii. اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ ....O

(الملک: ۲۱)

ترجمہ: "بھلا کون ایسا ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ (اللہ) روک لے اپنی روزی

(رزق)۔۔۔؟''

iii. وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ○ (هود : ٦)

ترجمہ: ''اور نہیں کوئی چلنے والا جانور زمین میں مگر اللہ ہی پر ہے اس کا رزق اور وہ جانتا ہے اس کا ٹھکانا اور جہاں مر کر دفن کیا جائے گا سب کچھ موجود ہے کتاب واضح (لوح محفوظ) میں''

iv. یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ○ (فاطر : ٣)

ترجمہ: ''اے لوگو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر۔ کیا کوئی اور خالق ہے سوائے اللہ کے جو رزق دیتا ہے تم کو آسمانوں اور زمین سے؟ کوئی معبود نہیں سوائے اس (اللہ) کے۔ پس تم کہاں بہکائے جا رہے ہو''

الحدیث:

حدیث قدسی ہے جو بڑی لمبی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار حاجات کو قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا اس میں سے صرف چند ایک کا ذکر ہی کریں گے۔

i۔ ''۔۔۔اے میرے بندو! تم تمام بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں۔ مجھ سے کھانا (رزق) مانگو میں تم کو کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم ننگے ہو مگر جس کو میں نے پہننے کو دیا۔ مجھ سے لباس مانگو، میں تم کو پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات خطا کار ہو، میں بخشتا ہوں۔ تم مجھ سے بخشش مانگو، میں تم کو بخشوں گا۔۔۔۔''

(راوی ابوذرؓ، مسلم۔ مشکوٰۃ: ۲۲۱۸)

ii۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص استغفار کو لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا فرماتا ہے اور ہر غم سے خلاصی فرماتا ہے اور جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا روزی (رزق

)دیتا ہے''۔(ابوداؤد،ابن ماجہ،مشکوٰۃ:۲۲۳۰)

اگر روزی بدانش بَر فزودے
زِناداں تنگ تر روزی نبودے
بہ ناداں آنچناں روزی رساند
کہ دانا اندر آں حیراں بماند

(اگر روزی عقل ودانائی سے بڑھتی تو نادان سے زیادہ کوئی محروم رزق نہ ہوتا۔اللہ تعالیٰ نادان (کم عقل) کواس طریقہ سے روزی دیتا ہے کہ اس پر دانا (عقلمند) حیران رہ جاتا ہے)

iii۔ حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ہر بندے کی پانچ باتوں سے فارغ ہو چکا۔اس کی موت سے،اس کے عمل سے،اس کے رہنے کی جگہ سے،اسکے پھرنے کی جگہ سے اور اس کے رزق سے۔''(مسند احمد،مشکوٰۃ:۱۰۵،جلداول)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی موت،اس کے اعمال،اس کے رہنے کی جگہ،اس کے ادھرادھر پھرنے کی جگہیں اوراس کا رزق مقدر کردیا ہے۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔غیر اللہ سے رزق مانگنا اور یہ توقع کرنا کہ وہ منہ مانگا رزق عطا کردے گا نہ صرف جہالت ہے بلکہ تقدیر الٰہی کا انکار بھی ہوگا اور تقدیر کا منکر مرتد ہوجاتا ہے۔

iv۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

''یا اللہ! اپنے رزق کو مجھ پر وسیع فرما دیجیے، میرے بڑھاپے اور آخری عمر میں۔''(اخرجہ الطبرانی)

v۔ حضرت اُمّ المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نماز فجر کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

''یااللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں حلال رزق کا،علم نافع کا اور عمل مقبول کا''۔

(المستغفری)

☆ جو ذات اللہ تعالیٰ سے فراخی رزق اور رزق حلال کا سوال کرتی ہو وہ کس بنا پر قاسم رزق کہلا سکتی ہے!

vi. ''اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک و اغنی بفضلک عمن سواک''

(اے اللہ! مجھے اپنا حلال رزق دے کر حرام روزی سے بچالے اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کردے) (عن علیؓ)

vii۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

"۔۔۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ نے رزق تقسیم کر دیا ہے اور اندازہ کرلیا ہے۔ نہ کوئی بند کرنے والا اس کو بند کرسکتا ہے نہ روکنے والا روک سکتا ہے۔ زاید رزق کم نہیں ہوسکتا اور کم زیادہ نہیں ہوتا۔ نہ آرام دکھ میں تبدیل ہوسکتا ہے، نہ دکھ آرام میں۔ کل کو ملنے والا رزق آج نہیں کھایا جاسکتا۔ زید کا حصہ عمر کو نہیں مل سکتا۔ اللہ حرام رزق بھی دیتا ہے اور حلال بھی۔۔۔۔" (غنیۃ الطالبین: ص ۹۸)

درج بالا قرآنی آیات، احادیث نبوی ﷺ اور شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کے رزق کے بارے میں عقاید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر جاندار کو رزق بہم پہنچانے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے ہر جاندار کا رزق مقدر کر دیا ہے جو کسی طور نہ کم ہوسکتا ہے نہ زیادہ۔ رزق بھی وہ دیتا ہے اور بانٹتا بھی وہی ہے۔ رزق بانٹنے میں وہ نبیوں، ولیوں کا محتاج نہیں۔ سارے وسائل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو خود بھوکے ہوں وہ دوسروں کو کیا تقسیم کرسکتے ہیں؟

کائنات ﷺ کو نہ صرف تقسیم رزق بلکہ دیگر تمام عنایات الٰہی بھی اپنی مرضی سے تمام مخلوقات میں تقسیم کرنے کا اعزاز دیتے ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

؎ رب ہے معطی یہ ہیں قاسم
دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

اس شعر میں رب ذوالجلال عطا کرنے والا اور حضور ﷺ تقسیم کرنے والے قرار پاتے ہیں۔ تقسیم میں صرف رزق ہی نہیں بلکہ ہر عطاء الٰہی شامل ہے۔ پھر دیتا تو اللہ ہی ہے مگر اس کا مصرف حضور نبی کریم ہی جانتے ہیں۔ خدا کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ آپ ﷺ جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں، جسے چاہیں بہت کچھ دیں جسے چاہیں تھوڑا دیں اللہ اس کا پابند ہے۔ جو ذات خود اللہ تعالیٰ سے مانگے وہ دوسروں کو کیا دے سکتی ہے۔ اس بارے منقولہ بالا احادیث نبوی ﷺ پڑھ کر دیکھ لیں۔ نبی کریم ﷺ کا حیا کریں۔ اپنے فرمودات (لغویات) کو نبی مکرم کے فرمودات پر ترجیح دینے والوں کا حشر کسی سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ الحذر! الحذر!

اب شرک فی االاختیار کی اگلی صورت ''اللہ کے ہاں قبولیت دعا کے لیے وسیلے کا حصول'' مراد لیتے ہیں۔

۵۔ اللہ کے ہاں قبولیت دُعا کے لیے وسیلہ حاصل کرنا

وسیلہ:

i۔ وسیلہ سے مراد وہ عمل ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکے اور اس تک پہنچا جا سکے۔

ii۔ قبولیت دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کو اس کی پیاری چیزوں (اذکار و اعمال) کا واسطہ دینا یا بزرگ ہستیوں کا واسطہ دینا۔

iii۔ وسیلہ ایک اعزاز بھی ہے (مقام شفاعت، جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ اذان کے بعد مانگی جانے والی دعا میں اس کا ذکر آتا ہے)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ''وسیلہ اللہ کا قرب ہے جو اس کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے''۔ (ابن کثیرؒ) یہ قرب ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ اور ان نفلی اعمال سے حاصل ہوتا ہے جو شریعت اور سنت مطہرہ سے ثابت ہوں۔ جیسے نفلی روزے، نفلی نمازیں، عمرہ اور دوسرے رفاہی اور فلاحی اعمال۔

قبولیت دعا کے احسن وسائل:

قبولیت دعا کے لیے حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور اولیاء اللہ نے جن وسائل کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ایمان کا وسیلہ:

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ

(آلِ عمران : ۱۶)

ترجمہ: ''وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں، سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے''

۲۔ نماز کا وسیلہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس مومن مرد یا عورت کو کوئی حاجت پیش آئے اسے چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے اور نماز پڑھ کر اپنے رب سے دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا''۔ (ترمذی)

۳۔ صبر و توکل کا وسیلہ:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط O (البقرہ : ۴۵)

ترجمہ: ''مدد لو (اللہ سے) صبر اور نماز سے۔''

۴۔ روزہ کا وسیلہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمیوں کی دعائیں رد نہیں جاتیں۔ i۔ روزہ دار کی دعا جب تک وہ روزہ افطار نہ کرے۔ ii۔ امام عادل۔ iii۔ مظلوم''۔ (ترمذی)

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(مظلوموں کی آہ سے ڈر کہ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی قبولیت اس کا استقبال کرتی ہے)۔

۵۔ دُعا کا وسیلہ:

صدق دل سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ O (المومن : ۶۰)

ترجمہ: ''تم مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا''۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

''کوئی مسلمان جب دردمندی کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی دعا قبول فرماتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ یا تو دنیا میں اسکا فوری صلہ دیتا ہے یا اسے روک لیتا ہے اور اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیتا ہے یا کسی آفت کو جو اس پر آنے والی ہوتی ہے ٹال دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی تب تو ہم بہت زیادہ دعائیں مانگا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا مانگو گے اللہ اس سے کہیں زیادہ دینے والا ہے''۔

(مسند احمد)

۶۔ اپنے مومن بھائی کی دعا کا وسیلہ:

جب کوئی مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے اس کے سامنے یا پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو اللہ قبول فرماتا ہے۔ صحابہ کرام حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنٰی کا وسیلہ:

آقائے نامدار ﷺ اپنی دعاؤں کے شروع میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنٰی اور صفات عالیہ کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

ا۔ ''میں تجھ سے تیرے ہر نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں''۔ (سنن ترمذی، حسن صحیح)

ب۔ ''یَا حَیّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ استَغِیث'' (ترمذی)

(اے زندہ و قیوم ہستی میں تیری رحمت کے وسیلہ سے مدد کا طلب گار ہوں)

۸۔ نیک کاموں کا وسیلہ

اپنے غیر معمولی نیک کاموں کو دعا میں بطور وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ غار میں پھنسے ہوئے تین آدمیوں کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ تین آدمیوں نے ایک رات غار میں پناہ لی۔ اتفاق سے ایک چٹان سرک کر غار کے منہ پر آ گئی اور راستہ بند ہو گیا۔ کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر کار ان میں سے ایک شخص نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو، دوسرے نے ایک مزدور کے حق کی حفاظت جیسے عمل کو بطور وسیلہ پیش

کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور تیسرے نے اللہ کے خوف کے سبب باوجود زنا کی قدرت رکھنے کے زنا سے باز رہنے کے عمل کو بطور وسیلہ پیش کر کے دعا کی کہ اے اللہ! اگر ہم نے یہ اعمال خالص تیری رضا کے لئے کئے تھے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ پہلے کی دعا پر چٹان تھوڑی سی ہٹی اور روشنی دکھائی دینے لگی۔ دوسرے کی دعا پر کچھ رستہ نکلا اور تیسرے کی دعا پر غار کا منہ مکمل طور پر کھل گیا اور وہ باہر نکلے۔ (بخاری و مسلم)

۹۔ والدین کی دعا کا وسیلہ

''ماں کی دعا جنت کی ہوا'' سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ باپ کی دُعا/ بددعا کے بارے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''دعا کی قبولیت میں ستر (۷۰) پردے حائل ہوتے ہیں مگر دو کلمے ایسے ہیں جن کی اللہ کے ہاں قبولیت میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ وہ ہیں استغفار، اور باپ کی دعا/ بددعا۔ ان کی قبولیت میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

۱۰۔ غربا، یتماء، مساکین، معذورین اور مسافروں کی دعائیں

اے خانقاہوں، مزاروں اور درگاہوں کے فقیرا گر تو نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت سے جھولیاں بھرنی ہیں تو مذکورہ انسانوں کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لے پھر دیکھ تیری معقول دعائیں قبول ہوتی ہیں کہ نہیں۔ کیوں بھٹکتا پھر رہا ہے۔؟

حدیث مُبارک

''تمھاری مدد اور تمھارے رزق کا سبب صرف تمہارے کمزور بھائی ہیں''۔ (بخاری)

قبولیت دعا کے لیے جن حلال وسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق ایمان، نماز، روزہ، صبر و توکل ،مومن بھائی کی دعا، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور غیر معمولی نیک کام، صدق دل سے دُعا، والدین، غرباء ،مساکین اور معذورین کی دعائیں ہیں۔ ان کے علاوہ اور وسائل کی ہرگز اجازت نہیں۔

قبولیت دُعا کے لیے حرام وسائل:

شرک و بدعت کا شکار طبقہ جہاں قبولیت دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو اپنا سفارشی مان کر انکی قبروں پر آہ و فریاد کرتا ہے وہاں اپنی دعاؤں میں ان کے ناموں کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے شرف قبولیت کی امیدیں

باندھتا ہے۔ سفارش (شفاعتِ دنیوی) اور وسیلہ میں نمایاں فرق ہے۔ قبولیت دعا کے حرام وسائل کی تردید میں علماء کرام سفارش سے متعلقہ قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جو کہ نا مناسب ہے۔ سفارش میں ایک تیسرا فریق (مرحوم بزرگ ہستی) بھی شامل ہوتا ہے جو ان حضرات کے بقول اللہ کے ہاں ان کی سفارش کرتا ہے جبکہ وسیلہ میں اس ہستی کے صرف نام کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ جیسے یا اللہ فلاں بزرگ کے طفیل میرا یہ کام کردے۔ سفارش اور کسی غیر اللہ کے نام کا وسیلہ دونوں حرام ہیں۔ وسیلہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی چھوٹی ذات کو اس سے بڑی ذات کا واسطہ دیا جاتا ہے نہ کہ بڑی کو چھوٹی ذات کا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں خدا کے واسطے معاف کردیں۔ یا عمرؓ ہمیں اپنے نبی ﷺ کے واسطے معاف کردیں، اے فلاں (مرید) مجھے اپنے مرشد کے واسطے یہ کچھ دے دیں، اے بیٹا تجھے تیرے نیک دل باپ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ یہ واسطے اصولاً جائز ہیں اور ان کی قدر کی جاتی ہے۔ درج بالا قبولیت دعا کے لیے جن حلال وسائل کی فہرست دی گئی ہے ان میں عبادات، صبر و توکل اور نیک اعمال کے بعد جب ذات کی بات آئی ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی اور صفاتِ عالیہ کو اپنی دعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ دوسری طرف جو بڑوں کو چھوٹوں کا وسیلہ دیا جاتا ہے وہ انتہائی نا معقول ہے۔ ناجائز ہونا تو درکنار لفظ وسیلہ کے متبادل جن الفاظ کو ہمارے شرک و بدعت کا شکار احباب استعمال میں لاتے ہیں وہ ہیں بحق، بطفیل، بصدقہ، بواسطہ وغیرہ۔

اس طرح کے نامعقول وسیلوں کا جواز اور افادیت یہ حضرات ایک روایت سے اخذ کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ جنت سے نکالے جانے اور زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے اتارے جانے کے بعد جب ان توبہ قبول نہیں ہو رہی تھی تو ایک دن انہوں نے عرش معلیٰ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ ہوا دیکھا اور قیاس کیا کہ محمد کوئی ہستی ہے جو اللہ کی محبوب ہے لہٰذا اس ہستی کا واسطہ دے کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے واسطہ کو بہت پسند فرمایا اور آدم کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کے ساتھ وہ ایک وجہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور کا نور جو آدمؑ کی پشت میں تھا اس دوران وہ آدمؑ کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں آگیا اور حضرت آدمؑ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ وہ ان کی غلطی معاف کردیں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو معاف فرما دیا۔ یہ دونوں داستانیں من گھڑت ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی اس پریشان حالی میں ان کو اللہ تعالیٰ نے چند دعائیہ کلمات القا کیے جن کے ذریعہ وہ توبہ و استغفار کرتے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بھی رجوع بمغفرت کیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔

اس بارے میں قرآن مجید سے رجوع کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ○

(البقرہ : ۳۷)

ترجمہ: ''پھر سیکھ لیے آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات، سوتوبہ قبول کی اللہ نے اس کی۔ بیشک وہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا''۔

وہ دعائیہ کلمات یہ تھے:

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا ۟ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ○ (الاعراف: ۲۳)

ترجمہ: ''دونوں بولے اے رب ہمارے! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور ہو جائیں گے خسارہ اٹھانے والوں میں سے''۔

البتہ خدائے ذوالجلال نے خود بندوں کا ایک حق اپنے اوپر لیا ہے۔حدیث نبوی ﷺ کے مطابق روز حساب حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے۔

''اے اللہ! تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کو بخش دے''۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ نہ تیرے لیے ہے نہ کسی اور کے لیے۔اپنی حرمت، عظمت اور رحمت کی قسم میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے کسی قائل کو آگ میں نہیں چھوڑوں گا''

حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر وہ مشرک نہ ہوں تو ان کو عذاب جہنم سے بچالے۔''

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو صدق دل سے۔حدیث منقولہ میں بھی یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلمہ گو کو جہنم میں ہمیشہ نہیں رکھے گا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرتا ہو۔

وسیلہ کی ایک ممنوع شکل یہ بھی ہے کہ مرید اپنے پیروں سے یہ امیدیں رکھتے ہیں کہ ان کے طفیل ان کی دنیاوی مرادیں بھی پوری ہوتی رہیں گی اور آخرت میں بھی وہ سرخرو ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ وہ اپنے پیروں سے محبت اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اسے پیر پرستی کہا جاتا ہے۔ اس طرح سے یہ عزت نفس بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ ان کی شناخت صرف ان کے پیر ہوتے ہیں اعمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ غیر اللہ سے محبت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ....O (البقرہ : ۱۶۵)

ترجمہ: ''اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں غیر اللہ کو اُس (اللہ) کے شریک، محبت رکھتے ہیں ان سے محبت اللہ کی سی اور جو ایمان والے ہیں وہ تو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے رکھتے ہیں۔۔۔۔''

آیت کے آخری حصہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ سے جو محبت کرتے ہیں وہ انبیاء و اولیا و ملائکہ و صلحا و علماء یا اپنے آباؤ اجداد اور اولاد و مال وغیرہ کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کو محبت میں برابر کر دینا مشرکین کا کام ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی!

(اگر تو مراتب کا تحفظ نہیں کرتا تو تو زندیق (جو دین اسلام میں خرابی پیدا کرے) ہے)۔

اللہ جل شانہ انبیاء کرام، حضور ﷺ نبی کریم، اصحابؓ رسول ﷺ، امامین، اولیاء کرام، قرآن و احادیث نبوی ﷺ، روایات، فرائض، نوافل واجبات، خونی اور معاشرتی رشتوں وغیرہ کو اپنی اپنی جگہ صحیح مقام دینے اور اس لحاظ سے ان سے سلوک کرنے کا نام اسلام ہے۔ ان میں سے بڑے کو چھوٹا اور چھوٹے کو بڑا، لازمی کو اختیاری اور اختیاری کو لازمی اور اپنے کو بیگانہ اور بیگانے کو اپنا بنا دینے سے رحمانی نہیں شیطانی معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ جب تمیز ختم ہو جائے تو انسان بدتمیز ہو جاتا ہے۔ انجام ظاہر ہے۔

ترسم کہ نہ رسی بہ مکہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

(اے اعرابی (بدو)! مجھے خدشہ ہے کہ تو مکہ نہیں پہنچ پائے گا کیونکہ جس راہ پر تو جا رہا ہے یہ تو ترکستان کو جاتی ہے)

باب پنجم۔ شرک فی الحقوق

''شرک فی الحقوق اللہ'' شرک اکبر کی چوتھی قسم ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ ذات میں یکتا، صفات میں یکتا اور قدرت واختیار میں یکتا ہے اسی طرح حقوق میں بھی یکتا ہے۔شرک اکبر کی پہلی تینوں اقسام اعتقادی ہیں گرچہ شرک فی الاختیار کے تحت کچھ چیزیں عملی بھی ہیں جیسے قبروں پر کھڑے ہوکر بزرگوں کو مدد کے لیے پکارنا اور دعا میں اللہ کے ہاں ان کو اپنا سفارشی بنانا اور ان کا وسیلہ پکڑنا وغیرہ جبکہ شرک فی الحقوق اعتقادی اور بالفعل دونوں طرح سے ہے۔شرک فی الاختیار کی عملی صورتیں شرک فی الحقوق کے دائرہ میں آجاتی ہیں۔ اس نسبت سے خیال تھا کہ ان دونوں کو ایک ہی عنوان کے تحت لایا جائے مگر بات نہیں بنتی تھی۔شرک کی یہ صورت سب سے بدترین ہے لیکن علماء ومفسرین نے اس پر بہت کم روشنی ڈالی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور زمین میں اپنا نائب وخلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔اس بارے اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی جملہ ارواح سے پہلے یہ اقرار لیا کہ وہ ان کا رب ہے''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى'' 'کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ وہ بولے کیوں نہیں، ہم شہادت دیتے ہیں''۔اس کے بعد زمینی خلافت ونیابت کا بار اٹھانے کے لیے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کا ذمہ اٹھانے سے ڈر گئے۔آخر کار اس بار امانت کو اٹھانے کا ذمہ انسان نے اٹھالیا۔فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ انسان زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون خرابہ کرے گا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔چنانچہ ایک طرف جنوں (شیاطین) نے راندہ درگاہ اور رسوا ہونے کا بدلہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے شاہکار (انسان) کو ذلیل وگمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا دوسری طرف فرشتے بھی اس کا تماشہ دیکھنے لگے اور یہ درج بالا داستان آہو کو قرآنی الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O (الاحزاب : ۷۲)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے پیش کی امانت (ادراک حقائق عالم) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انھوں نے انکار کر دیا اس کا ذمہ اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور ذمہ اٹھالیا اس کا انسان نے۔ بیشک تھا وہ بڑا ظالم، بڑا بدھو''۔

☆ یہ امانت، ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ ایمان کے اس بیج کو ضائع نہ ہونے دے۔ امانت کا مطلب ہے پرائی چیز سنبھال کر رکھنا اپنی خواہش کو روک کر۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان بار امانت (خلیفۃ اللہ فی الارض) نہ اٹھا سکا تو قرعہ فال مجھ دیوانے کے سر آیا)
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔

خلافت ارضی انسان کو دیے جانے پر فرشتوں نے پیچ کھائے اور اللہ تعالیٰ سے کہا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ O

(البقرہ : ۳۰)

ترجمہ: ''اور جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب، تو کہنے لگے فرشتے کیا تو بنائے گا نائب اس میں اس کو جو فساد مچائے گا اس میں اور گرائے گا خون؟ اور ہم تسبیح پڑھتے رہتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تقدیس کرتے ہیں تیری۔ فرمایا (اللہ نے) میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

جو بھی ہوا، جیسے ہوا اللہ تعالیٰ نے بار امانت کا امین حضرت انسان کو ٹھہرایا۔ اس انتخاب کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہے اور اس کے احکامات کی پیروی میں دنیوی زندگی بسر کرے۔ شیطانی چالوں اور

خواہشات نفسانی کی پیروی سے اپنے آپ کو بچائے۔ بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کی کرے اور ہر حال میں اس کا شکر بجالائے۔ اس اطاعت و بندگی کا صلہ جو رب تعالیٰ دے گا اس کو اس نے انسان پر واضح کر دیا ہے اور جو سزا اس ذمہ داری اور عہد کو توڑنے کی اسے دی جائے گی وہ بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ امانت کا مطلب ہے پرائی چیز رکھنا اپنی خواہش کو روک کر۔ اور جو لوگ ایفائے عہد نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات سے کام لے کر حاکمانہ تصرفات کرتے ہیں ان کو سخت وعید سنائی ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام : ۱۶۵)

ترجمہ: ''اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں اور بلند کر دیے ہیں تم میں درجے ایک کے ایک پر تا کہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں، تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔''

خلافتِ ارضی سنبھالنے پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق بنی آدم پر عاید کیے ہیں اب ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

حقوق اللہ

جس بارِ امانت کو اٹھانے کے لیے انسان نے اپنے کو پیش کیا اس کے تحت اس پر سب سے اول ذمہ داری یہ عاید ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات احد پر ایمان لائے، انبیاء اور ان پر نازل کردہ کتابوں، فرشتوں، اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ اسے ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ جو چیز دکھائی دے اس پر ایمان نہیں لایا جاتا کیونکہ وہ تو چشم دید حقیقت ہوتی ہے۔ ایمان غیبی چیز پر یقین کرنے کا نام ہے۔

۱۔ ایمان باللہ

i. اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ۝ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ

وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○(البقرہ :۳۔۵)

ترجمہ:''جولوگ ایمان لاتے ہیں غیب پراور قائم رکھتے ہیں نماز کواوراس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں○اور جوایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر جو اتارا گیا آپ ﷺ پر اور جو (سابقہ کتب سماوی) اتارا گیا آپ ﷺ سے پہلے (نبیوں پر) اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں○ یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی ہیں پورے کامیاب''

ii. .... اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ط وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ○(البقرہ : ۱۲۱)

ترجمہ:''وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو انکار کرتے ہیں سو وہی لوگ ہیں خسارہ اٹھانے والے۔''

iii. ....ذٰلِکَ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ....○(البقرہ : ۲۳۲)

ترجمہ:''یہ نصیحت اس کو جاتی ہے جو تم میں ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور روز آخرت پر''

ایمان لانے کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرض تسلیم کرے۔اسی کو مالک و خالق و رازق اور شہنشاہ مانے۔کسی طاغوت سے ہرگز نہ ڈرے۔اسی کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کے احکامات کی پیروی کرے۔کسی غیر اللہ کی اطاعت نہ کرے۔حکم اسی کا۔اس بارے قرآنی ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

۲۔ بادشاہت، حکمرانی اللہ کی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

i. فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ○ (یٰسٓ: ۸۳)

ترجمہ:''پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

ii. ....بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ...O (البقرہ : ۱۱۶)

ترجمہ: ''۔۔۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔۔۔''

iii. قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O

(آل عمران : ۲۶)

ترجمہ: ''کہو کہ اے خدا بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

iv. ....قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ...O (آل عمران : ۱۵۴)

ترجمہ: ''۔۔۔تم کہ دو کہ بیشک سب امور خدا ہی کے اختیار میں ہیں۔۔۔''

v. ....لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ م بَعْدُ ط ... O(الروم : ۴)

ترجمہ: ''۔۔۔پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے۔۔۔''

vi. اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ O (البقرہ : ۱۰۷)

ترجمہ: ''کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور نہیں تمھارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار''۔

اللہ تعالیٰ مالک ہے مخلوقات مملوک، اللہ تعالیٰ حاکم ہے مخلوقات محکوم، اللہ تعالیٰ آمر ہے مخلوقات مامور۔ ساری کائنات میں حکم اسی کا چلتا ہے۔ اس میں کوئی اور مخل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے آغاز ہی میں اپنی جس تعریف سے انسان کو متعارف کرایا ہے وہ ہے ''رَبُّ الْعَالَمِین'' اور اہل ایمان سے اس کا اقرار لیا ہے۔ رب بہت وسیع المعانی لفظ ہے اس کے معانی ہیں خالق، مالک، رازق پروردگار اور شہنشاہ کے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانے صفاتی ناموں میں رب کا لفظ نہیں آتا۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ (صفت

) رب ان ننانوے صفاتِ الٰہی میں سے بہت سی صفات پر حاوی ہے۔ اس کے اندراج سے دیگر بہت سی صفات نکالنا پڑتی ہیں اور ننانوے نام پورے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور ربوبیت والوہیت کو تسلیم کرنا مخلوق پر اس کا سب سے بڑا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات وقوانین میں کسی غیر اللہ کو شریک سمجھنا سب سے بڑا شرک (ناانصافی) ہے۔ تصوراتی بتوں اور بزرگ ہستیوں کو رب اور خدائی تصرفات کا حامل قرار دینا (باذنِ اللہ کی اتھارٹی کے تحت) کیا اللہ تعالیٰ کے ربوبیت اور حاکمیت سے مذاق نہیں! خرد کی نامسلمانی سے فریاد!

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کا حق حاکمیت وربوبیت والوہیت تسلیم کر لینے کے بعد انسان پر جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ ہے عبادت (بندگی)۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی اور کسی کی نہیں۔

۳۔ عبادت اللہ کی (جسمانی، مالی اور قلبی)

عبادت کے معنی محکومیت کے ہیں۔ عبادت (بندگی) اس قوت کی ہوتی ہے جو عبادت کرنے والے پر قہر وغلبہ وقدرت واستیلاء رکھتی ہو اور بندے کو اس کے حکم سے سرتابی کا یارانہ ہو۔ عبادت الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم اور اس کے احکامات کی غیر مشروط اطاعت کرے۔ عبادت کی طبعی لحاظ سے دو قسمیں ہیں۔ ایک تکوینی (جبری، غیر اختیاری) دوسری تشریعی (اختیاری)۔ تکوینی عبادت (ذکر وتسبیح) تو ساری مخلوقات یعنی زمین وآسمان، فرشتے، شجر، حجر، سورج، چاند، ستارے، جاندار اور بے جان چیزیں کرتی ہیں۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ خود انسان کے اعضاء بھی ان میں شامل ہیں جبکہ تشریعی عبادت جن وانس ہی کرتے ہیں۔ تشریعی عبادت کی درجات کے لحاظ سے جو قسمیں ہیں وہ ہیں فرائض، واجبات، نوافل اور مستحبات وغیرہ اور وسائل کے لحاظ سے اسے جسمانی، روحانی (قلبی) اور مالی عبادات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے عبادت کے بارے میں ارشاداتِ خداوندی نقل کرتے ہیں بعد میں اس کی اقسام بالوضاحت درج کی جائیں گی۔

i. يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ : ۲۱)

ترجمہ: ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

ii. وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر : ۹۹)

ترجمہ: ''اور عبادت کیے جا اپنے رب کی جب تک کہ آئے آپ ﷺ کے پاس بات

یقینی (موت)''۔

iii. ....اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِO (النحل : ۲)

ترجمہ:''کہ خبردار کردو کسی کی بندگی نہیں سوا میرے۔سو مجھ سے ڈرو۔''

iv. ....وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌO (یٰسٓ: ۶۱)

ترجمہ:''اور یہ کہ عبادت کرو میری۔یہی ہے راستہ سیدھا''۔

v. صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۙ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ O (البقرہ : ۱۳۸)

ترجمہ:''اللہ کا رنگ! اور کس چیز کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔''

ہم تو اللہ کا رنگ (دین اسلام) اختیار کر چکے ہیں اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ (دین) ہے۔اور ہم تو اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

vi. رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّاO (مریم : ۶۵)

ترجمہ:''رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔پس عبادت کیجیے اسی کی اور قائم رہیے اس کی بندگی پر۔کیا آپ جانتے ہیں اس کا کوئی اور بھی ہمنام۔''

اللہ کے نام اس کی صفات ہیں یعنی ہے کوئی اس کی صفت کا؟ جواب کوئی نہیں تو بندگی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے؟

vi. وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِO (الذاریٰت : ۵۶)

ترجمہ:''اور میں نے نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو مگر عبادت کے لیے۔''

viii. اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَO (المومن: ۶۰)

ترجمہ: ''بیشک جولوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے، اب داخل ہونگے دوزخ میں ذلیل ہوکر''

بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا۔ نہ مانگنا غرور ہے۔ مانگنا خود ایک عبادت ہے۔

درج بالا آیات قرآنی میں عبادت الہیٰ سے مراد عاجزی اور درماندگی کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت کے نذرانہ کو پیش کرنا اور اس کے احکامات کو بجالانا ہے۔ ہر نیک کام عبادت ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ عوامل کے لحاظ سے عبادت کی تین اقسام ہیں۔ جسمانی، مالی اور قلبی (روحانی)۔ جسمانی عبادات میں نماز، روزہ، حج، جہاد، تبلیغ دین، مالی عبادات میں زکوۃ، عشر، خیرات، صدقات، قربانی اور قلبی عبادات میں تقویٰ، توکل، صبر، شکر، توبہ اور تسبیح وتہلیل شامل ہیں۔ جسمانی اور مالی عبادات سے تو ہر مسلمان واقف ہے۔ عمل کرے نہ کرے یہ علیحدہ بات ہے۔ اس لیے ان عبادات کا تذکرہ جو کہ مضمون کو بہت طویل بنادیگا ضروری نہیں۔ صرف قلبی عبادات کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اگر قلب کا رخ صحیح سمت میں نہیں ہوگا تو تمام عبادات بے کار جائیں گی۔ حقوق اللہ میں یہ عبادات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۴۔ عبادات قلبی آلودہ از شرک

ا۔ تقویٰ

تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کا ڈر، پرہیز گاری اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا ہے۔ مزید یہ کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو عام نیکیوں کی محرک ہے۔ اسلام کی ساری عبادات کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ بجائے خود عبادت (منکرات سے بچنا) بھی ہے اور عبادات کا ماحصل بھی۔ علاوہ ازیں تقویٰ ایسی روش کا نام ہے جو اسلام کے پورے اخلاقی، سماجی اور معاشی نظام پر محیط ہے۔

i۔ اللہ ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس سے تقویٰ کیا جائے۔

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ○

(المدثر : ۵۶)

ترجمہ: ''اور وہ یاد نہیں کر سکتے (نصیحت یعنی قرآن کو) مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے، وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور معافی مانگی جائے۔''

ii. مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الروم : ۳۱)

ترجمہ: ''رجوع کرتے ہوئے اسی (اللہ) کی طرف اور ڈرتے رہو اس سے اور قائم کرو نماز اور نہ ہو مشرکین میں سے۔''

آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی انسان مشرک ہو سکتا ہے۔

iii. ....وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (المائدہ : ۲)

ترجمہ: ''اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

iv. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ○

(آل عمران : ۱۰۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جیسا حق ہے اس سے ڈرنے کا''

تقویٰ کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟

i. يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ : ۲۱)

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو اور تمھارے پہلوں کو پیدا کیا عبادت کرو تا کہ تم تقویٰ پاؤ۔''

ii. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۸۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! فرض کیے گئے تم پر روزے جس طرح فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

iii. كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

(البقرہ : ۱۸۷)

ترجمہ: ''اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تا کہ وہ بچتے رہیں۔''

iv. لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ .... ○ (الحج : ۳۷)

ترجمہ: ''خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا لیکن پہنچے گا اس کو تقویٰ تمھارا۔''

v. ....وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی....O (البقرہ : ۲۳۷)

ترجمہ: ''اور تم (مرد) درگزر کرو تو یہ زیادہ قریب ہے پرہیزگاری کے۔''

vi. اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز...O (المائدہ : ۸)

ترجمہ: ''عدل (انصاف) کرو، یہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے۔''

تقویٰ حاصل کرنے کے ذرائع میں عبادت، روزے، قربانی، نوافل، تسبیح وتہلیل دوسروں سے درگزر اور جہاد، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی، عدل وانصاف وغیرہ شامل ہیں۔

پرہیزگاری، پاکیزگی، انفاق فی سبیل اللہ اور اخلاق حسنہ کے علاوہ کائنات میں غور وخوض وغیرہ تقویٰ حاصل کرنے کے بہترین ذرائع ہیں۔ جہاد بھی تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

i. اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا O (النباء : ۳۱)

ترجمہ: ''بیشک تقویٰ والوں کے لیے کامیابی ہے۔''

ii. وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ O (الجاثیہ : ۱۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے۔''

iii. وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ O

(البقرہ : ۱۹۴)

ترجمہ: ''اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

iv. قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ O (المائدہ : ۲۷)

ترجمہ: ''اس نے کہا اللہ تو قبول کرتا ہے (قربانی) پرہیزگاروں ہی سے۔''

v. ....اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ O (التوبہ : ۷)

ترجمہ: ''بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں (اہل تقویٰ) کو''۔

vi. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ O (الحجرات : ۱۳)

ترجمہ: ''تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ

تقویٰ (خداخوفی) اختیار کرتا ہے۔"

vii. وَ مَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ O (آل عمران : ۱۱۵)

ترجمہ: "اور جو بھی وہ کریں گے نیکی ہرگز نہ محروم کیے جائیں گے اس کے اجر سے اور اللہ خوب جانتا ہے متقین کو۔"

حدیث

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں، رک جانے (پرہیز کرنے) جیسا کوئی تقویٰ نہیں اور حسن اخلاق جیسا کوئی حسب نسب نہیں۔" (بیہقی فی شعب الایمان، ص ۴۳۰)

اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کو بڑی اہمیت کا کام کہا ہے:

viii. وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O (آلِ عمران : ۱۸۶)

ترجمہ: "اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

تقویٰ کے فطری الہام ہونے کی طرف اشارہ:

ix. فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۙ (الشمس: ۸)

ترجمہ: "تو ہر نفس میں اسکا فجور (گناہ، جرم، قصور) اور اس کا تقویٰ الہام کر دیا۔"

فجور گنہگاری اور نافرمانی کی جڑ ہے۔ اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے اور دونوں بندہ کو فطرتاً ودیعت ہیں۔ اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں الہام ربانی ہیں۔ الہام ربانی کا مرکز دل ہے۔ یہی تقویٰ کا مقام ہے۔

تقویٰ کے بارے میں پیش کردہ آیات قرآنی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ کس ہستی سے کیا جائے، تقویٰ کے حصول کے ذرائع کیا کیا ہیں، تقویٰ کی اہمیت کیا ہے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ جل شانہ کے انعامات کیا کیا ہیں؟ بایں ہمہ تقویٰ کے بارے کچھ وضاحت طلب باتیں بھی ہیں جن کا تذکرہ کیے دیتے ہیں۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ تقویٰ بجائے خود عبادت بھی ہے اور عبادات کا ماحصل بھی اور ایمان کا مظہر بھی۔ یہ بہت وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کی کوئی حد بھی نہیں۔ کوئی تقویٰ کے اونچے درجہ پر اور کوئی نچلے درجہ پر اور کوئی اس سے بالکل صاف شفاف۔ تقویٰ کا اعلیٰ ترین مقام جماعت انبیاءؑ کو حاصل ہوتا ہے۔ وحی الٰہی کے علاوہ ان کی فطرت میں حکمت و عرفان ودیعت کر دیے جاتے ہیں۔ اسے ''ملکہ نبوت'' بھی کہا جاتا ہے۔ انبیاء کرامؑ کے بعد تقویٰ کا مقام اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کے بعد عامۃ الناس آتے ہیں۔ نیز تقویٰ فتویٰ سے اونچا مقام ہے۔ ہم فتویٰ کی حد تک اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں جب کہ انبیاء و اولیاء اس سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ حضور سرورِ کونین ﷺ کی نجی زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہیں جن کی تقلید سے امت کو منع کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی اختیاری فاقہ کشی کئی کئی مہینے مسلسل چولھے میں آگ نہ جلانا، بیشمار روزے رکھنا، خود بھوک کاٹ کر اپنا مقدور بھوکے کے حوالے کر دینا، ساری رات نفلی عبادت میں لگے رہنا، تہجد کی نماز ویسے ہی آپ ﷺ پر فرض تھی، آرام دہ بستر پر نہ لیٹنا آپ ﷺ کی پشت مبارک پر کھجور کی چٹائی کے نشانات نمایاں ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ آپ کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑتے تھے، ادھر جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، تکبیر پڑھی جا رہی ہے اور مسجد کے باہر سے کسی بچے کے بلکنے کی آواز آتی ہے۔ سرور کونین ﷺ جماعت کو ملتوی کرتے ہوئے دوڑ کر بچے کی ماں سے اس کی فریاد سنتے ہیں۔ فوراً اس کی حاجت پوری فرما دیتے ہیں یا حاجت پوری کرنے کا وعدہ کر کے واپس آ کر جماعت کراتے ہیں۔ گھر پر نماز پڑھ رہے ہوں اور اسی دوران باہر سے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تو نماز توڑ کر اس کی والدہ کی حاجت معلوم کر کے اسے پورا فرماتے ہیں۔ کسی غریب اور مزدور کی طرح اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور اگر کھاتے وقت کوئی لقمہ ہاتھ سے گر کر زمین پر گر جاتا تو اسے جھاڑ پھونک کر کھا جاتے۔ سبحان اللہ!

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ دوزانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بدو بھی اس وقت موجود تھا۔ اس نے کہا: بیٹھنے کا یہ کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: ''اللہ نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے۔ جبار اور سرکش نہیں بنایا''۔ آپ ﷺ کہیں جماعت صحابہؓ میں بیٹھے ہوتے تو باہر سے ملاقات کے لئے آنے والے وفود کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ انکے نبی ﷺ کون ہیں۔ نہ لباس کی تمیز نہ جگہ کی تمیز۔ انتہائی مختصر اور سادہ لباس اور وہ بھی پیوند لگا ہوا۔ سبحان اللہ! عفو درگزر، ایثار، شفقت اور ایفائے وعدہ جیسی صفات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے کسی یہودی سے کچھ رقم قرض لی تھی۔ یہودی سے وعدہ فرمایا کہ فلاں دن فلاں وقت اور فلاں جگہ

آ کر تجھے تیرا قرضہ واپس کردوں گا۔ آپ ﷺ مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر رقم لے کر پہنچ گئے مگر یہودی وہاں کسی وجہ سے نہ پہنچ سکا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ اس جگہ تین دن تک یہودی کا انتظار فرماتے رہے۔ سبحان اللہ! آپ ﷺ کے تقویٰ کی ایک اور مثال پیش خدمت ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ پڑھا چکنے کے بعد تجہیز و تکفین میں کچھ دیر لگ گئی۔ انتہا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ پاس ہی ایک یہودی کا مکان تھا اور اس کی دیوار کا کچھ مختصر سا سایہ تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اس دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس یہودی کو کچھ رقم قرض دی ہوئی ہے۔ وہ میرا مقروض ہے۔ میں اس کی دیوار کے سایہ سے فائدہ اٹھاؤں تو یہ سود میں شمار ہوگا! سبحان اللہ! حضور نبی کریم ﷺ کے تقویٰ کی جھلکیاں پیش کی ہیں۔ ہم ان پر پورا نہیں اتر سکتے۔

''حضرت ابوالدرداؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جو جانتا ہوں اگر تم جان لو تو زیادہ رویا کرو اور کم ہنسا کرو اور تم جنگلوں کی طرف بھاگ جاؤ۔ تمہیں یہ خبر نہیں کہ تم کامیاب ہو گے کہ ناکام۔'' (رواہ الحاکم)

اس فرمان نبوی ﷺ سے پتہ چلا کہ مشاہدات کے ذریعہ انبیاء جن حقائق سے واقف ہوتے ہیں امتی ان سے بے خبر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی نجی زندگی کے بعض پہلوؤں کی امت تقلید نہیں کر سکتی۔

انبیاء چونکہ تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں لہذا ان کی معمولی سی لغزش، بھول چوک یا ترک اولیٰ پر انھیں وارننگ دی جاتی ہے اور بعض اوقات پکڑ بھی ہوتی ہے جیسے حضرت یونسؑ کا قوم سے مایوس ہو کر انھیں خیر باد کہہ دینا اور پھر مچھلی کا انھیں نگل لینے کا واقعہ ہے۔ تقویٰ میں جتنا بلند مقام ہوگا اسی قدر پکڑ وغیرہ ہوگی۔ اس بارے ایک حکایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ (ثور ایک علاقہ ہے) نے مسجد میں داخل ہوتے وقت بھول کر غلطی سے دایاں کے بجائے اپنا بایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی ''یا ثور'' (اے بیل!)۔ اس وارننگ کا حضرت سفیان ثوریؒ پر اتنا دباؤ پڑا کہ کبڑے ہو گئے۔ یہ ان کے تقویٰ کے اعلیٰ مقام کی بنا پر ہوا۔

ب۔ تَوَکُّل

توکل نام ہے کسی کام کو پورے ارادے اور تدبیر و کوشش کے ساتھ انجام دینے اور پھر یہ یقین رکھنے کہ اگر اس میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس میں ہمیں کامیاب فرمائے گا۔ توکل بے دست و پائی اور ترک

عمل کا نام نہیں۔لیکن یہ شرط شریعت کی ہے۔جو احباب (اولیاء) توکل علی اللہ کے بلندترین درجہ پر ہوتے ہیں ان کے لیے تدبیر وکوشش کی مستثنیات ہیں۔بعض اوقات بلا تدبیر ان کو حسب خواہش مل جاتا ہے۔مولانا رومیؒ نے جو فرمایا ہے کہ ''برتوکل زانوئے اشتر ببند''! (توکل کرتے ہوئے اونٹ کے گھٹنے باندھ) عام انسانوں کے لیے نصیحت ہے۔خواص کے لیے نہیں۔اس پر بحث آگے چل کر تبصرہ میں ہوگی۔

توکل علی اللہ کے بارے میں ارشادات ربانی ملاحظہ کیجیے۔

i. ....وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O

(الانفال : ۴۹)

ترجمہ: ''اور جو کوئی بھروسا کرے اللہ پر تو بیشک اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔''

جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہوگا عین حکمت و صواب ہوگا۔وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

ii. قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ.... O

(الملک : ۲۹)

ترجمہ: ''کہ دیجیے وہی ہے بڑا رحم کرنے والا، ہم ایمان لائے اس پر اور اسی پر بھروسا کیا۔''

iii. وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ...O(الطلاق : ۳)

ترجمہ: ''اور جو بھروسا رکھے گا اللہ پر سو وہی کافی ہے اس کو۔''

iv. .... اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ O (یوسف : ۶۷)

ترجمہ: ''نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنا چاہیے تو کل کرنے والوں کو۔''

v. فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ O (ال عمران : ۱۵۹)

ترجمہ: ''پھر جب آپ ﷺ پختہ ارادہ کرلیں تو توکل کیجیے اللہ پر بیشک اللہ دوست

رکھتا ہے توکل کرنے والوں کو۔"

vi. وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ O (یونس : ۸۴)

ترجمہ: "اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم! اگر تم فی الواقع ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسا کرو، اگر تم فرمانبردار ہو"۔

vii. فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ﷺ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ O (التوبه : ۱۲۹)

ترجمہ: "پھر بھی اگر منہ پھیریں (منافقین) تو کہہ دیجئے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا۔"

اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور تخت شہنشاہی کا مالک وہی ہے۔ سب نفع و ضرر، ہدایت و ضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

viii. ... وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ O (التوبه : ۵۱)

ترجمہ: "۔۔۔۔اللہ ہی پر چاہیے کہ بھروسا کریں مسلمان۔"

ہم اسی پر بھروسا کرتے ہیں کہ وہ عارضی سختی کو آخر میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دیگا۔

توکل کے متعلق ارشادات ربانی ملاحظہ کرنے کے بعد ہمیں پتہ چلتا ہے کہ توکل یعنی بھروسا کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی ہے۔ ہم کسی اور ذات پر بھروسہ کر کے تدبیر و کوشش کریں گے تو ناکامی و رسوائی کا شکار ہونگے۔ تدبیر کو بار آور کرنا اسی ذات بے ہمتا کا کام ہے۔ وہی بے ہمہ و باہمہ ذات ہے۔ اپنی تدبیر کو خدا بنا بیٹھنے والے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں۔ تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ۔ تدبیر عمل ہے اور تقدیر ایمان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ رستے میں ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔ پڑاؤ کے دوران لشکری دست و اسہال کے وبائی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ فاروق نے لشکر کو جگہ بدل کر

کسی اور منزل پر منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔ اس پر صحابہ کرام نے کہا۔ یا حضرت کیا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''میں بھی تو تمھیں تقدیر سے تقدیر کی طرف لے جا رہا ہوں''۔ ان کا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آخر تدبیر بھی تو تقدیر ہی ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ سے کسی نے تدبیر اور تقدیر میں فرق کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے سائل سے کہا کہ دایاں پاؤں اوپر اٹھاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا اب بایاں پاؤں بھی اٹھاؤ۔ اس نے کہا ایسا کرنے سے تو بس گر پڑوں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تدبیر اور تقدیر لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ تقدیر کے پابند نباتات و جمادات ہیں جبکہ مومن تقدیر کو حجت بنا کر احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات : مومن ہے فقط احکام الٰہی کا پابند

تدبیر و تقدیر کے مخمصے سے انسان باہر نہیں نکل سکا۔ ہمیں یہی ماننا پڑے گا کہ تدبیر بھی اسی (اللہ) کی اور تقدیر بھی اسی کی۔ اسے بے چون و چرا اپنے حاکم کے احکامات و ادا کے آگے سرنگوں ہو جانا چاہیے۔ یہی سارے مسائل کا حل ہے۔ غیر مشروط اطاعت و فرمانبرداری ہی حضرت انسان کا فریضہ ہے۔

بات ہو رہی تھی قلبی عبادت ''توکل'' کی لیکن بات چھڑ گئی تدبیر و تقدیر کی۔ جس طرح تقویٰ اور فتویٰ پر بحث ہوئی اسی طرح توکل اور فتویٰ پر بھی کچھ عرض کیے دیتے ہیں۔ علماء و مفسرین نے بمطابق شریعت تدبیر کو توکل کی پیش قدمی قرار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے مگر یہ شرط ہر کسی اور ہر موقع پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس میں مُستَثنیات بھی ہیں۔ بھروسا تدبیر پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر ہونا چاہیے۔ اس بارے میں حضرت یعقوبؑ کی نصیحت اپنے بیٹوں کو ملاحظہ فرمایئے۔

وَ قَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَ مَاۤ اُغۡنِیۡ عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ ۚ وَ عَلَیۡهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ○ (یوسف : ٦٧)

ترجمہ: ''اور کہا (یعقوبؑ) نے اے بیٹو! نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے، حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے، اسی پر مجھ کو بھروسا ہے اور اسی پر

بھروسا کرنا چاہیے بھروسا کرنے والوں کو‘‘

’’یعقوبؑ نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد جیسی مکروہات سے بچانے کے لیے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تا کہ پبلک کی نظریں ان کی طرف نہ اٹھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ کوئی تدبیر کر کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں روک سکتے۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ کا چلتا ہے۔ ہمارے سب اسباب حکم الٰہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ تدبیر کرنا بھی اسی نے سمجھایا ہے اور جائز رکھا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسا اللہ تعالیٰ پر رکھے گویا بیٹوں کو سنایا کہ ان کی طرح وہ بھی تہ دل سے اللہ کی حفاظت پر بھروسا رکھیں۔ تدبیر پر غرور نہ کریں‘‘۔ (تفسیر علامہ شبیرؒ احمد عثمانی)

توکل کے لیے تدبیر اختیار کرنے کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ایک بدو نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت آپ ﷺ سے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا وہ اپنا اونٹ باندھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ کھلا چھوڑ کر۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کے گھٹنے باندھ کر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ اس حدیث کے پیش نظر مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

برتوکل زانوئے اشتر **ببند** (توکل پر اونٹ کے گھٹنے باندھو)

لیکن مولانا نے ایک اور جگہ یہ بھی فرما رکھا ہے کہ:

خُدا خود میرِ ساماں است ارباب توکل را

(اللہ تعالیٰ ارباب توکل کے لیے خود ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے یعنی انھیں تدبیر کی محتاجی نہیں کرنی پڑتی)

توکل اور تدبیر کے بارے میں بندہ ناچیز کا موقف یہ ہے کہ تدبیر کے محتاج عامۃ الناس ہوتے ہیں یعنی کہ یہ فتویٰ کے پابند ہیں لیکن جو ارباب توکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں ان کے لیے استثناء ہے۔ وہ تدبیر کے غلام نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے خود ہی اسباب پیدا کر دیتا ہے یا فوق الاسباب ان کی مدد فرما دیتا ہے۔ اس لحاظ سے چند ایک احادیث نقل کرتے ہیں۔

حدیث:

i۔ ’’حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے اہل و عیال پر داخل ہوا۔ جب ان کے ساتھ حاجت دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا۔ جب اس کی بیوی نے دیکھا تو چکی کو رکھا اور تنور کو گرم کیا۔

پھر کہنے لگی۔ اے اللہ ہم کو رزق دے۔ اس نے دیکھا چکی آٹے سے بھری ہوئی ہے اور تنور کی طرف گئی تو اس کو دیکھا وہ روٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ راوی نے کہا خاوند واپس گھر آیا اور اس نے کہا میرے بعد تم کو کوئی چیز ملی ہے۔ اس کی بیوی نے کہا ہاں۔ ''اپنے پروردگار کی طرف سے ہم کو عطا ہوا ہے''۔ اس (خاوند) نے چکی اٹھالی۔ اس بات کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ نہ اٹھاتا تو قیامت تک چکی چلتی رہتی۔'' (رواہ احمد۔ مشکوٰۃ: ۵۰۷۸)

ii۔ ''حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں ایک آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کریں تو ان کو کفایت کرے۔ وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے غموں سے نکلنے کی جگہ پیدا کر دیتا ہے اور جہاں سے اسے گمان نہیں ہوتا روزی عطا فرماتا ہے''۔ (رواہ احمد، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ: ۵۰۷۳)

iii۔ ''حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو روزی دے تم کو جس طرح جانوروں اور پرندوں کو روزی دیتا ہے جو صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔'' (رواہ ترمذی، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ: ۵۰۶۷)

آمدم برسر مطلب کہ توکل کو تدبیر کا نتیجہ قرار دینا یا اس سے مشروط کرنا فتویٰ کی حد تک تو درست ہے اور عامۃ الناس کو اسی نہج پر چلنا چاہیے لیکن ارباب توکل کا مقام اس سے بلند ہے۔ وہ بغیر تدبیر کے بھی اپنا مقصود پا لیتے ہیں۔ توکل قلبی کیفیت کا نام ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ ہمیں توکل علی اللہ میں اونچا مقام حاصل کرنے کی سعی کرنا چاہیے اور اسے شرک سے پاک رکھنا چاہیے۔ توکل صرف اور صرف اللہ جل شانہ پر ہی کرنا چاہیے۔ حافظ محمد اسحٰق دہلوی کے بقول:

؎ مانگ اس سے کر توکل دیکھ پھر ملتا ہے کیا
در بدر کیوں مانگتا پھرتا ہے تو

ج۔ شکر

شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے۔ شکر کا مطلب احسانات اور نعم کی قدر کرنا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کرنا ہے۔ کسی کے کام کی قدر کرنا اس کی اصل ہے۔

یہ قدر شناسی تین ذرائع سے ہوتی ہے۔ دل سے، زبان سے اور ہاتھ پاؤں سے۔ دل میں اس کی قدر شناسی کا جذبہ ہو، زبان سے اس کے کاموں کا اقرار ہو اور ہاتھ پاؤں سے اس کے کاموں کے جواب میں ایسے افعال صادر ہوں جو کام کرنے والے کی بڑائی کو ظاہر کریں۔ شکر کی نسبت جس طرح بندوں کی طرف کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی طرف بھی کی ہے۔ اس سے مقصود شکر گزاری یہ ہے کہ دین کی راہ اختیار کی جائے، اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے اور شرک سے بچا جائے۔ ناشکری کا الٹ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں فرماتے ہیں:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِO (البقرہ : ۱۵۲)

ترجمہ: ''پس یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تمھیں اور شکر کرتے رہو میرا اور کفر (ناشکری) نہ کرو۔''

یہاں ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔

شکر الٰہی کے بارے میں ارشادات ربانی ملاحظہ کیجیے:

i. ....وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ط....O (الزمر : ۷)

ترجمہ: ''(اور اگر تم شکر کرو تو وہ (اللہ) اس کو پسند کرتا ہے تمھارے لیے''۔

ii. بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ O (الزمر : ۶۶)

ترجمہ: ''(نہیں بلکہ) اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار رہو''۔

iii. ....فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَO (العنکبوت : ۱۷)

ترجمہ: ''۔۔۔۔پس ڈھونڈو اللہ کے یہاں رزق اور عبادت کرو اس کی اور شکر کرو اس کا، اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

iv. .... وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O (الانفال : ۲۶)

ترجمہ: ''اور تائید کی تمھاری اپنی نصرت سے اور رزق دیا تمھیں پاک چیزوں سے تاکہ تم شکر گزار رہو۔''

عبادت اور شکر الٰہی لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

v. وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○(النحل : ۱۱۴)

ترجمہ: ''اور شکر کرو نعمت الٰہی (رزقِ حلال) کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

vi. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○ (البقرہ : ۱۷۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو روزی کی ہیں اور شُکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

ان دونوں آیات میں ''اُسی کی'' کا مطلب ہے کہ اہل ایمان اگر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں یعنی عبادت کو شرک سے پاک رکھتے ہیں تو پھر ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں ورنہ شرک کی صورت میں ان کا شکر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایک طرف غیر اللہ کی عبادت یعنی قبروں پر سجدہ ریزی کرنا اور اہل قبور سے مانگنا اور ان کا شکر گزار ہونا، دوسری طرف اللہ کی بھی عبادت اور شکر ادا کرنا چہ عجبیست!

شاکر کے معنی قدر دان کے بھی ہیں۔ قدر کرنا ہی تو شکر کی روح ہے۔ جس طرح بندہ اللہ تعالیٰ کا قدر دان ہے اسی طرح اللہ بھی شکر بجالانے والوں کا قدر دان ہے۔ ارشاد ہے:

i. وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ○

(البقرہ : ۱۵۸)

ترجمہ: ''اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو بیشک اللہ بڑا قدر دان ہے، جاننے والا''۔

ii. مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا○(النساء : ۱۴۷)

ترجمہ: ''کیا کرے گا اللہ تمھیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ اور ہے اللہ بڑا قدر دان (شاکر) سب کچھ جاننے والا''۔

شکر کیسے ادا کیا جاتا ہے؟ صرف زبانی ''الحمدللہ'' یا ''اے اللہ تیرا شکر ہے'' کہہ لینے ہی سے شکر ادا نہیں ہوتا۔ شکر دراصل دل کے اس لطیف احساس کا نام ہے جس کے سبب ہم اپنے محسن سے محبت رکھتے ہیں۔ ہر موقع پر اسکے احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔ زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر اس کی احسان مندی کا اظہار کرتے

ہیں۔شکر جان و مال و دل سے ادا کیا جاتا ہے۔انسان اللہ کی قدر کرے، اس کے حق کو مانے، اس کی نعمت و بخشش کا اظہار جان و مال و دل سے ادا کرے۔جسمانی طور پر شکر گزاری یہ ہے انسان بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج، جہاد، تبلیغ دین اور شریعت مطہرہ پر عمل کرے۔مالی عبادات میں زکوٰۃ، صدقات، قربانی، جہاد بالمال وغیرہ آتی ہیں۔ان پر شکرانے کے طور پر عمل پیرا ہو۔دلی شکرانہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات پر خوش ہو کر پہلے سے زیادہ تسبیح و تہلیل اور ذکر اللہ کرے۔تقویٰ اختیار کرے۔شرک کے نزدیک بھی نہ جائے ورنہ سب کچھ کیا دھرا بے کار جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

i. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ O (الحجر : ۹۸)

ترجمہ: ''پس پاکی بیان کیجیے ساتھ حمد (شکر) کے اپنے رب کی اور ہو جایئے سجدہ کرنے والوں میں''۔

سجدہ کرنا (نماز وغیرہ) شکرانے کی بدنی کیفیت سے متعلق ہے۔سرکارؐ دو جہاں اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر سواری پر بیٹھے ہوئے بھی سر نیاز جھکا دیتے تھے۔نیاز مندی شکرانے کا بہت بڑا اظہار ہے۔

اظہارِ تشکر کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے:

ii. اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O لا شَاکِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ O (النحل : ۱۲۰، ۱۲۱)

ترجمہ: ''دراصل ابراہیمؑ دین (امت بمعنی دین) کی راہ پر ڈالنے والا اور اللہ کا فرمانبردار اور اسکو ایک ماننے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔اللہ کے احسانات اور نعمتوں کا شکر گزار، اللہ نے اس کو چن لیا اور اس کو سیدھی راہ دکھائی۔''

اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی قدر (شکر) کرنے کے اسکے احکامات کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کی جائے۔یہ سنت ابراہیمیؑ ہے اور ہم دین ابراہیمؑ پر قائم ہیں۔

شکرانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جائے، عملاً اور قولاً نیک کام کیے جائیں۔

iii. وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ O

(البقرہ : ۱۸۵)

ترجمہ: ''اور تا کہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ اس نے ہدایت کی تم کو اور تا کہ تم شکر کرو''۔

iv. اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ O(سبا : ۱۳)

ترجمہ: ''اے داؤد کے گھر والو! شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو''۔

انسان کو اللہ تعالےٰ نے ناشکرا قرار دیا ہے۔ اس بارے ارشادات ملاحظہ کیجیے:

v. اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ O (العٰدیات : ٦)

ترجمہ: ''کہ بیشک انسان (بکثرت) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''۔

vi. وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ O(سبا : ۱۳)

ترجمہ: ''اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر کرنے والے''۔

vii. وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡہَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ O (الاعراف: ۱۰)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے رہنے کو مکان دیا تمہیں زمین میں اور بنا دیئے تمہارے لیے اس میں گزارے کے سامان۔ کم ہی تم شکر کرتے ہو''۔

viii. قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ O(عبس : ۱۷)

ترجمہ: ''انسان پر خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے''۔

یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

ix. وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ O(المومن : ٦١)

ترجمہ: ''لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے''۔

شکر اللہ کی جزا اور ناشکری کی سزا کے بارے ارشادات الٰہی ملاحظہ کیجیے۔

i. ....وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ؕ وَ سَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ O (ال عمران : ۱۴۵)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور جو چاہتا ہے ثواب دنیا کا ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور جو چاہتا ہے ثواب آخرت کا ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور ہم نیک جزا دیں

گے شکر کرنے والوں کو۔"

ii. .... كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ○ (القمر : ۳۵)

ترجمہ: "۔۔۔اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس کو جو شکر کرے یعنی نیک بدلہ"

iii. وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ○ (ابراهيم : ۷)

ترجمہ: "اور جب اعلان کیا تھا تمھارے (قوم موسیٰ) رب نے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ کر دوں گا تمھارے لیے نعمت اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بھی سخت ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بھی اظہار تشکر ہے۔

iv. فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (آل عمران : ۱۲۳)

ترجمہ: "پس ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم شکر ادا کرو۔"

اللہ تعالیٰ انسان کے شکر کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے اپنے فائدہ کے لیے ہی ہے۔ شکر کرے گا تو جزا پائے گا اور ناشکری کرے گا تو سزا پائے گا۔ ویسے تو ہر عبادت و نیک عمل انسان کے اپنے فائدہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی شان اور قدر میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ وہ تو اس سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

i. .... وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ○ (لقمٰن : ۱۲)

ترجمہ: "اور جو بھی شکر کرتا ہے سو وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے اور جو ناشکری (کفر) کرتا ہے سو بیشک اللہ بے نیاز ہے، حمد کے لائق۔"

☆ یہاں "اللہ بے نیاز" ہے کا مطلب ہے کہ ناشکری کرنے سے تو اس کی شان میں فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ شکر کا الٹ کفر ہوتا ہے۔ یہاں بھی ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔

ii. ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○

(النحل : ۵۴، ۵۵)

ترجمہ: ''اور پھر جب دور کر دیتا ہے اس تکلیف کو تم (مشرکین) سے تو اسی وقت ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے O تا کہ وہ کفر (ناشکری) کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے انہیں دیں۔ پس فائدہ اٹھالو پھر آگے تمھیں معلوم ہو جائے گا۔''

یہاں بھی کفر سے مراد ناشکری لیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ناشکری کفر ہے اور کفر، ناشکری۔

خلاصہ یہ کہ شکر حقوق اللہ کا بہت بڑا اور اہم عنصر ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہے اور سب کچھ کیا دھرا اس کا اپنا ہے یہ بہت بڑا شرک ہے۔

د۔ صبر

صبر کے معنی ثابت قدمی، ضبط نفس، استقامت اور ثبات قدر کے ہیں۔ محرومی پر بے قرار نہ ہونا، مشکلات کو خاطر میں نہ لانا اور درگزر کرنا۔ قلبی عبادات کے تحت یہ حقوق اللہ میں شمار ہوتا ہے۔ صبر چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہوتا ہے لہٰذا بے صبری کا مظاہرہ کر کے انسان اللہ کی رضا سے فرار اختیار کرتا ہے جو کہ شرک ہے۔ شرک اس لیے کہ بے صبری کا شکار ہو کر انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ سے بدظن ہو جاتا ہے بلکہ خلق خدا کا محتاج بھی بن جاتا ہے۔ گداگری اور درباری طواف اسی کا نتیجہ ہیں۔ استقامت کے بغیر انسان صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا۔ صبر اللہ سے مدد حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ استقامت اور پامردی کامیابی کی شرائط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید و فرقان حمید میں تقویٰ، توکل اور شکر کے ساتھ ساتھ صبر کا بھی درس دیا ہے۔ یہ نہایت اہم فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے:

i. يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ....O
(آلِ عمران : ۲۰۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں بڑھتے رہو اور لگے رہو یعنی جہاد کے لیے مستعد رہو۔''

ii. وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ....O (البقرہ : ۴۵)

ترجمہ: ''اور مدد لو صبر اور نماز سے۔''

iii. ....وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ O (البقرہ : ۱۷۷)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور صبر کرنے والے ہیں تنگ دستی اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔''

iv. ....وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O (آل عمران : ۱۸۶)

ترجمہ: ''اور اگر تم صبر کرو اور رہیزگاری تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''

v. ....وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ط وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ O

(البقرہ : ۱۵۵)

ترجمہ: ''اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ خوف اور بھوک اور نقصان سے مالوں، جانوں اور پھلوں کے اور خوشخبری دیجیے صبر کرنے والوں کو۔''

vi. ....قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ O (البقرہ : ۲۵۰)

ترجمہ: ''تو بولے مسلمان (جالوت کے مخالف) اے ہمارے رب! ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر''۔

vii. وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ ۙ (الرعد: ۲۲)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا رضا جوئی کے لیے اپنے رب کی اور قائم کی نماز اور خرچ کیا اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو پوشیدہ اور ظاہر طور پر اور ہٹاتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہے آخرت کا گھر''

viii. فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا O (معارج : ۵)

ترجمہ: ''پس صبر کیجیے صبر جمیل۔''

ix. وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَکُ فِیْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْکُرُوْنَ O (النحل : ۱۲۷)

ترجمہ: ''اور آپ ﷺ صبر کیجیے (دین کی خاطر) اور نہیں صبر آپ ﷺ کا مگر بتوفیق الہیٰ اور آپ ﷺ غم نہ کیجیے ان (مشرکین) پر اور نہ ہو جئے تنگی میں اس سے جو وہ حق کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں۔''

صبر کی جزا اور انعامات کے بارے میں ارشاد ہے:

i. اِنَّمَا يُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ O (الزمر : ۱۰)

ترجمہ: ''بیشک دیا جائے گا صبر کرنے والوں کو انکا اجر بے حساب۔''

دین کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنیوالوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

ii. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ O (البقرہ : ۱۵۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم مدد لو صبر اور نماز سے۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

iii. ....وَ اصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ج O (الانفال : ۴۶)

ترجمہ: ''اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھی ہے صبر والوں کا۔''

iv. اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِيْرٌ O (هود : ۱۱)

ترجمہ: ''مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور عمل کیے نیک، یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور اجر بہت بڑا''۔

v. اُولٰٓئِکَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا O (الفرقان : ۷۵)

ترجمہ: ''انھی لوگوں کو جزا دی جائے گی بالا خانے (بہشت میں) بدلے اس کے جو انہوں نے صبر کیا (مصائب برداشت کیے) اور ان کا استقبال ہوگا وہاں دعائے حیات اور سلام کے ساتھ''۔ فرشتے دعا و سلام سے ان کا استقبال کریں گے۔

vi. اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○ (القصص: ۵۴)

ترجمہ: ''انھی لوگوں کو دیا جائے گا اجر ان کا دوبار بدلے اس کے جو انھوں نے صبر کیا اور وہ ہٹاتے ہیں بھلائی کے ساتھ برائی کو اور اس میں سے جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔''

vii. ....وَ لَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ (القصص: ۸۰)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور نہیں ملتا وہ (ثواب) مگر صبر کرنے والوں کو۔''

viii. وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○

(ھود: ۱۱۵)

ترجمہ: ''اور صبر کیجیے کیونکہ بلاشبہ اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا۔''

ix. وَ لَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○(النحل: ۹۶)

ترجمہ: ''اور ہم ضرور دیں گے ان کو جنھوں نے صبر کیا ان کا صلہ اچھے اعمال کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔''

و۔ ذکر

ذکر کے معنی کسی کو یاد کرنا، غور کرنا، نصیحت پکڑنا اور یاد دہانی وغیرہ کے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد ہے کہ انسان اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات دن، صبح و شام ہمہ وقت اللہ کو دل میں یاد رکھے۔ ذکر کے ذرائع زبان اور دل ہیں۔ وظائف اور تسبیح و تہلیل اس کا اظہار ہیں۔ ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

....وَ قَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا ○ (طٰہٰ: ۹۹)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور ہم نے عطا کیا آپ ﷺ کو اپنے یہاں سے ذکر (قرآن)۔''

....اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِکْرًا ○ (طٰهٰ : ۱۱۳)

ترجمہ: ''۔۔۔یا وہ پیدا کر دے ان میں غور و فکر۔''

ذکر سے مراد نصیحت کے بارے میں ہے:

....وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ○(القلم : ۵۲)

ترجمہ: ''۔۔۔اور نہیں وہ (قرآن) کچھ اور مگر نصیحت اہل عالم کے لیے''

ذکر بمعنی ڈر اور خوف کے بارے میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ (الحج : ۳۵)

ترجمہ: ''وہ لوگ کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں ان کے دل اور وہ صبر کرنے والے ہیں اس (مصیبت) پر جو پہنچتی ہے ان کو اور وہ قائم کرنے والے ہیں نماز اور اس رزق میں سے جو عطا کیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔''

ذکر بمعی یاد بھی ملاحظه کیجیے:

فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ○

(الاعراف: ۷۴)

ترجمہ: ''۔۔۔پس یاد کرو احسان اللہ کے اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے''۔

ذکر کس طرح کیا جائے کی وضاحت ملاحظہ کیجیے:

وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ○

(الاعراف: ۲۰۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرتے رہیے اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑا کر اور ڈرتے ہوئے اور نہ بلند کلام سے صبح اور شام کے وقت اور نہ رہیے اس کی یاد سے غافل۔''

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ ....○

(ال عمران : ۱۹۱)

''جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر۔۔۔''

اب ذکراللہ کی تلقین کے بارے میں احکام الٰہی قلمبند کیے جاتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۙ (الاحزاب : ۴۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد۔''

اللہ تعالیٰ کو ہر دم یاد کرتے رہنا چاہئے۔ جو دم غافل سو دم کافر!

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ (الروم : ۱۷)

ترجمہ: ''پس تسبیح کرو اللہ کی جب شام ہو اور جب صبح ہو۔''

....وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال : ۴۵)

ترجمہ: ''۔۔۔۔اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

....وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ ط ....۝ (البقرہ: ۲۳۱)

ترجمہ: ''اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے اور اس کو جو اتاری تم پر کتاب اور دانائی کہ نصیحت کرے تم کو اس سے۔۔۔۔''

.... فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ : ۲۳۹)

ترجمہ: ''پھر جب امن پاؤ تو یاد کیا کرو اللہ کو جیسا اس نے سکھایا تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔''

ذکر کا اجر اور فضیلت بمطابق ارشادات الٰہی ملاحظہ ہوں۔

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ۝

(البقرہ: ۲۳۹)

ترجمہ: ''پس یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تمھیں اور شکر کرتے رہو میرا اور ناشکری نہ کرو۔''

....اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ط (الرعد: ۲۸)

ترجمہ: ''۔۔۔۔ہاں خدا ہی کی یاد سے دل تسکین پاتے ہیں۔''

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰیO وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰیO

(الاعلیٰ : ۱۴، ۱۵)

ترجمہ: ''بیشک کامیاب ہوا وہ جس نے صفائی حاصل کی O اور اپنے پروردگار کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔''

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَO (الانفال : ۴۵)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم مقابل ہو کسی گروہ کے تو ڈرتے رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم کامیاب ہو''۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ O (العنکبوت : ۴۵)

ترجمہ: ''بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کام سے اور البتہ ذکر الٰہی سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔''

....فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَO (الاعراف: ۶۹)

ترجمہ: ''۔۔۔۔پس یاد کرو نعمتیں اللہ کی تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

؎ دل میں ترا غم لب پہ ترا نام ہمیشہ
ملتا ہے جہاں میں انھیں آرام ہمیشہ

(محمد اسحاق دہلوی)

عبادات قلبی میں تقویٰ، توکل، شکر، صبر اور ذکر کے بعد توبہ، استغفار کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ حقوق اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ گناہوں سے نجات اور بخشش کا انحصار توبہ اور ہر دم استغفار پر ہی ہے۔

۵۔ استغفار، توبہ

استغفار کے معنی ہیں کردہ گناہوں (صغیرہ و کبیرہ) کی معافی کی درخواست کرنا اور توبہ کا مطلب ہے کہ اگر اللہ نے گناہ کی معافی دے دی تو بندہ دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ تو استغفار بخشش کی درخواست ہوئی جبکہ توبہ اللہ تعالیٰ یا کسی اور ہستی سے عہد کیا جاتا ہے کہ وہ ایسی حرکت دوبارہ نہیں کرے گا۔ اس عہد کی خلاف ورزی پر تَوّاب کا یہ حق ہے کہ اسے کڑی سزا دے۔ استغفار معافی کے علاوہ عبادت قلبی کا درجہ بھی

رکھتی ہے۔انسان اپنے علم کی حد تک گناہ نہ بھی کرے تو بھی اسے ہر وقت استغفر اللہ! (اللہ مجھے بخش دے) کا ورد کرتے رہنا چاہیے کہ یہ نیکیوں میں شمار ہوتا ہے۔ بخشش اور توبہ میں کسی غیر اللہ کی آڑ لینا شرک میں شمار ہوتا ہے۔ بخشنے والی اور توبہ قبول کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں اور خاص کر اپنے بوڑھے والدین کی دعا وسیلہ کا کام دیتی ہے۔ اللہ کے ہاں عاجزی ہی کام آتی ہے۔ کوئی بزرگ دھڑلے سے کسی کو بخشوا نہیں سکتا۔ نہ ہی سفارش کر سکتا ہے۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ا۔ بخشش

بخشش اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے اور صرف وہی بخشنے والا ہے۔ وہی غفور الرحیم ہے۔ اس بارے ارشاداتِ ربانی ملاحظہ کیجیے۔

i. ....وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ : ۱۹۹)

ترجمہ: ''اور بخشش مانگو اللہ سے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔''

ii. اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران : ۱۶)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے! بیشک ہم ایمان لے آئے ہیں۔ پس بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے۔''

iii. وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(النساء : ۱۰۶)

ترجمہ: ''اور مغفرت طلب کیجیے (اے نبی ﷺ!) اللہ سے۔ بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا۔''

iv. وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

(النساء : ۶۴)

ترجمہ: ''اور اگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر (منافقین) آجاتے آپ ﷺ کے پاس، پھر معافی مانگتے اللہ سے اور بخشش مانگتا ان کے لئے رسول بھی تو البتہ پاتے وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا۔''

v. وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء : ۱۱۰)

ترجمہ: ''اور جو کوئی کرے گناہ یا برا کرے اپنا پھر مغفرت مانگے اللہ سے وہ پائے گا اللہ کو بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا۔''

vi. .... هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ○ (المدثر : ۵۶)

ترجمہ: ''۔۔۔۔وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور معافی مانگی جائے۔''

vii. ...اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ○ (الاعراف: ۱۵۵)

ترجمہ: ''۔۔۔۔تو ہی ہے ہمارا پروردگار بس بخش دے ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔''

پہلے انسان اللہ سے معافی مانگے پھر توبہ کرے۔ اگر معافی نہ ملے تو توبہ بھی بیکار ہوگی۔ یہ ایسے گناہوں کے بارے ہے جو انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ ہماری معاشرتی برائیاں، خیانت، جھوٹ، ناانصافی، حق تلفی، رزق حرام، دھوکا دہی، بدمعاشی، ظلم، عصمت دری اور ڈاکے، قتل ہمارا معمول بن چکے ہیں۔ ان کے معافی کیونکر ہوسکتی ہے؟ توبہ تو گناہ چھوڑ دینے کا عہد ہوتا ہے۔ جب گناہ نہیں چھوڑیں گے تو اللہ تعالیٰ سے معافی کیسی اور توبہ کیسی؟

ب۔ توبہ

توبہ کے بارے ارشادات الٰہی ملاحظہ کیجیے۔

i. وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ.... ○

(هود : ۳)

ترجمہ: ''اور کہ معافی مانگو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی جناب میں۔ وہ دے تمھیں سامان حیات بہت اچھا ایک مدت معینہ تک اور دے گا ہر زیادتی والے (زیادہ نیک عمل کرنیوالے) کو اس کی زیادتی (اجر زیادہ)۔۔۔۔''

ii. اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (البقره : ۵۴)

ترجمہ: ''بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

iii. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○(النساء : ۱۶)

ترجمہ: ''بیشک اللہ ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم والا''

iv. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (البقره : ۱۶۰)

ترجمہ: ''مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا (حق کو)۔ پس یہی لوگ ہیں کہ میں توبہ قبول کرتا ہوں ان کی اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔''

۷. اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا○ (النساء : ۱۷)

ترجمہ: ''توبہ تو اللہ پر انھی کے لیے ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے۔ پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے۔ پس یہی ہیں توبہ قبول کرتا ہے جن کی اللہ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

vi. لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○(آل عمران : ۱۲۸)

ترجمہ: ''نہیں ہے آپ ﷺ کے بس کی یہ بات کچھ بھی، یا تو وہی (اللہ) توبہ نصیب کرے انہیں یا انھیں عذاب دے کیونکہ وہ بڑے ظالم ہیں۔''

vii. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا○

(التحریم: ۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ''۔

صاف دل کی توبہ کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد انھی خرافات کا خیال پھر گیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔

viii. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ○

(البقرہ : ۲۲۲)

ترجمہ: ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ix. فَمَنْ تَابَ مِنْ م بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (المائدہ : ۳۹)

ترجمہ: ''اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کرے اور نیکوکار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

x. اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ (التوبہ : ۱۰۴)

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقات لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔ یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

xi. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا○

(النّصر : ۳)

ترجمہ: ''تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ بیشک وہ معاف کرنے والا ہے''۔

۶۔ دُعا

دعا کے لغوی معنی کسی کو پکارنے اور بلانے کے ہیں یا کسی کو اپنی آواز یا بات سے اپنی طرف مائل یا متوجہ کرنا۔ دعا کے معنی نام رکھنا بھی ہیں اور مطالبہ، تقاضیٰ اور دعویٰ کرنا بھی ہیں۔

دعا کے اصطلاحی معنی ہیں فوق الاسباب کوئی چیز کسی ہستی سے مانگنا کہ اسے فلاں میری یہ حاجت پوری کر دے مجھے یہ کچھ عطا فرما! انسانی معاشرہ میں رہتے ہوئے ہم ہر وقت کسی سے کچھ ضرورت کی چیز مانگ کر اور دے کر زندگی گزارتے ہیں۔ ایسا مانگنا یا لے لینا دعا کے زمرے میں نہیں آتا۔ یہ سب کچھ اسباب کی موجودگی پر منحصر ہے۔ دعا کس طرح کی جاتی ہے۔ اس کے کئی طریقے ہیں لیکن دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھانا، زبان سے دعائیہ کلمات کہنا یا صرف زبان سے مدعا پیش کرنا یا دل سے فریاد کرنا شریعت اسلامیہ کے معروف طریقے ہیں۔ قبولیت دعا کے تین درجات ہیں۔ دعا یا تو فوراً قبول ہو جاتی ہے یا کچھ دیر سے یا پھر بطور ثواب آخرت پر ملتوی کر دی جاتی ہے۔ دعا میں معقولیت ہونی چاہیے۔ دعا پوری توجہ اور انکساری سے کرنی چاہیے۔ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جاتی یا کروائی جاتی ہے اور کسی سے نہیں۔ دعا اور پکار عبادت بھی ہے اور استدعا بھی۔ دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ "اَلدُّعَا مِخُّ العِبادة"۔ دعا کے وسائل کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ کسی ذات کا وسیلہ پکڑنا حرام ہے۔ قلبی عبادات کے تحت دعا بھی حقوق اللہ میں شمار ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ دعا اسی سے ہی کی جائے۔

دعا، اس کے آداب اور اس کی قبولیت و اجر و ثواب کے بارے ارشادات قرآنی ملاحظہ کیجیے۔

i. اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۵۵،۵۶)

ترجمہ: "پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے، اسکو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے ۝ اور مت خرابی ڈالو زمین میں اسکی اصلاح کے بعد اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے۔ بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔"

پہلی آیت میں دعا کے آداب بیان ہوئے ہیں یعنی دعا ایک تو نہایت عاجزی سے اور دل کی گہرائیوں سے دوسرے خاموشی اور چپکے چپکے مانگی جائے۔ انسان شور نہ مچائے کیونکہ یہ خلاف ادب ہے۔ یہاں حد سے بڑھنا سے مراد یہ ہے کہ بندہ دعا میں معقولیت اختیار کرے۔ جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں وہ نہ مانگنے لگ جائے۔ معاصی اور لغو چیزوں کی طلب نہ کرے۔ ان چیزوں کو اعتدال فی الدعاء کہا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ملک میں اصلاح احوال کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ جل شانہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

ii. وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ

الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۸۶)

ترجمہ: ''اور (اے پیغمبرؐ!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے (دعا کرتا ہے) تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ تو ان کو چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک رستہ پائیں۔''

iii. قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○

(الانعام : ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: ''تو کہ! کون بچاتا ہے جنگل کے اندھیروں اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچا لے (اللہ) اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے اسکا ○ تو کہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔''

iv. اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○

(النمل : ۶۲)

ترجمہ: ''بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب وہ اس (اللہ) سے دعا کرتا ہے اور وہ دور کر دیتا ہے سختی کو اور بناتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (ہرگز نہیں) مگر تم بہت کم غور کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور سننے کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ براہِ راست اسی سے مانگنا چاہیے۔ کسی سفارشی کا سہارا نہیں لینا چاہیے اور پھر یہ کہ دعا کو قبول، نہ قبول کرنے والی بھی وہی ذات واحدہ ہے۔

☆☆☆

باب ششم: شرکِ اصغر

صحت کے لحاظ سے شرک کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں یعنی شرک اکبر اور شرک اصغر اور پہچان کے لحاظ سے شرک جلی اور شرکِ خفی۔ شرکِ اکبر یا شرک جلی کی تمام صورتوں پر پیچھے بحث و تمحیص ہو چکی اب شرک اصغر یا شرک خفی کی مختلف صورتوں اور وعیدوں پر قرآن و سنن نبوی ﷺ سے استفادہ کیا جائے گا۔ یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ شرک اکبر میں مشرک تصوراتی بتوں اور انسانی ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا جز، ہمسر یا ساجھی بنا کر ان کی عبادت کرتا ہے جبکہ شرک اصغر/خفی میں تیسرا فریق یعنی ''شریک' بت یا انسانی ہستیاں نہیں ہوتیں بلکہ ان کی جگہ مشرک کا اپنا ضمیر، نفس، جذبات اور حسیات ہوتی ہیں۔ ان کی تسکین کے لیے وہ مشرکانہ حرکات کرتا ہے۔ شرک اصغر میں مشرک دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ روز جزا اس کی رہائی سزا کاٹنے کے بعد ہی ہوگی۔ ریا کاری اور شہرت حاصل کرنا جیسے اعمال رائیگاں جائیں گے۔

شرک اصغر یا شرک خفی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ان میں سے چند معروف صورتوں کا ذکر کرتے ہیں وہ ہیں۔ i۔ فرقہ پرستی۔ ii۔ نفس پرستی۔ iii تکبر۔ iv۔ ریا کاری۔ v۔ اکابر پرستی vi۔ مشائخ و پیر پرستی، vii۔ شخصیت پرستی۔ viii۔ غیر اللہ کا خوف

i۔ فرقہ پرستی

دنیا میں ہر معاشرہ مختلف گروہ بندیوں کا شکار ہے جیسے علاقائی گروہ بندی، لسانی گروہ بندی، نسلی گروہ بندی، سیاسی گروہ بندی اور مذہبی گروہ بندی جسے فرقہ پرستی یا فرقہ بندی کہا جاتا ہے۔ دین اسلام ان تمام

گروہ بندیوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ اسلام کی گروہ بندی صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے مِلّت اسلامیہ۔ اس میں رنگ، نسل، علاقہ، زبان اور سیاست کو کچھ دخل نہیں۔ ہر علاقہ، ہر نسل، ہر زبان اور ہر وضع کا مسلمان مِلّت اسلامیہ کا فرد ہے اور تمام افرادِ مِلّت بھائی بھائی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا امتیاز کارفرما نہیں۔ ان کا مذہب ایک آفاقی مذہب ہے جسے دین کہا گیا ہے۔ مذہب دین کا ایک حصہ ہے جو صرف ایمان، عقیدہ اور چند ایک عبادات تک ہی محدود ہوتا ہے۔ دین اسلام چند عقاید پر استوار زندگی کی ہر ہر حرکت، ہر ہر سوچ و فکر کو ارشادات الٰہی کے مطابق بروئے کار لانے کا ایک ضابطہ حیات ہے۔ اس مکمل ضابطہ حیات کا منکر کافر اور اس میں ملاوٹ کرنے والا مُشرک کہلاتا ہے۔ دین اسلام میں فرقہ بندی شرک کا ارتکاب ہے۔ وہ کیسے؟ دین اسلام میں آخری سند قرآن حکیم ہے لیکن مذہبی فرقہ بندی کے بعد ہر شخص اپنے فرقہ کا پابند ہوتا ہے اور ہر فرقہ میں آخری سند وہ ذات (امام وغیرہ) ہوتی ہے جس کی نسبت اور کارستانی سے وہ فرقہ بنا۔ تو فرقہ بندی میں آخری سند کتاب اللہ کے ساتھ اس فرقہ کی بانی شخصیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ فرقہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر فرقہ بندی کی بنا پر مختلف فرقوں کے درمیان نہ صرف نفرت پیدا ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات ہاتھا پائی کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ ہر فرقہ خود کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی تصور کرتا ہے۔ ان جاہلانہ جذبات کے تحت فرقہ بندی فرقہ پرستی کا روپ دھار لیتی ہے اور جہاں پرستی آئے گی وہاں شرک تو ہوگا۔ ماسوا ''خدا پرستی'' کے۔ فرقہ پرستی کے پیچھے شیطانی ہاتھ ہوتا ہے اور اس میں خالص خدا کی اطاعت نہیں ہوتی پس اس لحاظ سے بھی یہ شرک ٹھہری۔

فرقہ پرستی قدیم شیطانی انگیخت ہے اور یہود و نصاریٰ نے کھل کر اس مکروہ کھیل میں حصہ لیا۔ فرمانِ نبویؐ کے مطابق بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ فی زمانہ عیسائیوں کے دو مشہور فرقے ہیں۔ ایک رومن کیتھولک دوسرا پروٹسٹنٹ۔ اسی طرح مسلمان بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ عقائد اور اصول میں اختلافات کی وجہ سے ان کے تین بڑے فرقے ہیں وہابی/ دیوبندی، شیعہ اور بریلوی۔ فروعی (طریقۂ عمل) اختلافات کی بنا پر بننے والا فرقہ اہلحدیث ہے۔ عقاید و اصول میں دیوبندی اور اہل حدیث میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ اُدھر فقہ اور فروعات میں دیوبندی اور بریلوی فرقہ میں سرمو بھی فرق نہیں۔ ان کی فقہ ایک ہی ہے۔ بندہ ناچیز مذکورہ فرقوں کی اصلیت پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ہی مجھے یہ زیب دیتا ہے۔ بات جو کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ چاروں فرقے اپنے اپنے بانیوں اور ان کی باقیات کو دین اسلام میں سند کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اپنے اپنے مشائخ اور آقا کی پرستش کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ زیر بحث آ جائے تو یہ نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول ﷺ

نے فرمایا بلکہ شیخی سے یہ کہتے ہیں کہ ''حضرت صاحب'' نے فرمایا۔قرآنی سند اور ''حضرت صاحب'' کی سند ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ان کی مشائخ اور اکابر پرستی کے بارے میں اگر حقائق پیش کروں تو پتہ چلے گا کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں، مگر فائدہ کیا؟ اس لحاظ سے یہ تمام فرقے کچھ کم کچھ زیادہ فرقہ پرستی کا شکار ہیں اور بدیں طور شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔فرقہ بندی کی دو صورتیں ہیں۔ایک قرآنی عقاید اور اصول سے انحراف کے سبب معرض وجود میں آنے والا فرقہ دوسرا فروعی (طریقہ ہائے ادائیگی فرائض) اختلافات کے باعث بننے والا فرقہ۔اوّل الذکر فرقہ تو جہنمی فرقہ ہے لیکن موخر الذکر فرقہ جو چند فقہی مسائل میں اختلافات کے باعث معرض وجود میں آیا ہے وہ کسی طور فرقہ بننے یا کہلانے کا حقدار نہیں کیونکہ فروعی اختلافات تو جماعت صحابہؓ میں بھی موجود تھے لیکن اس بنا پر ان میں کوئی فرقہ بندی اور نفرت نہ تھی۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''میری ہر سنت قیامت تک (کہیں نہ کہیں) زندہ رہے گی اور مفسرین نے فروعی اختلافات کو باعث رحمت قرار دیا ہے کہ اس طرح سے حضور ﷺ کی ہر سنت زندہ رہتی ہے۔لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارا ایک طبقہ محض طریقہ ادائیگی نماز و وضو وغیرہ میں چند ایک اختلافات کی بنا پر خود کو ایک فرقہ بنائے بیٹھا ہے۔صد افسوس! فرقہ بندی جو دراصل فرقہ پرستی بنی ہوئی ہے سے اجتناب کے بارے پہلے قرآنی احکامات اور بعد میں احادیث نبوی ﷺ اور صلحائے امت کے خیالات قلم بند کریں گے۔

قرآنی ارشادات

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے مختلف فرقوں میں بٹنے اور فرقہ پرستی کا شکار ہونے کے بارے میں اور امت مسلمہ کو فرقہ بندی سے باز رہنے کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

i. اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(الانعام : ۱۵۹)

ترجمہ: ''جنھوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ (اے نبی ﷺ!) کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے۔پھر وہی جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

''دین الٰہی کا راستہ (صراط مستقیم) ایک ہے۔جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر جدا جدا راہیں

نکالتے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقاید دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے ان لوگوں سے آپ ﷺ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ آپ ﷺ ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک صراط مستقیم پر جمے رہیے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجیے۔ وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے گا جو کچھ وہ دین میں گڑبڑ کرتے تھے"۔ (اصول دین میں فرق نہ کیا جائے اور جو باتیں کرنی ہیں (فروع دین) ان کے کئی طریقے ہوں تو برا نہیں)"

(از تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

ii. مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ م بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ O (الروم : ۳۲)

ترجمہ: "جنھوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے، ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر غش (فریفتہ) ہے۔"

"یعنی دین فطرت کے اصول سے علیٰحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی۔ بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشرب جدا۔ جس کسی نے ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر لیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی۔ تھوڑے دنوں بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے اصول و عقاید پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا"۔ (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

iii. وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O

(آل عمران : ۱۰۵)

ترجمہ: "اور مت ہو (اے جماعت مسلمین!) ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے حکم صاف اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

"یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو اللہ تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہوا کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں

نے ان کے مذہب وقومیت کو تباہ کر ڈالا اور سب کے سب عذاب الٰہی کی زد میں آ گئے۔اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم ومہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کیے جائیں۔افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف وصریح اور مسلم ومحکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔فروعی اختلافات جو صحابہؓ اور آئمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں ان کا آیت مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں''۔(از تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

iv. وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص...O

(ال عمران : ۱۰۳)

ترجمہ:''اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔۔۔''

''سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے۔یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے تو کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل وناقابل اختلال ہو جائے گی۔قرآن مجید سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء واہواء کا تختہ مشق بنا لیا جائے بلکہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو''۔(علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

مذہبی فرقہ بندی دراصل فتنہ پرور اور دنیا اکٹھی کرنے والے نام نہاد علماء کی کارستانی ہے۔یہ سادہ لوح عوام کو قرآن حکیم اور فرامین نبوی ﷺ کا درس نہیں دیتے بلکہ اپنی دکانداری چمکانے کے لیے من گھڑت روایات اور احادیث موضوعہ پیش کرتے ہیں اور یوں اپنے موقف میں سچے ثابت ہوتے ہیں۔آج کے ملا تو اپنے مطلب کی قرآن میں تحریفات معنوی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔جس قوم کے علماء سو قرآن و احادیث نبوی ﷺ کو چھوڑ کر اپنے گرو کی لغویات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتے ہیں اور عوام میں اسکا پرچار کرتے ہیں اس قوم کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔یہ حضرات یہ سب کچھ اپنی انا اور شکم پروری کی خاطر کرتے ہیں۔علامہؒ اقبال نے ان ٹھگ اور دین فروش ملاؤں کے بارے میں سچ فرمایا ہے:

زمن بَر صوفی و ملا سلامے
کہ با مَا گفت پیغام خدا را
وَلے تاویلِ شاں در حَیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰؐ را

(اقبالؒ)

(میری طرف سے صوفی وملا کوسلام ہو کہ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام تو سنایا مگران کی تاویل (عُذرِ بیجا، شرح) نے خدا تعالیٰ جبرائیل اور حضور نبی کریم ﷺ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا (کہ انھوں نے کیا کردیا)۔

علامہؒ صاحب فرقہ بندی کی تباہی کے بارے میں سچ فرماتے ہیں کہ:

''دین ہمیں اکٹھا کرنے کا ایک وسیلہ ہے مگر ہم دین/مذہب کی بنیاد پر ہی ایک دوسرے کے دشمن بن رہے ہیں۔ جتنا مذہبی منافرت نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے وہ کسی جنگ نے نہیں۔''

تفرقہ بازی اتنی بڑی خرابی ہے کہ اس سے بچنے کے لیے وقتی طور پر قوم کی جہالت کو بھی گوارا کر لینا پڑتا ہے۔اس بارے میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے درمیان بنی اسرائیل کی گؤ سالہ پرستی کے بارے میں سوال وجواب ملاحظہ کیجیے:

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝ (طٰہٰ: ۹۴)

ترجمہ: ''انہوں (ہارونؑ) نے کہا میرے ماں جائے نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ میرا سر۔ بیشک مجھے اندیشہ تھا کہ تو کہے گا کہ تو نے تفرقہ ڈال دیا بنی اسرائیل کے درمیان اور نہ رکھا لحاظ میری بات کا۔''

آج پوری مسلم قوم فرقوں میں بٹ گئی ہے کچھ فرقے عقاید میں اختلافات کی بنا پر معرض وجود میں آئے ہیں کچھ محض فروعی مسائل (طریقہ ہائے ادائیگی فرائض وواجبات وسنن ونوافل) میں اختلافات کی بنا پر۔قرآن وسنت کو پیچھا دے کر محض گھڑنتو روایات کا سہارا لے کر اور اس راہ پر ڈالنے والے بانیوں کو اپنا قبلہ بنا

کر ملت ابراہیمؑ کے تشخص کو بری طرح سے ختم کیا جارہا ہے۔ جوقوم خدا کے باغیوں اور مشرکوں سے لڑنے کے لئے تیار کی گئی تھی وہ خود ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہی ہے۔ سند اور معیار کو نظر انداز کیا جارہا ہے جس کے نتیجے میں بمطابق فرمان نبوی ﷺ قوم مسلم تہتر فرقوں میں بٹ کر رہ جائیگی اور ایک ہی طبقہ ان میں سے جنتی ہوگا جو سند اور معیار (قرآن وسنت) کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ پہلی قومیں (یہود ونصاریٰ) بھی وحی الٰہی (کتب سماوی) سے برگشتہ ہوکر اور غلط کاری یا ہوا پرستی کا شکار ہوکر لاتعداد فرقوں میں بٹ گئیں اور تباہ ہوگئیں۔ فرقہ بندی نے مسلمانوں کے مذہب اور قومیت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرقہ پرست قوم مسلم کو جھنجوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ﷺ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی جو ہوتے مسلمان بھی ایک

فرقہ پرستی کے عوامل

سابقہ ادیان اور دین اسلام میں فرقہ بندی کے عناصر میں علماء ومشائخ اور دَرویش شامل ہیں اگرچہ اغنیاء اور بادشاہ بھی اس کارِ بد کے محرک رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ اپنی طرف سے جو کچھ کہتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال لوگ اسی کو سند سمجھ لیتے کہ بس خدا کے ہاں انکا چھٹکارا ہو گیا۔ انہیں آسمانی کتابوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ محض احبار ورہبان کے احکام پر چلتے تھے جن کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا تو حکم شریعت کو بدل ڈالا۔ جو منصب خدا کا تھا یعنی حلال وحرام کی تشریع وہ علماء و مشائخ کو دے دیا گیا۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے عالموں اور پادریوں کو خدا ٹھہرالیا۔ یہی کرتوت امت مسلمہ کے علماء سوا اور نام نہاد آئمہ کا ہے جو سستی شہرت، جاہ طلبی اور توندین بھرنے کی خاطر عوام کو راہِ حق سے برگشتہ کرتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کے علماء اور پادریوں کے دنیا اکٹھی کرنے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.... O (التوبہ : ۳۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش (یہود و نصاریٰ کے) البتہ کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناجائز طور پر اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے۔۔۔۔''

آیت مذکورہ بالا میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علماء اور پادری نذرانے وصول کرنے، ٹکے بٹورنے اور اپنی سیادت قائم رکھنے کے لیے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کر لیں تو ان کی ساری آمدنی بند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حال مسلمانوں کو سنایا تا کہ وہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب علماء و مشائخ اور رؤسا ہیں جنہوں نے خدائی قوانین کو پس پشت ڈال کر خود ساختہ قوانین کو رائج کیا اور یوں اللہ کے شریک ٹھہرے۔ ان علماء اور پادریوں نے اپنے اپنے عقیدت مندوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ فرقے بنا دیئے۔ یہی حال آج امت مسلمہ کے علماء سوء اور نام نہاد آئمہ کی ہے جنہوں نے جاہ طلبی اور شکم پروری کی خاطر اتحاد ملت کو داؤ پر لگا رکھا ہے۔ علامہ اقبال علماءِ و مشائخ کے اس مکروہ کردار کی تصویر کشی یوں فرماتے ہیں:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ
دین کافر فکر و تدبیر و جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

مسلمانوں کے اندر فرقہ سازی میں یہود اور منافقین کا بڑا ہاتھ ہے۔ امت مسلمہ کی شکست و ریخت کے لیے جب کوئی راستہ دکھائی نہ دیا تو خلفائے راشدین کا دور ختم ہوتے ہی انہوں نے اسلامی لٹریچر میں اصول و عقاید اور تاریخی حقائق سے ہٹ کر خود ساختہ روایات کو نہایت چالاکی سے شامل کیا جس کے نتیجے میں مسلم امہ اٹھتے ہی دو بڑے فرقوں میں بٹ کر رہ گئی اور آئندہ کے لیے مزید فرقہ سازی کی راہیں کھل گئیں۔

فرقہ سازی میں اکابر پرستی کو بھی بڑا دخل ہے۔ ہر فرقہ اپنے بانی کے اقوال و عقاید کو سند قرآن و سنت پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی ہر بات پر کٹ مرنے کو تیار ہوتا ہے۔ خدا کے نہیں اپنے مشائخ کے بندے ہوتے ہیں۔ فرقہ پرست لوگ اکثر یہی کہتے سنے جاتے ہیں ''حضرت صاحب نے فرمایا'' نہ کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے فرمایا۔ پیری، مریدی نے جتنی فرقہ پرستی کو ہوا دی ہے شائد کسی اور عنصر نے نہ دی ہو۔

فرقہ بندی کا تدارک

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ تفرقہ بازی میں علماء ومشائخ اور روٴسا کا بڑا ہاتھ ہے۔فتنہ پرور عُلماء کی وجہ سے مسلمان قوم انتشار کا شکار چلی آرہی ہے اور دنیا میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکا۔آج بھی یہی لوگ اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ان کی انا اور چودھراہٹ میں کوئی فرق نہ آئے۔ ہر مسلم ملک عموماً اور پاکستان خصوصاً اس وبا کا شکار ہیں۔ شیطانی منطق بکھیر کر ''مولانا''، ''علامہ''، ''مجدد'' و ''مفسر'' بنے بیٹھے ہیں۔ بادشاہوں سے زیادہ واجب التکریم ہیں۔حکمران طبقہ بھی فرقہ بندی کی حوصلہ افزائی کرکے محفوظ ومامون رہتا ہے اور اسی میں ان کی بہتری ہوتی ہے۔

فرقہ بندی اور انتشار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اور علماء اپنے اپنے فرائض کو پوری ذمہ داری سے ادا کریں۔علماء انانیت، خودغرضی اور افتراق وتفریق کو چھوڑ کر اعتدال اور میانہ روی سے کام لیں۔دین فروشی چھوڑ کر دین کے خادم بنیں۔حکمران خود دین ودنیا کی دوئی ختم کرکے خدا کے گھروں کو نہ صرف آباد کریں بلکہ قیادت، خطابت اور امامت کے فرائض بھی سرانجام دیں۔مساجد میں خلفاءِ راشدین کی طرح خطبات بھی دیں اور امامت بھی کرائیں۔جمعہ کے خطبات مخصوص اور تعمیری نوعیت کے ہوں اور تعلیمات قرآنی سے کسی طور متصادم نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ کے قوانین سے انحراف کرکے خودساختہ قوانین کو لاگو کرنے والے حکمران باغی اور مشرک ہوتے ہوئے عتاب الہیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔مسلمان حکمرانوں کا فرض اوّلین اسلامی نظام قائم کرنا اور دین اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کرنا ہے۔دین کو مذہب بنا کر اس کی باگ ڈور ملاؤں کے ہاتھ تھما دینا حکمرانوں کی سب سے بڑی چال ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان حکمرانوں کو جو قرآن مجید کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے کافر کہا ہے۔

وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ

(المائدہ : ۴۴)

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق حکم نہیں کرتے سو وہی لوگ ہیں کافر۔''

ما انزل اللہ کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور احکام اپنی مرضی سے جاری کردے۔ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور اگر مراد یہ ہو کہ

عقیدۃً تو ان احکام الٰہی کو مان لے مگر فیصلہ عملاً اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہوگا۔

فرقہ بندی نہ صرف شرک ہے بلکہ دین متین اور امت مسلمہ کی شکست وریخت کا باعث بھی بنتی ہے۔ ہمیں للہ فی اللہ فرقہ بندی اور فرقہ پرستی سے اپنا دامن چھڑانا چاہیے اور اس کا واحد حل یہی ہے کہ دین میں روایات کو چھوڑ کر آخری سند قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے اور اصول وعقاید کے علاوہ اجتہادی اور فروعی اختلافات کو آپس میں خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے۔ اتحاد ملت کے لیے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر خدائے رحیم ورحمان کے فضل ورحمت سے جھولیاں بھر لی جائیں اور عالم کفر کو الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کیا جائے! بصورت دیگر ذلت وخواری اور زبوں حالی کا عذاب ہم پر مسلط کر دیا جائے گا (اسکا آغاز ہو چکا ہے) ہمیں چاہیے کہ ہم وحدت ملی کا ثبوت دیں۔ فرقوں اور گروہوں میں بٹ کر عذاب خداوندی کو دعوت نہ دیں۔

دین برحق یا نبی ﷺ فرقوں میں بٹ کر رہ گیا
اپنا دامن اپنے ہی ہاتھوں سے پھٹ کر رہ گیا

(عاصم گیلانی)

ii۔ نفس پرستی

نفس کے لغوی معانی جان، وجود، ہستی، ذات، جی کے ہیں۔ درحقیقت انسان کے اندر پائی جانے والی حیوانیت کو نفس کہا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے تقاضے، جذبات اور شہوات ہیں۔ اگر ان کو کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان بھی حیوان بن جاتا ہے۔ نفس اور شیطان انسان کو برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تزکیہ کے لحاظ سے نفس کی تین قسمیں ہیں 1) نفس امّارہ 2) نفس لوّامہ 3) نفس مُطمئنہ ان کی وضاحت درج ذیل ہے۔

ا۔ نفسِ امّارہ

اپنے جذبات کو اپنا اِلٰہ، معبود ومحبوب، مطلوب ومقصود اور حاکم ومطاع بنالینا۔ اس کے نتیجے میں بندہ شرک، کفر اور گناہ وجرم کو بھی حسین سمجھ کر کرنے لگتا ہے اور اس کے منفی یا سلبی اثرات نفس پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔

ب۔ نفس لوّامہ

نفس امارہ کو اپنی خواہشات یا عواطف وغیرہ کو اپنا الٰہ بنانے سے روکنا اور اس پر اسے سرزنش کرتے

رہنا۔اگراس سرزنش سے نفس امارہ باز آجائے (توبہ واستغفار کے بعد) تو انسان جرم وگناہ کو اسکی اصلی شکل میں دیکھتا ہے اور اسے کرنے سے باز رہتا ہے۔

ج۔ نفس مُطمَئِنَّہ

نفس امارہ کو نفس لوامہ کی سٹیج پر لانے کے بعد انسان حسن عمل کرنے لگ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ کا مالک بن جاتا ہے۔ یہ نفس حکم الٰہی پر چلنے والا اور بری باتوں سے پاک وصاف رہنے والا نفس ہوتا ہے۔

نفس پرستی سے مراد خواہشات نفس کے کہنے پر چلنا، شہوت، عیاشی اور خودغرضی کے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور پیروی کے بجائے جو جی میں آئے اور من کو بھائے وہ کرنا۔تمام غلط پرستشوں کی جڑ نفس پرستی ہے اور سب سے بڑا بُت ہمارا نفس ہے اس لحاظ سے نفس پرستی یعنی اپنے جذبات کو معبود بنالینا شرک ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اسی آسمان کے نیچے اللہ تعالےٰ کے سوا جتنے بھی معبود پوجے جاتے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جارہی ہے۔''

نفس پرستی کی مذمت اور انجام بد کے بارے میں پہلے قرآنی آیات اور بعد میں فرامین نبوی ﷺ اور اقوال صالحین رقم کیے جائیں گے۔

القرآن

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ (الجاثیہ : ۲۳)

ترجمہ: ''بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو اور گمراہ کردیا اس کو اللہ نے جانتے ہوئے اور مُہر لگادی اس کے کان پر اور دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھ پر پردہ۔پھر کون ہدایت کرے اس کو اللہ کے سوا پس کیا تم غور نہیں کرتے؟''

''جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرالے، جدھر اس کی خواہش لے چلے ادھر ہی چل

پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اس کے پاس یہی خواہش نفس رہ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں اور نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے اور نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے تو کونسی طاقت ہے جو اس کے بعد اسے راہ راست پر لے آئے''۔ (از تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

۲. فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَ هُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (القصص: ۵۰)

ترجمہ: ''پھر اگر وہ جواب نہ دے سکیں آپ ﷺ کو تو جان لیجیے کہ وہ تو پیروی کر رہے ہیں خواہشوں کی اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرے اپنی خواہشوں کی بغیر ہدایت الٰہی کے۔ بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم (مشرک) لوگوں کو۔''

''جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے۔ جس چیز کو من نے چاہا مان لیا اور جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں (مشرکوں) کو ہدایت ہو سکتی ہے؟ اللہ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ رکھتی ہو۔'' (ایضاً)

نفس پرستی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے بھٹکائے ہوئے اور رد کیے ہوئے انسان ہوتے ہیں اس لیے ان کو کوئی بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۳. بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآئَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○ (الروم: ۲۹)

ترجمہ: ''بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے۔ سو کون سمجھائے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں ان کا مددگار۔''

یہ بے انصاف لوگ صاف اور واضح باتوں کو کیوں کر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔

۴. اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَیۡهِ وَكِیۡلًا ۙ۝

(الفرقان: ۴۳)

ترجمہ: ''بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہشات کا۔ کہیں آپ ﷺ ہو سکتے ہیں اس کے ذمہ دار''۔

''آپ ﷺ ایسے ہوا پرستوں (حق کو نہ ماننے والوں) کو راہ ہدایت پر لے آنے کی ذمہ داری دے سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش نفس ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے؟ جو بات خواہشات کے مطابق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے، کل دوسرا اس سے ذرا خوبصورت مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا''۔ (از تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

۵. ....اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِیۡقًا كَذَّبۡتُمۡ ۫ وَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ۝(البقرہ: ۸۷)

ترجمہ: ''۔۔۔پھر کیا جب تمہارے (یہود کے) پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی (نفس) کو تو تم اکڑ بیٹھے۔ پھر ایک فریق (جماعت) کو تم نے جھٹلایا اور ایک کو تم نے قتل کیا۔''

یہود نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا (کہ وہ جھوٹے ہیں) اور حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا۔ جس کسی نے اپنے جی کو خواہش سے روکا وہی بہشت میں جانے کا حق دار ہوگا۔ نفس پرست جو احکام الٰہی کو چھوڑ کر ہوا پرستی اور جہالت سے محض اوہام اور خواہشات کی پیروی پر تلے ہوتے ہیں داخل جہنم ہونگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۶. وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی ۙ۝ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی ۝ (النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: ''اور جو کوئی ڈرا ہوا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے نفس کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانہ۔''

۷. قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس: ۹)

ترجمہ: ''تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس (نفس) کو سنوار لیا۔''

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت اِلٰہیہ کا تابع فرماں بنائے تا کہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔

نفس انسان کو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے۔ نفس کی پاکی کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ ہی کی کرم نوازی ہے جو انسان کے نفس کا تزکیہ فرما دے اور راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اس بارے میں فرمان الٰہی ملاحظہ کیجیے۔

۸. وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ ....O (یوسف : ۵۳)

ترجمہ: ''اور میں (یوسفؑ) اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بیشک انسان کا نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے۔''

حضرت یوسفؑ نے اپنی برات پر فخر نہیں کیا تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت تھی کہ وہ گناہ سے بچ نکلے۔ اللہ کی توفیق اور دستگیری نہ ہوتی تو ان کا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا۔

احادیث نبوی ﷺ

۱۔ حضرت شدادؓ بن اوس روایت کرتے ہیں:

''فرمایا رسول اللہ نے عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا اور موت کے بعد آنے والے وقت کے لیے کمائی کر لی۔ بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ پر (اس کی رحمت کی) امید رکھتا ہے۔'' (ابن ماجہ، ترمذی)

۲۔ ''مجاہد (کامل) وہ شخص ہے جو اللہ کی اطاعت کی راہ میں نفس کے خلاف جہاد کرے اور مہاجر (کامل) وہ ہے جو چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ جائے۔'' (ابن ماجہ، ترمذی)

بزرگان دین

i۔ ''تمھارا سب سے بڑا دشمن تمھارا وہ نفس ہے جو تمھارے پہلوؤں کے بیچ میں ہے''۔ (اَحیاء العلوم، امام غزالیؒ)

شیخ عبدالقادرؒ جیلانی نے فرمایا۔

ii۔ ''اللہ اور بندے کے درمیان صرف نفس (خواہشات) کا حجاب ہے۔ جب نفس درمیان سے جاتا رہا حجاب بھی جاتا رہا''۔ (غنیۃ الطالبین)

iii۔ ''حضور ﷺ نے دنیائے انسانیت کو جو پیغام دیا ہے وہ یہ کہ مومن سب سے پہلے طاغوت کا انکار کرے خواہ وہ شیطان کی شکل میں ہو یا نفس امارہ کی شکل میں یا وہ بیوی بچے، اعزہ و اقارب، خاندان، دوست، سوسائٹی، مذہبی و سیاسی رہنما اور امراء و حکام کی شکل میں ہو ان سب کی بندگی کا انکار کر کے وہ خدا کی بندگی کا عہد کرے۔'' (غنیۃ الطالبین)

شیطان کے بعد انسان کا بدترین دشمن اس کا نفس امارہ ہے اور کاٹ کے لحاظ سے یہ تمام موذی جانوروں سے زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہے۔ اس کی کاٹ کے گھاؤ کا پتہ تو قیامت کے دن ہی معلوم ہوگا۔ اس دنیا میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

نہنگ و اژدھا و شیر نَر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس کی خواہشات کی کوئی حد نہیں۔ اگر ایک خواہش پوری ہوگئی تو انسان دوسری کے حصول کے لیے دوڑ لگا دیتا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں زندگی کھپا دیتا ہے۔ مرتے دم تک اس کی بے شمار نفسانی خواہشات حسرتیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ غالب نے انسان کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب تو ناکردہ گناہوں کی حسرت کی داد بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے کہ جو گناہ وہ اپنی زندگی میں نہیں کر پایا اور ان کی دل میں جو حسرت رہ گئی تھی اس کا بھی اسے صلہ دیا جائے۔ توبہ! توبہ!

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر کردہ گناہوں کی کوئی سزا ہے

نفس کے خلاف جہاد کا مطلب نفس کشی نہیں بلکہ نفس پر کنٹرول کرنا ہے۔ اسلام رہبانیت کا درس نہیں دیتا کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل کی راہ لو بلکہ معاشرہ میں رہتے ہوئے شیطان اور نفس امارہ کا مقابلہ کرو، یہی

نیکی اور سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کے حقوق بھی متعین کیے ہیں۔ ان حقوق میں بھوک مٹانے کی حد تک کھانا، اپنی اوقات کے مطابق لباس ورہائش مہیا کرنا، جسمانی صحت کو برقرار رکھنا۔ کام کے وقت کام اور آرام کے وقت آرام کرنا، خودداری قائم رکھنا، عزت نفس کا خیال رکھنا، کسی کی محتاجی سے بچنا وغیرہ شامل ہیں۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نفس کو بے لگام نہ چھوڑ دیا جائے اور اس کی ہر خواہش پر لبیک نہ کہا جائے۔ لذات نفسانی سے جس حد تک ہو سکے پرہیز کیا جائے۔ زندگی قرآنی اوامر ونواہی کے مطابق بسر کی جائے۔ شریعت اسلامی پر عمل کرنے سے ہی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:

"وضع الشریعة علی تکون اهوآء النفوس تابعةً لِمَقصوُد الشارع فیها"

(شریعت اس لیے وضع کی گئی ہے کہ نفسانی خواہشات شارع کے مقصود کے تابع بنیں۔)

iii۔ تکبر

تکبر انسان کی ایک خصلت ہے جس کے تحت وہ اپنے اندر پائی جانے والی کسی نمایاں صفت میں اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمچو ما دیگرے نیست (ہمارے جیسا اور کوئی نہیں) ۔ کبر ونخوت کی ہوا جس انسان کے اندر پیدا ہو جائے وہ دوسروں کو اپنے سامنے گھٹیا اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے۔ تکبر انسان یا تو اللہ کے ساتھ کرتا ہے یا انبیاء کے ساتھ یا اپنے جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تکبر کرنے والوں میں فراعنہ، نمرود اور ان سے پہلے ابلیس تھے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تکبر کرنے والے قریش مکہ تھے۔ تکبر کرنے والوں کو دوسروں کی حق بات بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس قسم کے لوگ دینی معاملات میں جھگڑے کھڑے کر دیتے ہیں اور حق بات ماننے کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ حسن اخلاق سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ جو شخص خواجگی، بڑائی اور خودنمائی وخودبینی سے مغلوب ہو چکا ہو اسے جو چیز اپنے لیے پسند ہو وہ دوسروں کے لیے پسند نہیں کرتا۔ نہ ہی ایسا شخص کسی سے عاجزی سے پیش آ سکتا ہے۔ کینہ، حسد اور قہر و غضب پر قابو پانا ایسے شخص کے لیے محال ہوتا ہے۔ اس کا دل کدورت اور غبار سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ جو لوگ واقعی صفت کمال کے مالک ہوتے ہیں وہ کسی طور تکبر کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

تکبر کے اسباب

کبر وغرور کے اسباب بہت سے ہیں لیکن عام طور پر دنیادار لوگ جن چیزوں پر غرور کرتے ہیں وہ ہیں علم، زہد وعبادت، حسب نسب، حسن و جمال، مال و دولت، جسمانی قوت واعوان و انصار کی کثرت اور شاگردوں، غلاموں اور نوکروں پر اپنی برتری اور خواجگی جتانا وغیرہ۔ ان اسباب کی تشریح وتوضیح درج ذیل ہے:

۱۔ علم

تکبر کے اسباب میں غالباً سب سے بڑا سبب علم ہے اور علم بھی دنیوی علم نہیں بلکہ دینی علم ہے جس کے عالم، علامہ، مفتیاں، ذاکر اور واعظ زیادہ تر علمی افتخار کا شکار ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ علماء جبار وقہار بھی ہوتے ہیں۔ باقی سب انسانوں کو علمی لحاظ سے خود سے کم تر بلکہ جاہل اور لاعلم سمجھتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ پڑھ کر ان پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ ان کے خادم ان کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ عالم ہونا بزعم خود ان کا دنیا پر بڑا احسان ہوتا ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں وہ دوسرے طبقات سے زیادہ اللہ کے قریب ہوں گے اور دنیا میں ہر کوئی ان کی ہدایت ودعا وبرکت کا سخت محتاج ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اپنے آپ کو بزرگ تصور کرنا علم کی بہت بڑی آفت ہے''۔

علمائے حق علمی تفخر سے ہمیشہ اپنے کو دور ہی رکھتے ہیں۔ وہ علامہ، مجدد ومحدث ومفتی و''اعلیٰحضرت عظیم البرکت''، وغیرہ جیسے القاب اور اعزازات سے خود کو بچائے رکھتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں:

''علم جس قدر زیادہ ہوتا جاتا ہے مصیبت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی جاتی ہے''۔

ذاکر وواعظ وعلامہ صاحب حضرات لچھے دار تقریریں اور جھوٹی منطق پیش کر کے سامعین سے داد سمیٹتے ہیں۔ کم علموں کو اپنی علمیت سے مرعوب کرتے ہیں۔ عمل پیرا ہونا ان کا مقصد ہی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے متکبر علماء کے بارے میں فرمایا:

''اے لوگو! متکبر وجبار علماء میں سے ہونے کی کوشش مت کیجو کہ اس صورت میں تمھارا علم تمھاری جہالت کا ساتھ نہ دے سکے گا''۔

۲۔ زہد وعبادت

تکبر کا ایک اور بڑا سبب زہد وعبادت وریاضت ہے۔ پنج وقت کی نماز، روزے، تہجد اور نوافل ادا

کرنے والے دن رات تسبیح وتہلیل کرنے والے حاجی وصوفی حضرات عامۃ الناس سے پرے پرے رہتے ہیں اورنظریں اونچی رکھتے ہیں۔ بڑی بے توجہی سے ان سے علیک سلیک کرتے ہیں۔اس طرح سے لوگ ان سے مرعوب ہوتے ہیں اور وہ ایک اعلیٰ طبقہ کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے فرماتے ہیں:

''متکبر زاہد سے جذبہ استغفار رکھنے والا فاسق اچھا ہے۔ درحقیقت جس شخص نے اپنے آپ کوافضل تصور کیااس نے اپنی حماقت و بے وقوفی سے اپنی عبادت کورائیگاں کردیا۔ کیونکہ جہالت سے بڑھ کرکوئی گناہ نہیں''۔

۳۔ حسب نسب اورخاندانی برتری

تکبر وتفخر کی ایک اور وجہ انسان کا حسب نسب اور خاندانی امتیاز ہے۔ رنگ، نسل، ذات پات کی برتری کا تخیل نہ صرف تکبر پیدا کرتا ہے بلکہ انسانی معاشرہ کوتہس نہس کرکے رکھ دیتا ہے۔اسلام ذات پات اور رنگ ونسل کے بتوں کوتوڑنے کے لیے آیا ہے۔اسلام میں عزت وتکریم کی نہاد حسب نسب، ذات پات اوررنگ وخوں نہیں بلکہ تقویٰ میں ہے۔نسلی امتیاز کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

....اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.... O(الحجرات : ۱۳)

ترجمہ:''۔۔۔۔تحقیق تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت وتکریم والا وہ ہے جوسب سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہے یعنی خدا سے ڈرتا ہے۔۔۔۔''

جہاں تک گورے اور کالے کی تمیز کا تعلق ہے تو اسلام نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر ترجیح دیتا ہے۔اس بارے میں ایک حدیث مبارکہ ہے کہ: حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک دن ایک شخص سے جھگڑے کے دوران اسے ''حبشی بچہ'' (یعنی سیاہ فام) کہہ کر پکارا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذرؓ! بے قابو کیوں ہوتے ہو؟ گورے کے بچے کو آخر کالے کے بچے پر کس لحاظ سے فضیلت حاصل ہے؟'' ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے یہ الفاظ سن کر میں زمین پر لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا کہ وہ اپنا پاؤں میرے منہ پر رکھ دے (جس سے متکبرانہ الفاظ نکلے)۔

اسی طرح آپ ﷺ کی ذات سید السادات ہوتے ہوئے بھی خود کو ''یا سیّدی'' نہیں کہنے دیتے تھے۔سبحان اللہ! اس بارے میں ایک حدیث سے استفادہ کیجیے۔

"عن عبداللّٰہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ قال الطلقت فی وفد بنی عامر الی رسول اللہ ﷺ فقلنا انت سیدنا. فقال السید اللہ تبارک و تعالیٰ" (رواہ ابو داؤد)

(حضرت عبداللہ بن شخیر بیان کرتے ہیں کہ میں بنی عامر کے ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی آپ ﷺ ہمارے سردار (سیّد) ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سردار (سیّد) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بابرکت اور بلند ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتیں اور برادریاں اس نے اس لیے ٹھہرائیں کہ ایک دوسرے کو لوگ شناخت کر سکیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کوئی ذات، نسل اور برادری کسی دوسری ذات، نسل اور برادری سے افضل نہیں۔ اس بارے میں فرمان الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(الحجرات : ۱۳)

ترجمہ: "اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیں تمہاری شاخیں اور قبیلے تا کہ تمھیں آپس میں پہچان ہو۔ بیشک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا اور خبردار ہے۔"

"اکثر غیبت، طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا چھوٹا بڑا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات، خاندان اور نسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیز گار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے انسان ایک مرد اور ایک عورت سے یعنی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کرے وہ ایک موہوب

(عنایت کیا گیا) شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے۔ لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں شکر کرنا چاہیے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں بلکہ تقویٰ و طہارت ہے اور متقی انسان دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا''۔ (از تفسیر القرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

علامہ اقبالؒ نے رنگ و خوں اور حسب نسب کو معیار فضیلت بنانے والی قوم مسلم کو جھنجوڑتے ہوئے فرمایا ہے:

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا

بلھےؒ شاہ نے خاندانی اور نسبی بتوں کو پاش پاش کر کے اپنے عمل اور جذب و مستی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ عجمی، حبشی، ہندی اور عربی امتیازات ملت اسلامیہ اور فروغ دین کے لیے زہر قاتل ہیں۔ خود سید تھے لیکن سادات کے شرف کو اپنے شیخ کامل حضرت پیر شاہ عنایت قادری لاہوری جو کہ ارائیں تھے کی ذات میں اس طرح مدغم کر دیا کہ پیر اور مرید کو الگ کر کے دیکھنا محال ہو گیا۔ تقریباً تین صدیوں سے بلھے شاہ ہماری نظروں سے غائب ہیں لیکن رشد و ہدایت اور متحرک فلسفہ و تصوف کے دیپ جو آپ نے جلائے وہ آج بھی پوری آب و تاب سے روشن ہیں۔

۴۔ حُسن و جمال، مال و دولت اور جسمانی قوت

انسان حُسن و جمال کے تکبر کا جلد شکار ہو جاتا ہے۔ مال و دولت پر اترانے والوں کی بھی کمی نہیں۔ اپنے مال و دولت کو خدا تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں بلکہ اپنی عقل و محنت کا حصول سمجھتے ہیں اور شیخیاں بگھارتے ہیں۔ اپنے سے مالی لحاظ سے کمزور انسانوں خاص کر رشتہ داروں سے نفرت کرتے ہوئے ان سے میل ملاپ چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ اونچ نیچ بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ جسمانی لحاظ سے مضبوط اور طاقتور لوگ بھی تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جسمانی قوت کو خدائی عطا سمجھ کر اس کا شکر ادا کرنے اور عاجزی اختیار کرنے کے بجائے اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے سے کمزور ہمسائیوں کے لیے سوہان روح بنے رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جو چیز بھی آدمی کے نزدیک نعمت کا درجہ رکھتی ہے وہی چیز اس کے لیے باعث تکبر بن

جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نعمتیں اور محرومیاں دے کر انسان کو آزماتا ہے کہ وہ کس قدر اپنے مالک حقیقی کا شکر ادا کرتا ہے یا کس قدر صبر کرتا ہے مگر یہ انسان شکر کہاں ادا کرتا ہے الٹا تکبر کرنے پر اتر آتا ہے کہ اس میں پائی جانے والی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نہیں بلکہ اس کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ تکبر کا مطلب کفران نعمت کرتے ہوئے اپنے آدم زاد بھائیوں کو اپنے سے حقیر سمجھنا ہے اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہ بہت بڑا شرک ہے۔

اظہار تکبر کی صورتیں

تکبر و تفاخر کے اظہار کی کئی صورتیں ہیں۔

ا۔ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن اکڑا کر رکھے اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔

حدیث مبارکہ ہے:

''حضور نبی کریم ﷺ سے صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ تکبر کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تکبر یہ ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے سامنے گردن نرم نہ کرے (اکڑ ائے رکھے) اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔''

۲۔ متکبر شخص زمین پر لوگوں کے سامنے گردن لمبی کر کے، پاؤں دبا کر اور سینہ تان کر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ (بنی اسرائیل :۳۷)

ترجمہ: ''اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا، تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے پھر ایسے ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے فائدہ کیا''۔

۳۔ تکبر کے اظہار کی ایک اور صورت ہے اور وہ ہے گال پھلا کر لوگوں سے بات کرنا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰہَ

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍO (لُقمٰن :۱۸)

ترجمہ: ''اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا، بیشک اللہ کونہیں بھاتا کوئی اتراتا، بڑائیاں بیان کرنے والا۔''

۴۔ تکبر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگ بڑائی کے طور پر اپنے ناموں کے شروع میں بذات خود آداب والقابات کا اضافہ کرتے ہیں۔ آداب والقاب کا اپنے ناموں کے ساتھ اضافہ کرنا اگر وہ خلاف واقعہ ہوں تو جھوٹ ہے اور اگر واقعہ کے مطابق ہوں تو فخر وغرور کا ذریعہ ہیں۔

۵۔ تکبر کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ جاہل انسان غرور سے اپنے لباس کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس حرکت کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص غرور سے اپنے کپڑے گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہ دیکھے گا۔'' (ابن ماجہ)

تکبر کی مذمت اور انجام بد

شرک خفی یا شرک اصغر کی اقسام میں تکبر نہایت ہی قابل مذمت اور لائق نفرت ہے۔ روز محشر متکبرین کو چیونٹیاں بنا کر اٹھایا جائے گا جن کو لوگ پاؤں تلے روندتے ہوئے گزریں گے۔ تکبر وتفخر کی مذمت اور اس کے انجام بد کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں:

القرآن

۱۔ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَO (النحل : ۲۹)

ترجمہ: ''پس داخل ہو دروازں میں دوزخ کے، رہا کرو سدا اُسی میں۔ سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور کرنے والوں کا''۔

حق کے سامنے اکڑنے والوں کا برا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۲۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ... O(الاعراف :۱۴۶)

ترجمہ: ''میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔''

جولوگ خدااور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں انھیں نخوت وغرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کوقبول کریں۔اس پر ہم بھی ان کے دل اپنی آیات (نشانات، احکام الٰہی) سے پھر دیں گے کہ آئندہ ان سے مُنتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی۔

۳. اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ (النساء : ٣٦)

ترجمہ: ''بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا، بڑائی کرنے والا۔''

۴. ....اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (الزمر : ٦٠)

ترجمہ: ''کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور والوں کا؟''

۵. ....اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ (النحل : ٢٣)

ترجمہ: ''بیشک وہ (اللہ) نہیں پسند کرتا غرور وتکبر کرنے والوں کو؟''

۶۔ متکبر ابلیس نے جب آدم کو سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ذلیل ورسوا کر کے عالم بالا سے نیچے زمین پر دے مارا۔اللہ کا ارشاد ہوا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (الاعراف: ١٣)

ترجمہ: ''کہا تو اتر یہاں سے، تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔پس باہر نکل تو ذلیل ہے۔''

الحدیث

۱۔ حضرت جابرؓ حضور نبی ﷺ کریم سے روایت کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں اٹھائے گا۔لوگ ان کو اپنے قدموں سے روندیں گے۔پوچھا جائیگا: ''یہ چیونٹیوں کی شکل میں کون لوگ ہیں؟''

اللہ کی طرف سے بتایا جائے گا: ''یہ دُنیا میں تکبر کرنے والے لوگ ہیں''۔

(ترغیب وترہیب بحوالہ مُسندِ بزاز)

۲۔ ''---جنت کی خوشبو باوجود اس کے کہ اس کی لپٹ (مہک) ایک ہزار سال کی مسافت تک جاتی

ہے لیکن بخدا اتنی تیز خوشبو سے بھی وہ شخص محروم رہے گا جو والدین کا نافرمان ہو اور رشتہ داروں کے حقوق برباد کرنے والا ہو اور بوڑھا زانی اور وہ جو اپنا تہبند ازراہ تکبر ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے۔ بڑائی اور اقتدار تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے۔'' (رواہ جابرؓ بن عبداللہ۔طبرانی)

۳۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

۴۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سورہ حجرات کی آیت ۱۳ (پیچھے نقل کی گئی ہے) کی تشریح کی اور فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے تمہارے دور جاہلیت کے غرور اور باپ دادا پر فخر کرنے کے طریقہ کو مٹا دیا۔ اب صرف دو قسم کے آدمی ہیں، مومن پرہیز گار اور بدکار و بدبخت۔ تم لوگ آدم کے بچے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ لوگ ایسے لوگوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو جہنم کا کوئلہ ہیں یا خدا کے نزدیک اس گیریلے سے بھی زیادہ بدتر جو اپنے منہ سے نجاست کو گھسیٹتا چلتا ہے۔'' (ترمذی)

۵۔ بزرگی و کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے کہ محض اِسی کی صفت ہے۔ پھر ایک ناچیز و حقیر و ضعیف و ناتواں بندہ کہ عاجز محض ہے اور کسی چیز پر ذرّہ بھر اختیار نہیں رکھتا وہ بزرگی کا دعویدار کیونکر ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''عظمت و کبریائی تو خاص طور پر مجھ سے مخصوص ہیں کہ میری صفات خاص ہیں۔ پس ان دونوں صفات میں اگر کوئی میرے ساتھ تنازعہ کرے گا تو میں اسے ہلاک کردوں گا۔'' (حدیث قدسی)

۶۔ حدیث میں ہے کہ ''گزشتہ لوگوں میں ایک شخص، ایک جوڑا پہن کر اتراتا ہوا نکلا تو اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کو پکڑ لے۔ زمین نے اس کو پکڑ لیا اور اب وہ قیامت تک اس زمین میں دھنسا چلا جا رہا ہے''۔ (ترمذی)

تکبر کا علاج یہی ہے کہ انسان اپنی اوقات (حقیر چیز نطفہ سے پیدا کیا گیا) کو پہچان لے اور یہ پہچان اُس کے باطن سے تکبر کے مادے کو نکال باہر کرے گی اور اسے اپنے آپ سے کمتر کوئی شخص دکھائی نہ دے سکے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جس حال میں ہو اس کے قول و فعل میں عاجزوں اور مسکینوں کا انداز

نمایاں رہنا چاہیے۔ انسان اپنے معبود حقیقی کو جانے اور پہچانے تا کہ اُس پر یہ حقیقت کھل جائے کہ کبریائی اور بڑائی سوائے اس ذات کے کسی اور کو زیب نہیں دیتی۔

iv۔ ریاکاری

ریاکاری کے لغوی معانی ہیں ظاہر داری، زمانہ سازی، فریب کاری اور دکھاوا کے۔ اصطلاحاً ریا کاری کے معانی ہیں وہ عمل اور حکم بجا آوری جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو بلکہ اس میں مخلوق خدا کی رضا، خوشنودی، اعتماد اور داد وصول کرنا بھی شامل ہو۔ ریا کاری جاہ وحشم کے لالچ کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کی تین جڑیں ہیں:

۱۔ ثنا اور تحسین وآفرین حاصل کرنے کی خواہش نفس۔

۲۔ مذمت کا ڈر۔

۳۔ خلقِ خدا سے طمع۔

ریا کاری میں دوہرا نقصان ہوتا ہے۔ ایک تو ریا کار کی عبادت، ریاضت، سخاوت وشہادت رائیگاں جاتی ہے دوسرے وہ شرکِ خفی کا مرتکب ہو کر عتاب الٰہی کا شکار بن جاتا ہے۔ مزید برآں ریا کاری شرک ہی نہیں بلکہ اس میں رب ذوالجلال کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ ریا کار اللہ کو حقیر جانتا اور اس سے مذاق کرتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ دیکھو! میرا بندہ کس طرح میرا ہی مذاق اڑا رہا ہے۔''

ریا اور نمائش اعمال کی اصل شکل وصورت کو بگاڑتی ہے۔ اسی لیے حضور سرور کائنات ﷺ نے اس کے ایک ایک ریشہ کی بیخ کنی ضروری سمجھی اور اپنی امت کو اس کی ہر گھات سے آگاہ فرمایا۔ حضرت شداد بنؓ اوس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو روتے ہوئے دیکھا اور اس کا مطلب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میری امت (کہ موحدین کی امت ہے) شرک میں مبتلا ہو جائے گی اور اس شرک کی صورت یہ نہ ہوگی کہ وہ آفتاب کی پرستش یا چاند کی پوجا شروع کر دیں گے بلکہ یہ ہوگی کہ وہ ریا کاری کے طور پر عبادت کرنے لگیں گے۔''

حضور ﷺ سرورِ کائنات نے فرمایا:

۲۔ ان یسیر الریآء شِرکٌ (مشکوۃ، رواہ عمرؓ بن الخطاب)

(تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے)

۳۔ ''مجھے اپنی امت کے بارے میں کسی چیز کا خوف اتنا زیادہ نہیں جتنا کہ اس چھوٹے شرک کا ہے جسے ریا کاری کہتے ہیں اور فرمایا ''قیامت کے دن اللہ فرمائے گا: اے ریا کارو! جاؤ انہی لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کی خاطر تم عبادت کیا کرتے تھے۔ اب جاؤ انھی سے اپنا اجر طلب کرو'' اور فرمایا ''حق تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل قابل قبول نہیں ہے جس میں ریا کا شائبہ تک بھی موجود ہو''۔

۴۔ حضرت معاذؓ کو روتے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولے ''میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ریا چاہے ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو پھر بھی شرک میں داخل ہے اور فرمایا: ''قیامت کے دن ریا کار کو کچھ اس طرح مخاطب کیا جائیگا۔'' ''او نابکارا بے اور یا کار، اے غدّار مکّار! سن (اور کان کھول کر سن) کہ تیرے اعمال اکارت گئے اور تیرا اَجل باطل ہو چکا۔ اب تو صرف اسی شخص سے اپنا اجر طلب کر جس کی خاطر (یعنی جس کو دکھانے یا خوش کرنے کے لیے) تو سارے عمل کیا کرتا تھا۔''

ریا کاری کے ذرائع

پیچھے ریا کاری کی جڑوں یعنی اسباب کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں ثنا و تحسین و آفریں کی خواہش، مذمت کا ڈر اور خلق خدا کا اعتماد حاصل کر کے دنیوی فوائد حاصل کرنا۔ اب جن چیزوں اور ذرائع سے انسان ریا کاری کا کھیل کھیلتا ہے ان پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۔ شہادت، سخاوت، علمیت

اسلامی معاشرہ میں تین طبقے افضل شمار ہوتے ہیں۔ ایک شہدا، دوسرا علما اور تیسرا اسخیا اس لیے انھی سے ابتدا کرتے ہیں کہ ریا کاری کا شکار ہو کر وہ کس طرح اپنے اعمال ضائع کر کے دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے زمین پر تشریف فرما ہوں گے۔ ہر جماعت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلے

اللہ تعالیٰ جن اشخاص کو بلائیں گے ان میں سے ایک آدمی وہ ہوگا جس نے قرآن پاک یاد کیا ہوگا اور ایک وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہا ہوگا اور ایک بہت مالدار آدمی ہوگا۔ اللہ تعالےٰ قرآن کے عالم سے فرمائیں گے ''کیا میں نے تمھیں وہ کتاب نہیں سکھائی تھی جو میں نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی تھی؟'' وہ کہے گا ''جی ہاں یارب۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ''پھر تو نے اپنے علم پر کیسے عمل کیا''۔ وہ کہے گا۔ ''میں رات دن اس میں مشغول رہتا تھا''۔ اللہ فرمائے گا ''تو نے جھوٹ کہا''۔ اور فرشتے اسے کہیں گے ''تو نے جھوٹ کہا۔'' اللہ فرمائے گا! ''تیری نیت تو یہی تھی کہ کہا جائے فلاں آدمی (بڑا) قاری اور عالم ہے۔ وہ دنیا میں کہا جا چکا ہے''۔ اسی طرح صاحب ثروت شخص کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے۔ ''کیا میں نے تجھے (مالی) آسودگی نہیں بخشی تھی؟ حتیٰ کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہ رہنے دیا''۔ وہ کہے گا ''جی ہاں یارب''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''پھر تو نے میرے دیئے ہوئے مال کا کیا کیا؟'' وہ کہے گا ''میں رشتہ داروں پر احسان کیا کرتا تھا اور سب ضرورت مندوں پر صدقہ کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''تو جھوٹا ہے''۔ فرشتے بھی کہیں گے ''تو جھوٹا ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''تو یہ چاہتا تھا کہ لوگ کہیں: ''فلاں آدمی بہت سخی ہے''۔ وہ دنیا میں کہا جا چکا۔'' اسی طرح اللہ کی راہ میں قتل (شہید) ہونے والے کو حاضر کیا جائیگا۔ اللہ اس سے فرمائیں گے: ''تجھے کس لیے قتل کیا گیا؟'' وہ کہے گا: ''مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم ملا تو میں جنگ کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔'' اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے ''تو جھوٹا ہے'' فرشتے بھی اسے کہیں گے ''تو جھوٹا ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''تیری خواہش صرف یہ تھی کہ کہا جائے: ''فلاں آدمی بہت بہادر ہے۔ وہ کہا جا چکا''۔ اس کے بعد جناب نبی کریم ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ابو ہریرہؓ! یہ تین شخص ہیں جو قیامت کے دن تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے''۔ (سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۴۹)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سخی کا مقام بہت بلند ہے بشرطیکہ اس کی سخاوت میں ریا کاری کی آمیزش نہ ہو۔

اگر وہ ریا کاری کے طور سخاوت کرتا ہے تو اس سے برا آدمی اور کوئی نہیں۔ صدقات وخیرات میں ریا کاری کی وعیدیں بے شمار ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی، پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف۔ کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو۔''

صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لیے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ اُسے سخی کہیں۔ اس طرح کی خیرات کا بھی کچھ ثواب نہیں ملتا۔ باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہ ابطال صدقہ کے لیے قید وشرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہوتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا کوئی مومن ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریا کاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔ پھر صدقہ کے لیے نیت شرط ہے۔ اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی۔ جب مینہ برسا تو بالکل صاف رہ گیا۔ اب اس پر دانہ کیا اُگے گا۔ ایسے ہی صدقات میں ریا کاری کا شکار لوگوں کو کیا ملے گا؟

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس سے خود جہنم بھی ہر روز چار سو بار پناہ مانگتا ہے۔ یہ

وادی (گڑھا) حضور ﷺ کی امت کے ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کتاب اللہ کے عالم کے لیے، صدقہ وخیرات کرنے والے کے لیے، بیت اللہ کا حج کرنے والے کے لیے اور خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنے والے کے لیے۔'' (ابنِ ماجہ)

۲۔ عبادت

عبادت وریاضت میں سب سے زیادہ ریاکاری کو دخل ہے۔ حق تعالیٰ کی عبادت میں ریاکاری سے کام لینا گناہ کبیرہ اور شرک خفی ہے۔ جس عبادت کا مقصد لوگوں سے راد حاصل کرنا اور انھیں اپنا معتقد بنانا ہو اسے عبادت میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے۔ وہ عبادت لوگوں کی پرستش ہوئی نہ کہ خدا کی۔ اور اگر اس میں لوگوں کی پرستش کے ساتھ حق تعالیٰ کی پرستش بھی شامل ہو تو اسے شرک کہا جائے گا۔ پھر شرک یہی نہیں کہ آدمی کسی بت کے آگے سجدہ کرے اور چڑھاوے چڑھائے بلکہ بڑے سے بڑا نیک آدمی دوسروں کو خوش کرنے، دکھانے اور ان کی نظر میں نیک اور پاکباز بننے کی نیت کرتا ہے تو حقیقتاً وہ شرک کرتا ہے کیونکہ خوشنودی خدا تعالیٰ کا حق ہے اور اس نے یہ حق دے دیا غیر خدا کو۔ حدیث مبارکہ ہے:

" قال ان الله عزاوجل لا يقبل من العمل الا ما كان له خالصا و ابتغى وجهه." (ابوداؤد، نسائی۔ راوی ابوامامہؓ)

ترجمہ: ''کہا حضور ﷺ نے بیشک اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرے گا ماسوائے ایسا عمل جو صرف اسی کے لیے کیا گیا ہوگا اور اسی کی خوشنودی اس عمل کی محرک ہوگی۔''

عبادات میں ظاہری وبدنی ہیئت وشکل سے دھوکا اس طرح دیا جاتا ہے کہ ریاکار نماز پڑھتے ہوئے اگر دور سے کسی کو آتا دیکھ لیتا ہے تو نماز بڑے اہتمام اور خشوع وخضوع سے شروع کرتا ہے۔ گردن آگے کو جھک جاتی ہے۔ صرف دکھاوے کے لیے رکوع وسجود میں قیام طویل تر ہو جاتا ہے، نہ ادھر ادھر کہیں دیکھتا ہے، چہرہ مسکینوں جیسا بنالیتا ہے، ذکر اللہ میں وجد میں آکر سر دائیں بائیں پھیرتا ہے اور حق ھو کی آوازیں بلند کرتا ہے۔ حج ''الحاج'' کہلانے کے لیے کرتا ہے، لوگوں کے سامنے نماز پڑھ لی بعد میں چھوڑے رکھی۔ درویش کہلانے کے لیے ظاہری فاقہ مستی اختیار کرلی۔

عبادات میں ریاکاری سے اجتناب اور اس کی مذمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور فرامینِ نبوی ﷺ پیش خدمت ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ....فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝ (الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: ''سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی رب سے سو وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔''

جس کسی کو اللہ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کیے جانے کا خوف ہو اسے چاہیے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے یعنی شرک جلی کی طرح ریا (شرک خفی) سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔

۲۔ يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّيُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ۝ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدۡ كَانُوۡا يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ وَهُمۡ سٰلِمُوۡنَ ۝ (القلم: ۴۲:۴۳)

ترجمہ: ''جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو، پھر نہ کر سکیں ۝ جھکی پڑتی ہوں گی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہو گی ان پر ذلت اور پہلے ان کو بلاتے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ تھے، اچھے خاصے یعنی تندرست (دنیا میں)۔''

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان آیات کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

i۔ ''اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان محشر میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائے گا۔ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین و مومنات سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریا سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر نہیں مڑے گی۔ تختہ ہی ہو کر رہ جائے گی اور جب اہل ریا و نفاق سجدہ پر قادر نہ ہوں گے تو کفار کا اس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا۔ یہ سب کچھ محشر میں اس لیے کیا جائے گا کہ مومن و کافر اور مخلص و منافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی طور پر مشاہدہ ہو جائے۔''

ii۔ ''یعنی ندامت و شرمندگی کے مارے آنکھ اوپر نہ اٹھ سکے گی۔ یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم جس وقت دیا

گیا تھا اچھے خاصے تندرست تھے اور باختیارِ خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں بھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہوگئی۔ اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔''

الحدیث

ا۔ حضرت شدادؓ بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''جس شخص نے دکھانے کو نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کو روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لیے خیرات کی اس نے شرک کیا۔'' (مسند احمد۔ مشکوٰۃ ۱۷/۵۰۹۷)

ب۔ کسی شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اس چیز میں کہ تو خدا کی اطاعت وعبادت کرے لیکن لوگوں کو دکھانے کے نہ کرے''۔

ج۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک بار صحابہ کرام مسیح اور دجّال کا ذکر کر رہے تھے کہ حضور ﷺ ادھر آ نکلے اور فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح و دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے'' صحابہؓ نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا ''شرک خفی'' اور یہ کہ آدمی نماز کے لیے کھڑا اس کو زیب وزینت کے ساتھ ادا کرے محض اس لیے کہ اس کو کوئی دوسرا شخص دیکھ رہا ہے''۔ (ابنِ ماجہ)

۳۔ سُن

ظاہری و بدنی ہیئت وشکل سے دھوکا دینا مثلاً چہرے کو کسی نہ کسی طریق سے زرد بنا لینا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ نقاہت وضعف مجاہدہ اور ریاضت ہی کا نتیجہ ہوگا یا صورت کو اندوہ گین اور مغموم سی بنائے رکھنا کہ لوگ اسے غم دین وغم آخرت پر محمول کریں یا زلفیں رکھ کر خود کو درویش و پارسا کہلوانا۔

۴۔ لباس وپوشش

لباس و پوشش میں ریا کاری اس طرح کی جاتی ہے کہ کوئی شخص اون کا کھردرا، سخت اور غیر ملائم لباس پہنے یا چھوٹے تنگ اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے کہ اس پر زاہد و عابد ہونے کا گمان گزرے یا نیلا اور سبز لباس اور اس کے ساتھ مصلّٰی اور گدڑی لیے پھرے کہ لوگ اُسے صوفی سمجھیں چاہے تصوف نام کی کوئی صورت سرے سے اس میں موجود ہی نہ ہو۔ ہاتھ میں لمبی تسبیح لٹکائے چلتا پھرتا رہے، ہاتھ میں سجایا ہوا عصا لے کر اور کلائیوں میں کنگن پہن کر پیر اور ملنگ بنتا پھرے یا بوسیدہ اور تار تار کپڑے پہنے پھرتا نظر آئے۔ یہ سب کچھ اکثر خلق خدا کو اور اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے کیا جاتا ہے ایسی ریا کاری سے بچنا چاہیے۔

۵۔ طرز گفتگو

طرز گفتگو بھی ریا کاری کا ایک ذریعہ ہے۔ اکثر مولوی حضرات لچھے دار اور بناوٹ سے پُر تقریریں کرتے ہیں تا کہ لوگ انھیں بلند پایہ مقرر اور ''علامہ'' کہنے لگیں اگر چہ ان کا حقیقی علمی مرتبہ کچھ بھی نہ ہو۔ رٹی ہوئی چند تقریریں ان کا علمی سرمایہ ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے لچھے دار تقریریں کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ دھیمی آواز سے مسکینوں جیسا منہ بنا کر گفتگو کرنا کہ لوگ اسے عاجز اور منکسر المزاج سمجھنے لگیں یہ بھی ریا کاری کا ایک رنگ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''جو شخص کلام کو پھیرنا اور مختلف طریقوں سے بیان کرنا سیکھتا ہے تا کہ لوگوں کے دل اپنی طرف متوجہ کر سکے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے نوافل اور فرائض قبول نہیں کرے گا۔'' (مشکوٰۃ: ۴۵۹۰ رواہ ابوداؤد)

۷ اکابر و سادات پرستی، مشائخ و پیراں پرستی، شخصیت پرستی۔

اکابر و سادات پرستی، مشائخ و پیر پرستی اور مظاہر پرستی شرک خفی کی ایک ایمان ربا قسم ہے اسے شخصیت پرستی کہا جاتا ہے۔ کسی خاص شے یا شخص کی تعظیم مفرط شرک کے زمرے میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں نہایت پرزور اور پُر رعب انداز میں شخصیت پرستی کی تحقیر کی گئی ہے۔ اس میں انسان یا تو مظاہر فطرت میں سے کسی کو اپنے سے بہتر سمجھے یا خود انسانوں میں سے کسی انسان کہ نوبت شخصیت پرستی یا اندھی تقلید تک جا پہنچے۔ یہ دونوں باتیں احترام انسانیت کے خلاف ہیں۔ فطرت کی سب قوتیں انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں لہٰذا ان میں سے کسی کے آگے جھکنا ساجد کو مسجود بنا لینا ہے۔ کسی کی غلامی اور حد سے زائد اثر پذیری جائز نہیں۔ احترام انسانیت اور شخصیت پرستی میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور سب انسان برابر ہیں۔ شخصیت پرستی سے انسان نہ صرف شرک کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ وہ خودی (خود شناسی) سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ خود شناسی یہی ہے کہ انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور فرماں بردار ہے اور اسی کا محکوم ہے اور کسی کا نہیں۔ خودی ختم ہو گئی تو انسان آزاد نہیں بلکہ طاغوتی طاقتوں، سرمایہ داروں اور مذہبی لٹیروں کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی راندہ درگاہ ہوا اور عزت نفس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُوسیاہی۔

شخصیت پرستی کی وجہ سے اکثر حکام، سیاست دان، نام نہاد علماء و مشائخ اور پیر تکبر اور فرعونیت کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ ان کے آگے جھکنے والے عوام خودی کی برکتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہیں رہتی ۔ یہی چیز اسلامی معاشرہ کی تباہی کا باعث ہے، نام نہاد سیاسی رہنماؤں، حکمرانوں، پیروں، ملنگوں اور علماء و مشائخ نے مسلمانوں کو خودی کی برکتوں سے محروم کر کے دین و دنیا میں بدحال کر رکھا ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کی تصویر کشی یوں کی ہے:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

اسی بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

i. وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا O (الاحزب: ۱۷)

ترجمہ: ''اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا۔ پھر چکا دیا انھوں نے ہم کو راہ سے۔''

اور اہل نار جواب دیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سادات و اکابر (یعنی اپنے مذہبی پیشواؤں، سرداروں، جاگیرداروں اور حاکموں) کی فرمانبرداری کی تو انھوں نے ہمیں راہ سے بے راہ کر دیا۔

ii. اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O (التوبہ : ۳۱)

ترجمہ: ''ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا، اللہ کو چھوڑ کر اور مسیحؑ، مریم کے بیٹے کو بھی اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی۔ کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اور وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔''

شخصیت پرستی کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''خدا اور بندے کے درمیان کوئی اور طاقت حائل نہیں رہتی، یہی وہ آزادی ہے جسے عطا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تھے''۔ لیکن ہم نے اس آزادی کی جگہ انسان پرستی کی زنجیروں سے اپنے آپ کو اس طرح جکڑ لیا کہ ہمارے فکر و عمل کا کوئی گوشہ بھی

آزاد نہ رہ سکا ہمیں انسانوں کی چوکھٹوں سے سر اٹھا کر صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔ احبار ورہبان کو تقدس وتشریع، تحریم وتحلیل کا حق دے کر ان کا اتباع کرنا یہی ان کو معبود بناتا ہے۔''

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(اقبالؒ)

یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ شخصیت پرستی اور چیز ہے اور ادب واحترام اور چیز ہے۔ ادب واحترام میں انسان کسی شخصیت کا محکوم وغلام نہیں ہوتا۔ ادب واحترام بڑوں اور بزرگوں کی خدمت، ان سے خوش کلامی اور انکساری سے پیش آنا، کھڑے ہو کر ان سے ملنا اور ان کی پند ونصائح پر عمل کرنا ہے۔ حفظ مراتب اسلامی معاشرہ کی روح ہے۔ ادب اسلامی معاشرہ کی اخلاقیات میں شامل ہے۔ اس میں شخصیت پرستی کو دخل نہیں۔ بے ادب انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

آدمیت احترام آدمیست

یہاں ایک اور بات بتاتے چلیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ جس شخص کے دل میں پرہیز گاری اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کی تعظیم ضرور کرے گا۔ یہ تعظیم شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے۔ شعائر اللہ میں قربانیاں، نشانیاں اللہ تعالیٰ کی، رسوماتِ اسلامی، فرائض وعبادات الٰہیہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذٰلِکَ ق وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ○

(الحج : ۳۲)

ترجمہ: ''یہ سن چکے اور جو کوئی تعظیم کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کی سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔''

شخصیت پرستی کی صورتیں

شخصیت پرستی کی کئی صورتیں ہیں۔ کسی فرعون صفت بادشاہ یا حکمران کے درباری اور رعایا جب اس کے آگے پیش ہوتے ہیں تو کئی آداب بجالاتے ہیں۔ سر جھکا کر، پیٹ پر ہاتھ باندھ کر اور بت کی طرح بے حس وحرکت کھڑے ہو کر عرض گزار ہوتے ہیں اور جہاں پناہ، ظل سبحانی، میرے آقا ومولا اور حضور والا جیسے کلمات

کہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔ بادشاہ، حکمران یا افسران بالا کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ان میں جرات نہیں ہوتی۔۔ پیروں اور مشائخ کے آگے پیش ہونے والے مریدین ان کے پاؤں اور ہاتھوں کو چومتے ہیں۔ مجلس سے اٹھتے وقت مرید پیر صاحب کے جوتے اٹھا کر ان کے پاؤں میں رکھتے ہیں۔ پیر سے ہاتھ ملانے کی ان میں جرات نہیں ہوتی۔ کسی شرعی مسئلہ میں قرآن وحدیث کا حوالہ دینے کے بجائے مریدین صرف یہ کہتے ہیں: ''حضرت صاحب نے فرمایا''۔ پیروں سے مرعوب ہوکر مریدین ان کے پاؤں میں گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح علمائے سو بھی مقتدیوں کو اپنا غلام بنا کر رکھتے ہیں۔ کسی کی کیا مجال جو مولوی صاحب کو کسی بات پر ٹوکے۔ وضع قطع میں وہ پیروں سے کسی طور کم نہیں ہوتے۔ لوگ انھیں ''مولانا''، ''حضرت صاحب'' کہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا ہے کہ ملوکیت زدہ لوگ، نام نہاد ملا اور پیر یہ تین طبقے ہیں جنھوں نے اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ یہ عوام کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔

اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری!

شخصیت پرستی اور تعظیم مفرط بارے احادیث نبوی ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

i۔ ''حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک دفعہ عصا کی ٹیک لیے گھر سے باہر تشریف لائے اور ہم آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایرانیوں کی طرح ایک دوسرے کے لیے تعظیمی قیام (کھڑے ہونا) نہ کیا کرو۔'' (اس کے بعد صحابہ کرام نے کبھی ایسی حرکت نہ کی) (مشکوٰۃ ابوداؤد)

ii۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے مرتبہ کو حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح کہ عیسائیوں نے عیسیٰؑ ابن مریم کو حد سے بڑھایا (خدا بنادیا) کیونکہ میں تو صرف اس (اللہ) کا بندہ ہوں۔ تو تم مجھے یہی کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں''۔ (بخاری، مسلم)

iii۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے سامنے لوگ کھڑے ہوں، اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا ہوگا۔'' (ابوداؤد)

iv۔ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو حضور ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جاکر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے (شمائل ترمذی)

v۔ ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔ تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ انہوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام حضور ﷺ نے اپنے ذمہ لیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ کام ہم خدام کرلیں گے۔ فرمایا ''ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے''۔

(زرقانی، ج ۴، ص ۲۰۴)

vi۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا: ''اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول۔ مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔'' (مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۵۳)

vii۔ عبداللہؓ بن شخر فرماتے ہیں کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی حضور ﷺ ہمارے آقا (سیّد) ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آقا خدا ہے''۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں۔ ارشاد ہوا: ''بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے''۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

حضور نبی کریم ﷺ دوسروں کو ''سیدنا''، یا ''مولانا'' کہنے سے سختی سے روکتے تھے اور اپنے غلاموں کو ''یا عبدی'' (اے میرے بندے) بھی نہیں کہنے دیتے تھے۔ مولیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے اور بندہ بھی صرف اسی ذات اقدس کا ہے اور کسی کا نہیں۔ اس بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ کیجیے۔

i. بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ○

(آل عمران : ۱۵۰)

ترجمہ: ''بلکہ اللہ ہی تمہارا مالک ہے اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے۔''

ii. وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○ (انفال : ۴۰)

ترجمہ: ''اور اگر وہ (دشمن) سرتابی کریں تو جان لو کہ اللہ ہی تمہارا مالک و حاکم ہے۔
کیا ہی اچھا مالک اور کیا ہی اچھا مددگار!''

''مولینا''، ''یاسیدی'' اور ''یاعبدی'' وغیرہ کہہ کر پکارنے کے بارے حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور معمولات بھی ملاحظہ کیجیے۔

''لا تقولو سید کم یا مولیٰ[1]''

(تم اپنے سردار کو مولیٰ نہ کہو)

لفظ (مولیٰ) اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر اللہ کو مولیٰ یا مولینا کہنا حرام ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ اسی طرح دوسروں کو آقا (سید) کہنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ آقا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ:

''عامر بن طفیل (رئیس بنو عامر) ۹ھ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ پہنچا۔ وہ خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان بنا۔ اس کا ساتھی جبار حضرت کعبؓ بن مالک کے گھر تیرہ آدمیوں سمیت مہمان بنا۔ حضرت کعبؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عامر نے سلسلہ کلام میں حضور ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''انت سیدنا'' (آپ ﷺ ہمارے آقا ہیں) آپ نے فرمایا: ''السّید اَللہ'' (آقا تو خدا تعالیٰ ہے)۔ انھوں نے پھر عرض کیا ''حضور ﷺ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں''۔ ارشاد ہوا: ''بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لے جائے'' یعنی یہ تکلف اور تعمق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ (مشکوٰۃ، ابوداؤد باب المفاخرہ)

زمانہ جاہلیت میں مالک اپنے غلام کو ذلیل و خوار تسلیم کرتے تھے۔ اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے غلام کو ''عبد'' کہتے تھے حضور نبی کریم ﷺ نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے مالک کے لیے لفظ مولیٰ کے استعمال کو منع فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ مالکین کو حکم دیا کہ الٹا وہ اپنے غلاموں کو ''مولیٰ'' کہا کریں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''لا تقولوا العبد کم یا عبدی بل قولوا یا مولای''

(اپنے غلاموں کو یا عبدی نہ کہو بلکہ یا مولیٰ کہو)

حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو ''یاسیدی'' کہہ کر بلاتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ

بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا۔''اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! وراے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو۔شیطان تم کو گمراہ نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔''

(مسند ابن حنبل، ج:۳،ص۱۵۳)

ایک دفعہ آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھا کرو۔'' (ابوداؤد۔ابن ماجہ)

بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا:

''لا تطرونی کما اطری الیھود والنّصاری''

(میری شان میں اس طرح سے مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا)۔

سرور کائنات ﷺ کی اللہ کے حضور عاجزی اور سادگی کے قربان جائیں۔روایت ہے کہ:

''ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے کہ ایک شخص نے اچانک آپ کو دیکھا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت خشک کر کے کھایا کرتی تھی۔''

(شمائل ترمذی و مستدرک جلد۳،ص۴۸)

سیدنا انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں:

''کوئی شخص صحابہ کرام ﷺ کو حضور ﷺ سے زیادہ پیارا نہ تھا اور وہ (صحابہؓ) جب حضور ﷺ کو آتا دیکھتے تو تعظیماً کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ،ص۴۰۳)

تعظیم کی مختلف صورتیں

درج بالا فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں اکابر پرستی یعنی تعظیم مفرط کی جو صورتیں سامنے آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، سجدہ کرنا یا جھکنا۔

۲۔ مزارات کو چومنا، انکے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا اور ان پر پیشانی رگڑنا۔

۳۔ کسی بزرگ کی تصویر گھر میں آویزاں رکھنا، اس کو چومنا اور اس کی طرف پیچھا کر کے نہ بیٹھنا۔

۴۔ کسی بزرگ کی قبر کا طواف کرنا یا کسی مقام کو کعبہ کے برابر سمجھ کر اسی طرح اسکا احترام اور تعظیم کرنا۔

۵۔ کسی شخصیت کو بڑے بڑے القابات سے پکارنا۔

۶۔ کسی شخص کا کسی محفل میں اونچی جگہ فروکش ہونا اور دوسرے حضرات کا نیچے بیٹھے حاضری دینا۔

یہ تمام حرکات غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان سے اجتناب لازم ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ سید الکونین اور آقائے دو جہاں ہوتے ہوئے بھی خود کو ''یا سیدی'' نہیں کہنے دیتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو تعظیماً کھڑا ہونے سے روکتے تھے یہ اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کی امت ان مذموم حرکات سے بچی رہے۔ سب انسان برابر ہیں۔ کوئی کسی کا غلام اور بندہ نہیں ہوسکتا۔

vi۔ غیر اللہ کا خوف

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی سے ڈرنا اور خوف کھانا شرک خفی کی ایک بہت ضرر رساں قسم ہے۔ غیر اللہ کا خوف عمل کا دشمن اور کاروان زیست کا رہزن ہے۔ یہ مرد مومن کے عزم کو متزلزل کر دیتا ہے۔ اس سے ہمت مذبذب ہو جاتی ہے۔ مومن اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہے۔ مخلوقات سے نہیں ڈرتا۔ وہ مرنا گوارا کرتا ہے مگر ایمان و اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''الخشیۃ خلاصۃ الایمان'' (خدا کا خوف ایمان کا خلاصہ ہے)۔ اسلام خوف کے ساتھ محبت الہیٰ کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان صحیح رابطہ نہ تنہا خوف سے ہوسکتا ہے اور نہ تنہا محبت سے بلکہ دونوں کے اشتراک، امتزاج اور اعتدال سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی رسالت مصطفوی ﷺ کی تعلیم ہے۔ اس کے برعکس یہودیت کی بنا سراسر خوف و خشیت اور سخت گیری پر تھی۔ اسکا خدا فوجوں کا سپہ سالار اور باپ کا بدلہ بیٹوں سے لینے والا تھا جبکہ عیسائیت خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکروں سے معمور تھی اگرچہ اس میں بھی خدا سے ڈرتے رہنے کی تاکید تھی۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں نے ان دو متقابل تعلیمات کے درمیان اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا تھا۔ اسلام نے خوف و محبت الہیٰ میں اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں خوف مضمر ہوتا ہے۔ اسلام نہ تو خدا کو محض جبار، قہار، رب الافواج نہ اس کو مجسم انسان اور انسانوں کا باپ سمجھتا ہے اور نہ تنہا رحم و کرم اور محبت و

شفقت کی صفات سے اسکو متصف کرتا ہے بلکہ وہ خدا کی نسبت یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے اور رحمان ورحیم بھی ہے۔ شدید العقاب بھی ہے اور غفور ورحیم بھی ہے۔ صحیح معنوں میں وہی لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جو اس سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور غیر اللہ سے نہ ڈرنے کے بارے میں قرآن مجید اور فرامین رسالت ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں۔

القرآن

قرآن مجید میں خوف خدا کے بارے میں ارشادات الٰہی ہیں:

i. ....وَ اتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ O (البقرہ : ۱۹۷)

ترجمہ: ''اور مجھ سے ڈرتے رہو، اے عقلمندو!''

ii. وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَO

(البقرہ : ۲۰۳)

ترجمہ: ''اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع ہوگے۔''

اللہ تعالیٰ سے ہر کام میں اور ہر وقت ڈرتے رہو کہ تم سب کو قبروں سے اٹھ کر اس کے پاس جمع ہونا ہے۔

iii. لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ O(المائدہ : ۹۳)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کیے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا، پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔''

جس قدر آدمی ذکر وفکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے، اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت کے جلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان ویقین مضبوط ومستحکم ہوتا رہتا ہے۔

iv. اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ O (الملک : ۱۲)

ترجمہ: ''جولوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کے لیے معافی ہے اور بڑا ثواب''

جن لوگوں نے اللہ کو دیکھا نہیں مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھرتھراتے ہیں ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب ہے۔

۷. وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (النّٰزعٰت : ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: ''اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو غلط خواہشات سے بچالیا تو جنت اس کی آرام گاہ ہے۔''

مذکورہ بالا آیات قرآنی خدا خوفی کے بارے میں تھیں۔ اب خدا کے علاوہ کسی اور ہستی سے نہ ڈرنے کے بارے میں بھی چند آیات ملاحظہ فرمایئے۔

i. اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران : ۱۷۵)

ترجمہ: ''یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے، سو تم ان (منافقین) سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔''

ii. وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ.... ○ (الانعام : ۸۱)

ترجمہ: ''اور میں (نبی ﷺ) کیوں ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا ان کو جس کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل''

میں (محمد ﷺ) تمھارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ ان کے قبضے میں نفع وضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے جس سے اندیشہ ہو۔ ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع وضرر بھی ہے۔ لہٰذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہیے۔

اب غیر اللہ سے ڈرنے کے بارے میں ارشادات نبوی ﷺ پیش خدمت ہیں:

i۔ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی کا طالب ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور لوگ بھی ناراض ہو جاتے ہیں''۔ (رواہ ابن حبانؒ)

ii۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے ساری دنیا ڈرتی ہے اور سارا زمانہ خوف کھاتا ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ ہر شے سے خائف رہتا ہے''۔

شیخ عبدالقادرؒ جیلانی غیر اللہ سے ڈرنے والے کو مشرک قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر وہ چیز جس پر تیرا اعتقاد ہے، ہر وہ شخص جس سے تو ڈرتا ہے یا جس سے کچھ توقع رکھتا ہے وہی تیرا معبود ہے''۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ غیر اللہ سے خوف کھانے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ہر کہ رمز لا اِلٰہ فہمیدہ است
شرک رَا دَر خوف مضمر دیدہ است

(جس نے لا الـہ الا اللّٰـہ کی رمز پہچانی ہے اس نے غیر اللہ سے ڈرنے اور خوف کھانے میں شرک کو پوشیدہ دیکھا ہے)

ہمارے بہت سے آئمہ کرام اور حضرت مجدد الفؒ ثانی نے اپنے اپنے وقتوں کے دنیادار حکمرانوں کی اطاعت اور پیش کشوں کو جوتوں کی نوک پر رکھا۔ قید و بند کی صعوبتوں اور جسمانی سزاؤں کو بخوشی قبول کیا اور آوازۂ حق کہنے کی پاداش میں سخت اذیتیں برداشت کیں لیکن ہتھیار نہ ڈالے۔ مومن ڈرتا ہے تو صرف خدا سے اور کسی سے نہیں۔

(ولا حول و لا قوة الا بالله العلى العظيم)

(اور کوئی تدبیر اور کوئی قوت نہیں مگر اللہ کے ساتھ جو بڑی شان اور بڑی عظمت والا ہے۔)

انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرنے کی وجہ حصول جنت، اور عذاب دوزخ سے بچنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کی خاطر اوامر و نواہی پر عمل کرے یعنی اللہ سے سودے بازی نہ کرے۔ اسی میں مزہ ہے مگر کم ہی لوگ اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس کو تو اللہ تعالیٰ نے اوامر پر عمل پیرا ہونے اور نواہی (جن باتوں سے اللہ نے منع کر رکھا ہے) سے بچنے کے لیے بے شمار جگہ جنت کا لالچ اور

دوزخ کا خوف سنایا ہے اوران سے سودے بازی کی ہے۔ بہر حال اللہ کی رضا میں اپنی رضا رکھنی چاہیے۔ جنت، دوزخ کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو بہشت کی خواہش اور دوزخ کے خوف سے میری اطاعت کرتا ہے۔ کیا اگر دوزخ اور جنت کو پیدا نہ کیا جاتا تو میں بندگی وعبادت کا مستحق نہ تھا؟'' (یعنی یہ بندگی میری تو نہ ہوئی بلکہ جنت و دوزخ کی ہوئی)۔

(زبور)

شرک خفی (نفس وجذبات کی اطاعت) کا باب انجام کو پہنچا۔ قارئین گرامی القدر سے گزارش ہے کہ شرک کی ہر قسم سے اجتناب کریں۔ اللہ جل شانہہ، کی وحدانیت، الوہیت، ربوبیت، رزاقیت، خالقیت، قادریت، مالکیت اور کائنات کے انتظام وانصرام میں کسی اور ہستی کو ذرہ برابر دخل نہیں چاہے کوئی فرعون ونمرود ہو چاہے کوئی نبی یا ولی ہو۔

علامہؒ صاحب نے مومن کا فریضہ بیان کرتے ہوئے سچ فرمایا ہے:

''مومن دراصل توحید کا وہ پرجوش نمائندہ ہے جس کا اصل کام ہی یہی ہے کہ شرک کا خاتمہ کردے۔''

☆☆☆

بابِ ہفتم: بِدعَت

بِدعت کے لغوی معنی

بدعت عربی لفظ ''البدع'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں نئی ایجاد کردہ وہ چیز جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ قرآن مجید میں بھی بدعت کے یہی معنی لیے گئے ہیں۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ ۭ ...O (الاحقاف: ۹)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے! اے نبی ﷺ میں کوئی نیا رسول نہیں (مجھ سے پہلے بھی دنیا میں نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری رہا) اور مجھ کو معلوم نہیں کیا معاملہ ہوگا میرے ساتھ اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا''۔

اصطلاحی معنی

i۔ ''اصطلاح شرع میں ہر ایسے نوایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے حضور نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آپ ﷺ اور آپکے صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً، نہ صراحۃً نہ اشارۃً''۔

(بدعت کی یہ تعریف علامہ سرکوئی اور علامہ شاطی کی کتاب الاعتصام سے لی گئی ہے)

ii۔ ''بہر حال اہل سنۃ والجماعۃ یہ فرماتے ہیں کہ جو قول وفعل (شرعی) صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے کیونکہ اگر کوئی بھلائی کی چیز ہوتی تو وہ اس میں ہم سے سبقت لے جاتے کیونکہ انہوں نے امور خیر میں کوئی امر ایسا نہیں چھوڑا جس کی طرف انہوں نے سبقت نہ کی ہو''۔ (تفسیر ابن کثیرؒ جلد۴، ص۱۵۶، طبع مصر)

iii۔ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو یہ کلمات ضرور ارشاد فرماتے:

''اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ و شر الامور محد ثاتھا و کل بدعتہ ضلالۃ''

''(امابعد۔ پس بے شک بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں اور ہر نو ایجاد چیز (بدعت) گمراہی ہے)''۔

مذکورہ بالا فرمودات سے یہ معلوم ہوا کہ جن کاموں (شرعی امور) کی ضرورت عہد رسالت میں اور زمان مابعد میں یکساں ہے ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا اور یہ از روئے قرآن وحدیث ممنوع وناجائز ہوگا۔ دراصل بدعت ایک غیر مسنون عبادت ہے چاہے اس کا نئے سرے سے از خود اضافہ کیا جائے، کسی صحیح عبادت کو اپنی طرف سے کسی اور صحیح عبادت کے آگے پیچھے جوڑا جائے، اس کے لیے وقت یعنی دن مقرر کیا جائے اور اُس کا نام رکھا جائے، انفرادی عبادات کو اجتماعی عبادات کی شکل دی جائے، خاموشی سے ذکر واذکار اور درود وسلام پڑھنے کے بجائے بہ آواز بلند پڑھا جائے وغیرہ۔

بدعت سازی کے طریقے

بدعت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک بدعت فی العقاید اور دوسری بدعت فی الاعمال۔ بدعت فی العقاید کا مطلب یہ ہے کہ اصل عقاید میں اپنی طرف سے اضافہ کیا جائے جو دراصل شرک کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا اس پر بحث کی یہاں ضرورت نہیں ہوگی۔ اصل مسئلہ بدعت فی الاعمال کا ہے۔ بدعت فی الاعمال تین طرح سے ہے۔

i۔ اصل عبادات اور شرعی امور میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا اگر چہ اضافی حصہ پہلے سے موجود ہو اور ممنوع نہ ہو۔ یہ اضافہ مزید ثواب حاصل کرنے اور فرقہ بندی کا تشخص قائم رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ مثلاً اذان سے پہلے بہ آوازِ بلند پہلے اَعوذُ باللہ۔۔۔ بسمِ اللہ۔۔۔ اور پھر درود شریف (غیر مسنون) پابندی سے پڑھنا اس طرح جیسے وہ اذان ہی سے منسلک ہو جائے۔

ii۔ مکمل شرعی امور کی ادائیگی میں اپنی طرف سے قیدیں اور شرطیں لگانا اور نئے نئے طریقے اختیار کرنا مثلاً ایصال ثواب کے لیے دن، تاریخ اور جگہ کا متفق علیہ تعین کرنا اور اجرت پر قرآن خوانی کرانا وغیرہ جیسے قل شریف، ساتواں، چالیسواں اور ان مواقع پر قران خوانی اور نعت گوئی کا اہتمام کرنا۔

iii۔ ثواب کی خاطر بالکل نئی نئی عبادات اور حرکات وسکنات اختیار کرنا مثلاً حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر لگانا، عید میلا دالنبی منانا اور درباروں پر عرس منعقد کرانا وغیرہ۔

بدعت کی تاریخ

بدعت کی تاریخ نئی نہیں۔ سابقہ امتیں (یہود و نصاریٰ) بھی اس کا شکار رہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ بنیادی طور پر بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت فی العقاید دوسری بدعت فی الاعمال۔ امت مسلمہ میں بدعت فی العقاید دوسری اور بدعت فی الامور پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوئیں۔ علماء اہل سنت (محدثین و متکلمین) نے بدعت فی العقاید کے محاذ پر گمراہ فرقوں معتزلہ، قدریہ، مرجعہ، جہمیہ، رافضہ اور خوارج کے خلاف کامیاب جنگ لڑی اور کتاب وسنت کے گرد نہایت وفادارانہ پہرہ دیا۔ بدعت فی الاعمال کے خلاف فقہا اور مجدِ یدین نے اسلامی لائحہ عمل کی پوری حفاظت کی اور ایک ایک بدعت کی نشاندہی کی ۱۹۲۰ء تک علماء اہل سنت و جماعت (اس وقت تک ''سواد اعظم'' کا فرنٹ قائم تھا۔ کوئی دیوبندی، بریلوی نہیں تھا) نے ہندوستان میں جہالت اور ہندوانہ رسموں کا شکار مسلمانوں میں رائج بدعات اور رسومات بد کے خلاف محاذ قائم رکھا۔ مگر یہ کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں اور ایک ایسا دور شروع ہو گیا جس میں بدعات کا چلن عام ہونے لگا۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(اقبالؒ)

بدعت سازی، رائج الوقت بدعات اوران کی نامعقولیت

بدعت سازی میں لاعلم اور دین نا آشنا عوام کو بڑا دخل ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ کسی ایک شخص نے لا شعوری طور پر اگر کوئی عبادت اختیار کی یا توقیر وتوصیف رسالت ﷺ کا کوئی نیا من پسند طریقہ وضع کرلیا اور اس کی شد کی تو دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ چال کی طرح باقی لوگ بھی اس کو احسن قرار دے کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یوں ایک بدعت وجود میں آجاتی ہے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا ہی نہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسی روز افزوں بدعات کی فہرست کسی مخصوص مکتبہ فکر کے مشائخ وعلمانے دے رکھی ہے۔ ان کا کام صرف یہی ہے کہ ایسی مروجہ بدعات کو جائز اور احسن قرار دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ ثواب دارین کی نمود کے لیے ہے۔ یاللعجب!

بدعت سازی کس طرح وجود میں آتی ہے بیان کرنے کے بعد اب رائج الوقت بدعات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مساجد میں پانچوں وقت اذان سے پہلے اعوذ باللہ۔۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔ پڑھنے کے بعد اذان دی جاتی ہے اور اذان کے بعد درود یہ کلمات بہ آواز بلند پڑھے جاتے ہیں۔ بعض اوقات کئی مساجد میں اذان سے پہلے قرآن مجید کی یہ آیت ان اللّٰہ و ملائکتہ ۔۔۔ بھی پڑھی جاتی ہے۔ فجر کی اذان سے پہلے عموماً نعتیں بھی پڑھی جاتی ہیں اور تلاوت قرآن مجید بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ بدعات میں شامل ہے۔ یہاں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اذان سے پہلے بجائے صرف بسم اللہ۔ کے کچھ حضرات نے اعوذ باللہ بھی پڑھنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ وائے افسوس! کہ ان کو پتہ نہیں کہ اعوذ باللہ کہاں پڑھا جاتا ہے۔ اعوذ باللہ صرف قرآن مجید کی تلاوت یا ہر نماز کے شروع میں سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ پڑھنے کے فوراً بعد پڑھا جاتا ہے۔ بعد میں بسم اللہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر کام یا عبادت میں صرف بسم اللہ ہی پڑھی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت اور نماز میں شیطان وساوس پیدا کرتا ہے اس لیے اسے دور رکھنے کے لیے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے۔ باقی کسی جگہ اعوذ باللہ نہیں پڑھا جاتا۔

۲۔ اہل بدعت کی مساجد میں ادائیگی نماز کے بعد اجتماعی طور پر بہ آواز بلند درود شریف (خود ساختہ)

پڑھا جاتا ہے۔آج سے کوئی پچاس سال پہلے ایسا رواج نہیں تھا۔ یہ بھی بدعت ہے اس بارے علامہ شامیؒ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ترجمہ ازعربی: ''بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ ایک مسجد میں کچھ لوگ جمع ہوکر بہ آوازِ بلند کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کر رہے ہیں۔آپ ان کے پاس چلے گئے اور فرمایا کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے تم بدعت کر رہے ہو۔آپ بار بار یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان بدعتیوں کو مسجد سے باہر نکال دیا۔'' (فتاویٰ برازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری،ص ۲۷۸،جلد ۶)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

(الاعراف : ۲۰۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرو تازہ اپنے رب کو اپنے ہی جی میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے دھیمی آواز کے ساتھ صبح اور شام کے وقت اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غافل ہیں۔''

حضور نبی کریم ﷺ کا اس بارے ارشاد بھی ملاحظہ کیجیے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ جہاد پر جا رہے تھے۔صحابہ زور زور سے تکبیر و تہلیل کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس قدر شور سے نہیں کہنا چاہیے کیونکہ خدا جس کو تم پکارے ہو وہ بہرہ نہیں ہے''۔

(کتاب الجہاد باب التکبیر،عندالحرب)

درود شریف خواہ کتنا ہی دھیمی آواز سے پڑھا جائے جناب رسالت مآب ﷺ کو پہنچ جاتا ہے۔ اونچی آواز سے مسجد میں درود پڑھنے سے اس وقت نماز پڑھنے والوں کی نماز میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔ نمازوں میں فرض پڑھنے کے بعد اجتماعی دعا مسنون ہے مگر ادھر نماز ختم ہو جانے کے بعد بھی امام مسجد اجتماعی دعا پڑھتا ہے۔ یہ غیر مسنون ہے۔ ہر نمازی کو اپنی اپنی دعا مانگنی چاہیے۔ دراصل بات

یہ ہے کہ باجماعت فرض پڑھنے کے بعد تمام نمازیوں کو منتشر ہوکر بقیہ نماز مسجد میں نہیں بلکہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر پڑھنا مسنون ہے لیکن موجودہ زمانہ میں باعث مجبوری حالات و مصروفیات ہر نمازی مسجد سے اٹھ کر بقیہ نماز باہر جا کر پڑھنے سے قاصر ہے۔ بہرحال بقیہ نماز کے بعد اجتماعی دعا نہیں مانگنی چاہیے۔

۴۔ ایک بُو العجبی یہ ہے کہ نماز باجماعت میں تکبیر پڑھتے وقت امام مسجد اور مقتدیان بیٹھے رہتے ہیں اور قد قامت الصّلوٰۃ کہنے پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ ترکیب انھوں نے کہاں سے درآمد کی ہے۔ قد قامت الصلوٰۃ کا مطلب ہے ''تحقیق نماز قائم ہوگئی'' یعنی صف بندی (نماز کا آغاز) ہوگئی۔ یہ لوگ تو اس وقت کھڑا ہونا شروع کرتے ہیں اور اس مذکورہ کلمے کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کیا ''کھڑی ہوگئی'' اور ''کھڑی ہو رہی ہے'' میں کوئی فرق نہیں؟ تکبیر جبھی شروع ہوتی ہے جب امام مسجد اور مقتدیان کھڑے ہوں اور صف بندی کر رہے ہوں۔ یہ تکبیر کے آخر میں (جب تکبیر کا صرف پانچواں حصہ باقی رہ جاتا ہے) صف بندی کے لیے بھاگتے ہیں۔ تکبیر ختم ہوگئی ہوتی ہے کہ یہ لوگ صف بندی کر رہے ہوتے ہیں۔ خدا ہدایت دے کہ یہ بھی ایک بدعت ہے۔

۵۔ صاحب قبر سے تقرب حاصل کرنے کے لیے مزاروں اور قبروں کا طواف کیا جاتا ہے اور ان پر ذبیحے اور نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ مزاروں پر قیمتی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ پھول بکھیرے جاتے ہیں، مزاروں کو چوما جاتا ہے اور سجدہ ریزی کی جاتی ہے۔ مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ یہ شرکیہ بدعتیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے جو نذر مردوں کے نام کی جاتی ہے اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے چادریں وغیرہ لائے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے''۔

۶۔ ایصال ثواب اپنی جگہ درست ہے۔ ذکر و تسبیح، تلاوت، درُود شریف اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ میّت کو ایصال ثواب جتنا چاہے کرے یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے جگہ، وقت کا تعین کرنا اسے بدعت بنا دیتا ہے اور یہ ایک رسم بن جاتی ہے۔ ہمارے ہاں میت کے ایصال ثواب کے لیے دن مقرر کر رکھے ہیں اور ان کے نام قل، ساتواں اور چالیسواں رکھ دیے گئے ان تینوں ایام پر از خود بہت سی رسومات کو بھی بڑا دخل ہے۔ ایصال ثواب کے بارے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدثین اور علمائے امت کے بیانات پیش کیے جاتے ہیں:

i۔ ہم لوگ میت کی نماز جنازہ کے بعد چنے کے بھنے ہوئے دانوں یا کھجور کی گٹھلیوں پر قل خوانی کرتے ہیں (مساجد میں)۔قل خوانی کے بعد رکھے ہوئے پھلوں اور کھانوں کی پلیٹوں پر ختم شریف کے لیے نعت خوانی اور تلاوت قرآن مجید کرنے کے بعد ایصال ثواب کے لیے اجتماعی دعا مانگتے ہیں۔اٹھنے کے بعد قل خوانی کرنے والوں میں پھل وغیرہ تقسیم کیے جاتے ہیں اس کے بارے میں شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی شرح ''سفرالسادات'' میں لکھتے ہیں:

''عادت نبوی ﷺ یہ نہ تھی کی میت کے لئے نماز جنازہ کے بعد جمع ہوں اور قرآن خوانی کریں اور ختم پڑھیں نہ قبر پر اور نہ کسی اور جگہ پر۔ یہ ساری چیزیں بدعت اور مکروہ ہیں۔ ہاں اہل میت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی دلانا اور صبر کی تلقین کرنا سنت و مستحب ہے لیکن تیسرے دن کا خاص اجتماع اور مرحوم کا مال جو یتیموں کا حق بن چکا ہے بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے''۔

(فتاویٰ عزیزی، ص:۲۷۲)

ii۔ ایام غم میں کھانوں کی دعوت کے حوالے سے علامہ شامیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ اس لیے کہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر مشروع ہے نہ کہ غم کے موقع پر۔۔۔امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہؒ حضرت جریرؓ بن عبداللہ صحابی سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ وہ اہل میت کے گھر جمع ہونے اور ان سے کھانا پکوانے کو نوحہ (بین) میں شمار کرتے تھے۔'' (ردالمختار ص:۲۴۰، جلد:۲)

iii۔ ایصال ثواب کے لیے وقت (دن، تاریخ، مہینہ) مقرر کرنا اور ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا بدعت ہے۔اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کی روح پرفتوح کے ایصال ثواب کے لیے اور محرم میں حضرت حسینؓ اور دیگر اہل بیت کے ثواب کے لیے کھانا پکانا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے فرمایا:

''اس کام کے لیے دن، رات، وقت اور مہینہ مقرر کر لینا بدعت ہے ہاں اگر ایسے وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے مثلاً ماہ رمضان کہ اس میں بندہ

مومن کا عمل ستر گنا بڑھ جاتا ہے، تو مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی ہے۔"

آگے فرماتے ہیں:

"بقول امیر المومنین حضرت علیؓ جو چیز کہ صاحب شریعت ﷺ نے اس کی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں کیا وہ فعل عبث ہے اور سید الانام حضور ﷺ نبی کریم کی سنت کے خلاف۔۔۔اور جو چیز خلاف سنت ہو وہ حرام ہے، ہرگز روانہ ہو گی اور کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کرے جس دن بھی وہ چاہے تا کہ نمود و نمائش نہ ہو۔" (فتاوی عزیزی، ص:۱۹۲)

بزرگوں کے متذکرہ بالا بیانات سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے لیے نہ تو کوئی دن تاریخ اور نام کا تعین کیا جائے اور نہ ہی ختم کے لیے کھانے پکانے اور قرآن خوانی کا اہتمام کیا جائے۔ یہ خلاف شریعت ہے۔علامہ شامیؒ فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مکروہ ہے وہ کھانا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد اور تہوار کے موقع پر قبر کی طرف لے جانا اور قرآن خوانی کے لیے دعوت کا اہتمام کرنا اور ختم کے لیے سورہ انعام یا سورہ اخلاص کی قرات کے لیے بزرگوں اور قاریوں کو جمع کرنا مکروہ فعل ہے۔" (ردالمختار، ص۲۴۱، جلد:۲)

۸۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لا تجعلوا قبری عید و صَلّوا علی فانِ صلوتکم تبلغنی حیث کنتم (نسائی)

ترجمہ: "میری قبر پر جمع ہو کر عید (سالانہ تقریب) نہ مناؤ اور جہاں موجود ہو (وہیں سے) مجھ پر درود بھیجو، کہیں بھی ہو تمھارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

درود شریف ہی حضور ﷺ کا ایصال ثواب ہے۔ اسلام میں سالگرہ اور برسی منانے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے کہ ہم یہود و نصاریٰ کی نقل کرنا چھوڑ دیں۔

۹۔ معراج النبی ﷺ جناب رسول اللہ ﷺ کا آسمانی معجزہ ہے، اس کے فضائل اور حقائق سے کون

ہے جو انکار کرے۔ اس معجزہ کا جب چاہے علماء و مقررین ذکر کرتے رہتے ہیں لیکن معراج شریف جس رات کو ہوئی اس کی تاریخ کسی حدیث و روایت سے ثابت نہیں۔ نہ ماہ رجب میں اور نہ ہی کسی اور مہینے میں۔ اور اگر اس رات کی تعیین ثابت ہو جائے تو بھی عبادات و اجلاس اور محفلیں منعقد کر کے اس شب کی تخصیص جائز نہیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہ تو اس شب کوئی محفل سجائی اور نہ ہی اس رات کو کسی عبادت کے لیے خاص کیا۔

۱۰۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی ''محمد ﷺ'' سن کر کچھ حضرات اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن ہونٹوں پر رکھ کر انھیں آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا نور حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھوں میں منتقل ہو گیا تو انھوں نے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر لگا دیا۔ یوں ان کی جنت میں ممنوعہ درخت کا پھل کھا لینے کی خطا معاف ہو گئی تو یہ لوگ حضرت آدمؑ کی نام نہاد سنت پر عمل کرتے ہیں۔ یہ روایت وضع کردہ ہے اور اس کا حقیقت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا کلمہ طیبہ لکھا ہوا دیکھا تو اس میں اسم محمد ﷺ بھی دیکھا۔ انھوں نے سمجھا کہ کوئی بڑی ہستی ۔ یا للعجب! یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ کسی نبی ﷺ کی خطا (لغزش، کوتاہی) کسی دوسرے نبی کے واسطہ اور وسیلہ سے معاف نہیں ہوتی۔ نہ کسی نبی ﷺ نے ایسا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے رہے اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کیں۔ دعا ایک عبادت ہے بلکہ اسے عبادت کا مغز کہا جاتا ہے۔ عبادت صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی ہے اور کسی کی نہیں۔ اس میں کسی اور ہستی کی آمیزش اُسے شرک جلی بنا دیتی ہے۔ غیبی واسطہ یا وسیلہ کسی غیر اللہ کو نہیں بلکہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مطلقہ جیسے رحمٰن و رحیم، قادرِ مطلق، خالقِ حقیقی، غفور الرحیم، ستار العیُوب، معبود حقیقی مسبب الاسباب اور رازق وغیرہ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ دوسرا وسیلہ انسان کے خود اپنے نیک اعمال ہیں۔ مصیبت کے وقت جیسا کہ حضور ﷺ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ دعا کرتے وقت اپنی کوئی غیر معمولی اور مثالی نیکی خلق خدا کے ساتھ کو یاد کرے اور اس کا واسطہ دے کر مصیبت ٹالنے کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ وہ مصیبت ٹال دیتا ہے۔ ہمارے پاس ہزاروں مثالیں ہیں کہ کسی نے خلق خدا (انسان، پالتو جانور وغیرہ) سے کوئی مثالی نیکی کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سارے انعامات سے نوازتا ہے اور مصائب ٹال دیتا ہے۔ مائی رابعہ بصری کا واقعہ ہی دیکھ لیجیے کہ انھوں نے کتے کے

پیاسے پلّوں کو بڑی محنت کر کے پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مقام پر پہنچا دیا۔ والدین کی خدمت، فرمانبرداری، غربا، یتامیٰ، مساکین، مسافروں اور معذوروں کی خدمت کر کے تو دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے کہ نہیں۔ اس کے بعد رزق حلال کمانا بہت ہی بڑا وسیلہ ہے عتاب الٰہی کو ٹالنے کا۔ بزرگوں کا قول ہے موجودہ زمانہ میں شعوری طور پر رزق حلال کما کر کھانے والا ولی اللہ ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے رزق کی فراخی کے لیے دعا کرنے کو کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دعا صرف ہاتھ اٹھا لینے سے قبول نہیں ہوتی جب تک کہ تمھارا سارا رزق حلال کا نہ ہو۔'' شریعت مطہرہ کی پابندی، خدمت خلق، ذکر اللہ، نیک اعمال، رزق حلال اور بے ریا عبادت ہی سب سے بڑے وسیلے اور واسطے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(البقرہ : ۳۷)

ترجمہ: ''پھر سیکھ لیے آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات، سو توبہ قبول کی اللہ نے اس کی بیشک وہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا''۔

وہ دعائیہ کلمات یہ تھے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۳)

ترجمہ: ''دونوں (آدم وحوا) بولے اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم ضرور ہو جائیں گے خسارہ اٹھانے والوں میں سے''۔

''یا محمد ﷺ'' کہنا بھی بے ادبی کے زمرے میں شامل ہے۔ ایمان لانے والے بدو ہی آپ ﷺ کو ''یا محمد ﷺ'' کہہ کر بلاتے تھے۔ صحابہ کرام بھی ایک وقت حضور ﷺ کو ''یا محمد ﷺ''، ''یا ابوالقاسم'' کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہنے سے اس طرح منع فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ....○

(النور : ۶۳)

ترجمہ: ''مت کرلو بلانا رسول ﷺ کا اپنے اندر برابر اس کے جیسے تم بلاتے ہو ایک دوسرے کو''۔

''تم انہیں (نبی کریم ﷺ) اپنے بھائی کو اس کے نام کے ساتھ پکارنے کی طرح مت پکارو بلکہ تم تعظیماً کہو ''یارسول اللہ''، ''یا نبی اللہ'' (ابن عباسؓ)۔

یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ''یا محمد ﷺ'' صرف مخاطب کرنے کے لیے ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کو مدد کے لیے پکارنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس میں گستاخی اور شرک جلی دونوں آتے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو مدد کے لیے پکارنا شرک ہی ہے۔ اس بارے ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے اللہ کے اوامر و نواہی کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا اور اللہ کے احکام کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب سوال کرے تو اللہ ہی سے کر اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور تو جان لے کہ اگر تمام مخلوق تجھ کو نفع دینے پر جمع ہو جائیں تو تجھ کو نفع نہیں دے سکتے مگر جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے اور اگر جمع ہو جائیں تجھ کو تکلیف دینے پر تو تجھ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ مگر جو اللہ نے لکھ دیا تیرے لیے۔ قلم اٹھا لیا گیا ہے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں''۔ (مشکوٰۃ ۸/۵۰۷۰، رواہ مسند احمد، ترمذی)۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب نے توفیق کی تعریف کیسے خوبصورت انداز میں بیان کی ہے:

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

۱۲۔ القابات اور مقدس ہستیوں کے ناموں کے ساتھ دعائیہ کلمات کے سلسلے میں حفظ مراتب کا خیال نہ رکھنا بھی غیر مناسب ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل معروضات پیش خدمت ہیں:

i۔ اصحاب رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رَضِی اللّٰہ عَنْھم و رضُوعنہُ (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) کہا ہے۔ یہ بشارت صرف صحابہ کرام کے لیے ہی ہے۔ صحابی وہ شخص ہوتا ہے جس نے بحالت ایمان حضور نبی کریم ﷺ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی صحابی نہیں کہلا سکتا۔ جو صحابی نہ ہوگا اس کو ''رضی اللہ عنہ'' کیونکر کہا جا سکتا ہے! یہ ٹھیک ہے کہ اللہ نے قرآن مجید میں اولیائے امت سے بھی راضی ہونے کا عندیہ دیا ہے مگر ہمیں اجازت

نہیں کہ کسی ولی اللہ کو ''رضی اللہ عنہ'' کہہ سکیں۔اسی پس منظر میں نہ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی نہ حضرت علیؒ ہجویری اور نہ ہی احمد رضا خاں بریلوی کو رضی اللہ عنہ کہنا کسی طور جائز ہے۔اس سے درجات کی تمیز ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

ii۔ ''علیہ السلام'' کا لقب انبیائے کرام سے مخصوص ہے۔حضور نبی کریم کو ''ﷺ'' کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام یا اہل بیت میں سے کسی کے لیے ''علیہ السلام'' کہنا مناسب نہیں۔

iii۔ تمام انبیائے کرام، تمام صحابہ کرام اور اولیائے امت کو ''حضرت'' لکھا اور بولا جاتا ہے لیکن کسی شخصیت کے لیے چاہے وہ کتنی ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو اسے حضرت استعمال کرنا مناسب نہیں کیوں کہ یہ بھی حفظ مراتب کے خلاف ہے۔

درج بالا درجات و مراتب میں کمی بیشی سے انبیاء و صحابہ و اولیائے امت کی پہچان میں فرق آ سکتا ہے۔بزرگان دین نے سچ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جگہ انبیاء کرام کو ان کی اپنی جگہ، حضور سرور کونین کو ان کی جگہ، اصحاب رسول کو درجہ بدرجہ ان کی جگہ، تابعین کو ان کی جگہ، تبع تابعین کو ان کی جگہ، اولیاء و صلحاءِ امت کو اپنی اپنی جگہ اور تمام انسانی رشتوں (خونی و معاشرتی) کو اپنی اپنی جگہ صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق اُن سے سلوک کرنے کا نام ہی دین اسلام ہے۔اگر ان درجات و مراتب کو گڈمڈ کر دیا جائے تو نہ صرف اسلامی معاشرہ بلکہ تمام انسانی معاشرہ توازن کھو دے گا۔درجات و مراتب میں تمیز نہ کرنے کو مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے جس قدر خلاف دین اسلام قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی''

(اگر تو مراتب (درجات) کا تحفظ نہیں کرتا یعنی ان میں تمیز نہیں کرتا تو زندیق ہے)

زندیق اس کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام کا حلیہ بگاڑے۔اس کی سزا مرتد سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ درجات میں تحریف بدعت ہی نہیں بلکہ بہت بڑا جرم بھی ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں باز رکھے! آمین!

وادی پر خار میں گم ہو گئے
ہم نے جب حد شریعت پار کی

(جام طہور۔عبدالرحمٰن عاجز)

۱۳۔ اہل بدعت علماء و مقررین نے تقریر کا ایک علیحدہ رنگ اختیار کر رکھا ہے۔یہ تقریر کے دوران

وقفے وقفے سے راگ الاپتے رہتے ہیں۔ عام انداز میں بولتے بولتے یکدم، پینترا بدل لیتے ہیں اور راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ راگ عورتوں کے بین (نوحہ) سے ملتا ہے۔ اس طرح کے طرز تخاطب کو شروع ہوئے کوئی پچاس سال ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کسی کو راگ الاپتے نہیں سنا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے تو قرآن خوانی میں بھی راگ الاپنے سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ یہ لوگ اردو اور پنجابی میں بھی راگ الاپتے ہیں۔ صد افسوس! اس بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات گرامی ملاحظہ کیجیے:

i۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے ''قرآن کو عرب کے طریقہ پر پڑھو اور ان کے ہی لہجے میں اور بچو تم عشق والوں کے طریقہ سے اور اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے طریقہ سے۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی۔۔۔ جو قرآن کو راگ اور نوحہ (بین) کی مانند بنا کر پڑھیں گے۔ ان کا حال یہ ہوگا کہ قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا اور ان کے دِل فتنوں میں پڑے ہوئے ہوں گے اور ان (سامعین) کا دل جن کو ان کا قرآن پڑھنا اچھا لگے گا۔''

(مشکوٰۃ، ۲۱/۲۱۵۳)

ii۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''جو شخص کلام کو پھیرنا اور مختلف طریقوں سے بیان کرنا سیکھتا ہے تا کہ لوگوں کے دل اپنی طرف متوجہ کر سکے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور فرض قبول نہیں کرے گا''۔ (مشکوٰۃ: ۴۵۹۰۔ ابوداؤد)

۱۴۔ ان نام نہاد عاشقان رسول ﷺ نے ایک اور بدعت اختیار کر رکھی ہے وہ یہ کہ یہ لوگ حضور نبی مکرم پر درود و سلام بھیجتے وقت یہ کہتے ہیں ''الصّلٰوۃ والسلامُ علیکَ یا رَسول اللّٰہ'' یعنی حضور ﷺ کے لیے صیغہ واحد حاضر (تو، تم، تجھ) استعمال کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں ''اے اللہ کے رسول ﷺ تم / تجھ پر درود و سلام ہو'' یہاں یہ ''علیکم'' کی جگہ ''علیکَ'' استعمال کرتے ہیں۔ علیکم جمع حاضر کا صیغہ ہے اور **علیکَ** واحد حاضر کا۔ علیکَ کہنے میں دو نقائص ہیں:

i۔ ایک یہ کہ خود رسول اللہ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ ملنے پر ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہا کرتے تھے۔ جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہا جاتا تھا۔ اس میں ''علیک'' استعمال نہیں ہوتا تھا۔ سلام کہنے کے یہ کلمات آج تک امت مسلمہ میں بغیر کسی تبدیلی کے رائج ہیں۔ ہم روزانہ ایک دوسرے کو ''السلام علیکم''، ''وعلیکم السلام'' ہی کہتے ہیں۔ ''علیک'' کی جگہ ''علیکم'' (جمع حاضر یا مخاطب) کہنے کی وجہ

مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان اکیلا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ دو فرشتے ''کراماً کاتبین'' بھی ہوتے ہیں۔اس لیے جمع حاضر (علیکم) کہنا ہی مناسب ہے۔دوسری وجہ یہ سنت رسول اللہ اور سنت صحابہؓ بھی ہے۔علیک کہنا حضور ﷺ کی بے ادبی بھی ہے۔آپس میں تو ایک دوسرے کو علیکم کہیں اور نبی کریم ﷺ کو علیکَ کہیں۔کیا یہ بے ادبی نہیں؟ ان کو ''یا نبی سلام علیکَ کی جگہ یا نبی سلام علیکم کہنا چاہیے۔لیکن یہ بجائے خود درست نہیں ہے۔وہ اس طرح سے کہ:

ii۔ جتنے بھی مسنون درود ہیں ان سب میں حضور ﷺ سرور کائنات کے لیے صیغہ واحد غائب ہی استعمال ہوا ہے یعنی ''علیہ'' جیسے ﷺ۔''علیہ'' کا مطلب ہے اس پر، ان پر درود و سلام ہو۔یہاں ''علیک'' استعمال نہیں ہوتا۔اسی طرح آپ ﷺ کی آل کے لیے بھی ''آلِکَ'' (تمہاری آل) نہیں بلکہ ''آلِہٖ'' (اُن کی آل پر) استعمال ہوتا ہے جیسے ''ﷺ''۔اب ہم درود تاج، درود تنجینا، درود ماہی، درود لکھی اور دیگر علاج و معالجہ کی دعاؤں میں جو درود یہ کلمات استعمال ہوتے ہیں ان کو ترتیب وار پیش کرتے ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ سب میں حضور ﷺ کے لیے صیغہ واحد غائب ''علیہ'' ہی استعمال ہوا ہے اور آپ ﷺ کی آل کے لیے ''آلِہٖ'' ہی آتا ہے نہ ''آلِکَ''۔

i۔ درود تاج: اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد صاحب التاج والمعراج والبراق والعلم صلوا علیه و الهه و اصحابه و سلمو تسلیماO

ii. درود تنجینا: اللھم صل علی سیدنا محمد صلوۃ تنجینا بها من جمیع الاهوال و الافات

iii. درود ماہی: اللھم صل علی محمد و علیٰ ال محمد خیر الخلائق و افضل البشر O...

iv. درود لکھی: اللھم صل وسلم علی سیدنا و مولینا محمد و علی ال سیدنا محمد بعدد رحمة الله

v. ہم سے نجات کے لیے درود: صلوات الله و ملئکته و انبیا ئه و رسله و جمیع خلقه علی سیدنا محمد ال سیدنا محمد و علیه و علیهم السلام و رحمة الله و برکاته O

دیکھیں سب میں علیٰ محمدؐ، آلِہٖ، اصحابِہٖ، علیہ وغیرہ ہی استعمال ہوئے ہیں۔ کہیں بھی علیک، الِک یا اصحابِکَ استعمال نہیں ہوا۔ صیغہ واحد حاضر نہیں بلکہ صیغہ واحد غائب ہی آیا ہے۔ پھر اصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! کہنے کا کیا جواز۔ دراصل یہ جناب نبی کریم ﷺ کو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ناظر مانتے ہیں اس لیے علیک ہی کہتے ہیں۔ یہاں حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر بحث کی گنجائش نہیں۔ یہ بات شرک فی الصفات اللہ کے تحت آتی ہے۔ یہاں درود کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہی کافی سمجھا جانا چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص میری قبر پر (حاضر ہوکر، درود پاک پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو مجھ سے فاصلہ پر پڑھتا ہے وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچا دیا جاتا ہے''۔ (بیہقی)

بدعت سے اجتناب، بُرے نتائج

بدعت کی تعریف، بدعت سازی کے طریقے، بدعت کی تاریخ اور رائج الوقت بدعات پر سیر حاصل تبصرہ کے بعد اب بدعت سے اجتناب، اور بدعتیوں کے انجام بد بارے قرآن مجید، ارشاداتِ رسول اللہ ﷺ، اقوالِ صحابہؓ اور فرمودات فقہاء صلحائے امت و مفسرین پیش کرتے ہیں۔

۱۔ القرآن

i. قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

ترجمہ: ''آپ ﷺ فرمایئے کہ کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ والے ہیں ۝ وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع اور بیکار ہوگئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ اچھا عمل کر رہے ہیں''

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے '' اخسرین اعمالا '' کی تفسیر اہلِ بدعت سے کی ہے۔ اہل بدعت حضرات بدعات کو ثواب دارین سمجھ کر ہی کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔

ii.	اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط ....O(اَلشّوریٰ:۲۱)

ترجمہ: ''کیا ان کے لیے اور شریک ہیں کہ راہ نکال ڈالی ہے انھوں نے ان کے واسطے دین کی کہ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے''

اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ (شریعت سازی کا) مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو۔ یہاں اللہ کے شرکاء سے مراد نصاریٰ کے راہب (پادری) ہیں جنھوں نے بے شمار بدعتیں ایجاد کی تھیں جن کی پیروی نصاریٰ کرتے تھے۔

iii۔	سورہ الفاتحہ کی آخری آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ O نہ ان کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کی جو بہک گئے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام لکھتے ہیں:

''سیدھے راستے سے ہٹنا دو طرح سے ہوتا ہے (۱) افراط (زیادتی) کے سبب سے اور (۲) تفریط (کمی) کے سبب سے۔ افراط یہ کہ خدا کی شریعت میں ہم اپنی طرف سے اضافہ کریں (بدعات نکالیں)۔ یہ گمراہی ہے اور تفریط یہ کہ خدا کے احکام پر عمل چھوڑ دیں۔ اس سے خدا کا غضب قوم پر نازل ہوتا ہے اور ہر قسم کا انعام واکرام چھین لیا جاتا ہے۔ ایک صورت (ضالین) کی مثال نصاریٰ (عیسائی) ہیں جنھوں نے دین میں اپنی طرف سے ہزاروں باتیں اضافہ کیں اور دوسری صورت (مغضوب) کا نمونہ یہودی ہیں جنھوں نے احکام الٰہیٰ کو پس پشت ڈال دیا اور ان پر اللہ کا غضب ہوا۔ مسلمانوں کی یہ دعا ہے کہ الٰہیٰ ہم کو ان دونوں غلط راستوں سے بچانا اور اعتدال کی شاہراہ پر قائم رکھنا۔''

iv۔	ارشاد الٰہی ہے: یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج ....O(آل عمران:۱۰۶)

ترجمہ: ''جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ''۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یعنی اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید ہونگے اور اہل بدعت و افتراق کے چہرے سیاہ ہوں گے''۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ۔۔۔از امام ابن قیم۔۲/۳۹)

۲۔ ارشادات نبوی ﷺ

i۔	مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے تو یہ کلمات ضرور

ارشادفرماتے:

''اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیرا لھدی ھدی محمد(ﷺ)و شر الامور محدثا تھا و کل بدعۃ ضلالۃ''.

ترجمہ: ''اما بعد پس بے شک بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور بہترین طریقہ حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (مسلم شریف، ابن ماجہ)

ii۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من و قر صاحب بدعتہ فقد اعان علٰی ھدم الاسلام''

ترجمہ: ''جو شخص کسی بدعتی کی عزت کرے تو اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی''۔

(مشکوٰۃ۔ راوی ابراہیم بن میسرہ و عائشہ صدیقہؓ)

iii۔ آجری کی کتاب السنۃ میں حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں اور میرے صحابہؓ کو برا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر فرض ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر لعنت ہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔'' (الاعتصام، ص ۸۸، ج ۱)

iv۔ حضرت عریاضؓ بن ساریہ نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا۔ جس میں نہایت موثر اور بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل ڈر گئے۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے رخصتی وصیت ہوئی ہے تو آپ ہمیں بتائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام اسلام کی اطاعت کرنے کی اگرچہ تمھارا حاکم حبشی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے اس لیے تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین مَہدِیّین کی سنت کو اختیار کرو اور اس کو مضبوط پکڑو اور دین میں نو ایجاد طریقوں سے بچو کیونکہ ہر نو ایجاد طرز عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

v۔ حضرت علیؓ کی روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اور اللہ اس پر لعنت کرے جو بدعتی کو پناہ دے اور اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کے نشانات مٹائے۔'' (صحیح مسلم، ج۔۲ کتاب اِضاحی)

vi۔ حضرت حسنؒ بصری نے روایت کیا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ پیدا نہ کرو۔'' (الاعتصام، ص۸۴، ج۱)

vii۔ حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں حوض کوثر پر تمھارا میرِ سَاماں ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا اس سے پیے گا اور جو اس سے پیے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ بہت سی قومیں میرے پاس آئیں گی میں ان کو پہچانوں گا اور وہ مجھ کو پہچانیں گی۔ پھر میرے اور ان کے درمیان حائل ہوا جائے گا۔ میں کہوں گا وہ مجھ سے ہیں۔ کہا جائے گا تم نہیں جانتے کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا نو ایجاد چیزیں (بدعات) پیدا کر دیں۔ میں کہوں گا دوری اور دوری ہو اِن لوگوں کے لیے جنھوں نے میرے بعد تغیر کر دیا۔ (فرشتے دھکے مار کر ان بدعیّتوں کو الٹے پاؤں بھگا دیں گے) (مشکوٰۃ ۵۳۳۲/۴، متفق علیہ)

viii۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا (اس پر کاربند نہیں رہے گا) وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔'' (صحیح مسلم، ج۱)

اپنی طرف سے سنتیں گھڑنے والوں بلکہ اپنی خود ساختہ سنتوں کو سنن رسول ﷺ و سنن صحابہؓ پر مقدم رکھنے والوں کے لیے یہ حدیث مقام عبرت ہے، علامہؒ صاحب نے قوم مسلم کی اس بے راہروی (بدعت پرستی) کو اس کے زوال پذیر ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

تا شعارِ مصطفٰے ﷺ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رفت

(اقبالؒ)

جَب اسوۂ رسولؐ ہاتھوں سے چھوٹ گیا تو قوم مسلم کے زندہ رہنے کا راز چھن گیا۔

ix۔ حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوفؓ مزنی فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے باپ سے، میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: ''جس نے میری سنتوں میں سے کوئی ایک سنت زندہ کی اورلوگوں نے اس پر عمل کیا تو سنت زندہ کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کو ملے گا جبکہ لوگوں کے اپنے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے کوئی بدعت جاری کی اور پھر اس پر لوگوں نے عمل کیا تو بدعت جاری کرنے والے پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے جب کہ بدعت پر عمل کرنے والے لوگوں کے اپنے گناہوں کی سزا سے کوئی چیز کم نہیں ہوگی''۔ (سنن ابن ماجہ)

x۔ حضور نبی مکرم ﷺ کی پیش گوئی:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ضرور ہوگا کہ تم پہلوں (گمراہ قوموں) کی راہ پر چلو گے۔ ہاتھ بہ ہاتھ، بازو بہ بازو۔'' (بخاری جلد ۹ ص ۱۲۶)

یعنی جاہلیت پھر عود کر آئے گی اور تم ان قوموں کی راہ پر چلو گے جنھوں نے دین میں زیادتیاں کیں۔

۳۔ فرمودات صحابہؓ

ارشاداتِ رسول اللہ ﷺ رقم کرنے کے بعد اب صحابہ کرامؓ کے بدعت بارے فرمودات پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

i۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود: حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے بدعت بارے فرمایا:

ا۔ ''اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو۔ پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو۔ اس چیز کو اختیار کرو جو از روئے سنت تم جانتے

ہواور جس کواس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو"۔

ب۔ "اتبعوا آثار نا ولا تبتدعوا فقد کفیتم".

(تم لوگ صحابہ کرامؓ کے آثار کا اتباع کرواور نئی نئی عبادتیں نہ گھڑو کیونکہ تم سے پہلے عبادات کا تعین ہو چکا ہے)۔

ii۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ:

"جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی"۔ (الاعتصام، ص۸۴، ج۱)

iii۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ: فرماتے ہیں:

"آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں اور کسی سنتِ رسول ﷺ کو مردہ نہ کر دیں یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سُنتیں مردہ ہو جائیں گی۔" (الاعتصام، ص۹۵، ج۱)

iv۔ حضرت حذیفہؓ ابن یمان:

ا۔ "مسلمانوں کے لیے بعض چیزوں کا مجھے خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں اس کو اس پر ترجیح دینے لگیں جو ان کو سنتِ رسول ﷺ سے معلوم ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں" (حضرت سفیانؒ ثوری نے فرمایا کہ یہ لوگ صاحب بدعت ہیں)۔

(الاعتصام، ص۹۳، ج۱)

ب۔ "خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص کسی بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ کہیں گے تم نے سنت چھوڑ دی۔"

(الاعتصام، ص۹۰، ج۱)

v۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عمرؓ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ:

"ایک آدمی حضرت عبدالرحمٰنؒ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے۔ عبدالرحمٰنؒ بن عمرؓ نے کہا مجھے اس کے متعلق خبر پہنچی ہے کہ اس نے

(دین میں) کوئی نئی بات (بدعت۔احدث) نکالی ہے۔پس اگر اس نے بدعت نکالی ہے تو میرا اس کو سلام مت کہیو۔تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے:

''فرماتے تھے میری امت کا زمین میں دھنس جانا یا صورتوں کا تبدیل ہونا یا پتھروں کا برسنا ہوگا جو اہل قدر میں ہوگا۔'' (مشکوٰۃ:۱/۴۱، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

۴۔ اقوال بزرگان دین

فرمودات صحابہؓ کے بعد بدعت بارے تنبیہات فقہاء وصلحاء وعلماء واولیاء امت پیش کی جاتی ہیں۔

i۔ حضرت حسنؒ بصری: حضرت حسنؒ بصری بدعت سے اجتناب اور نفرت بارے فرماتے ہیں۔

''بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں مجاہدہ کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دُور ہوتا جاتا ہے''۔نیز یہ بھی فرمایا ''صاحبِ بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دلوں کو بیمار کردے گا۔''

ii۔ حضرت مجددؒ الف ثانی: حضرت مجدد الف ثانی بدعات کی کدورتوں بارے فرماتے ہیں:

ا۔ ''یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور بدعتوں میں سوائے ظلمت وکدورت کے کوئی چیز نظر نہیں آتی''۔(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب:۱۸۶)

ب۔ ''حق سبحانہ وتعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ وہ کسی بدعت کو ''حسنہ'' نہ کہیں، کسی بدعت کے حق میں زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے اختیار کر لینے کا فتویٰ نہ دیں''۔(دفتر دوم مکتوب:۲۳)

iii۔ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی: سردار الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادرؒ جیلانی بدعتیوں سے بچنے اور ان کو پرے رکھنے کے بارے فرماتے ہیں:

"و ان لا یکا ثر اھل البدع و لا یدانیھم وَ لا یسلم علیھم"

(اور مومن پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اہل بدعت کی کثرت کا سبب نہ بنے اور نہ ان کے نزدیک جائے اور نہ انھیں سلام کہے)۔(غنیۃ الطالبین، ص، طبع سوم، ص ۱۹۵)

iv۔ ابوعمرؒ شیبانی: حضرت ابوعمر شیبانی نے بدعت کے انجام بارے صحیح فرمایا ہے:

''صاحبِ بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو اپنے گناہ (بدعت) کو گناہ ہی نہیں سمجھتا توبہ کس لیے کرے۔''

v۔ معروفؒ کرخی:

''اگر کسی صاحب بدعت کو دیکھو کہ ہوا پر چلتا ہے تو بھی اسے قبول نہ کرو۔''

vi۔ امام غزالیؒ:

ا۔ ''بدعتی، ظالم، فاسق اور متکبر کی دعوت مت قبول کر۔''

ب۔ امام غزالیؒ اللہ تعالیٰ کے مخالفین کے درجے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ایک حربی کافر، دوسرا ذمی کافر اور تیسرا درجہ بدعتی کا ہے۔ جو اللہ کی مخلوق کو بدعت کی طرف بلائے اس کے ساتھ بھی دشمنی ظاہر کرنا ضروری ہے تاکہ مخلوق کو اس سے نفرت ہو۔ بہتر یہی ہے کہ نہ اُسے سلام کیا جائے، نہ منہ لگایا جائے اور نہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔۔۔ آگے فرماتے ہیں اگر وہ شخص بدعتی ہے تو اس سے دور رہنا چاہیے اس لیے کہ بدعت کی شامت دوسرے پر اثر کرتی ہے۔''

(کیمیائے سعادت، ص ۲۴۵، ۲۴۶)

vii۔ ابن کثیرؒ: ''بہر حال اہل سنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو قول و فعل صحابہؓ کرام سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ کوئی بھلائی کی چیز ہوتی تو وہ اس میں ہم سے سبقت لے جاتے اس لیے کہ انھوں نے امور خیر میں سے کوئی امر ایسا نہیں چھوڑا جس کی طرف انہوں نے سبقت نہ کی ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، ص ۱۵۶، طبع مصر)

viii۔ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ کشف **المحجوب** میں لکھتے ہیں:

''خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا جب لوگوں نے ہوا و ہوس (بدعت) کا نام شریعت، ریا کاری کو خوف الٰہی اور دل کے اندر کینہ رکھنے کو حلم سے موسوم کر دیا ہے، منافقت کا نام پرہیز گاری، جھوٹی آرزو کا ارادت، طبع کے ہذیان کا معرفت، دلی حرکتوں اور نفسانی وسوسے کا عشق الٰہی، گمراہی کا فقر، انکار حق کا برگزیدگی، شریعتِ رسول ﷺ سے برگشتہ ہو جانے کا طریقت اور اہل زمانہ کی آفت کا نام مجاہدہ رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ معارف حق کے راز آشنا لوگ اس جہاں سے یکسر الگ تھلگ ہو گئے ہیں اور دنیاداروں نے غلبہ پالیا ہے۔''

حضرت علی ہجویریؒ نے آج سے صدیوں پہلے علماءِ سُو اور صوفیا کی تصنع کاری اور اصطلاحات شرع متین کا مذاق اڑانے کا نقشہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے ہوا و ہوس (بدعت) کو شریعت کا نام دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اور بہت سی اصطلاحات کو الٹے معانی دینے کا ذکر کیا ہے جنھیں پڑھ کر رونا آتا ہے۔ علامہ اقبال نے آج کل کے نام نہاد ملاؤں اور صُوفیا کے بارے میں سچ ہی فرمایا ہے:

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ با ما گفت پیغام خدا را
ولے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفٰےؐ را

(میری طرف سے صوفی و ملا کو سلام جنہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام (تعلیماتِ قرآن) سنایا لیکن اس (پیغام) کی تاویل (تشریح) جو انھوں نے پیش کی اس نے خدا تعالیٰ، جبرائیل اور حضور نبی کریم ﷺ (تینوں کو) ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔)

اقبال نے انھی حالات کے پیش نظر کہا تھا:

شریعت ، طریقت، تصوف، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

۵۔ چھٹا کلمہ

مسلمانوں کے چھٹے کلمے میں کفر، شرک، جھوٹ، غیبت اور بدعت سے توبہ کرنے کے الفاظ آتے ہیں۔ چھٹے کلمے کا وہ حصہ ملاحظہ کیجیے جس میں بدعت سے توبہ کرنے کے بارے آیا ہے۔

"...وتبرأت من الكفر والشرک والكذب والغيبة والبدعة والنميمة والفواحش..."

ترجمہ: "۔۔۔اور میں نے توبہ کی کفر سے اور شرک سے اور جھوٹ سے اور غیبت سے اور بدعت سے اور چغلی اور بے حیائیوں سے۔۔۔"

۶۔ خطبۂ جمعہ

حنفی خطبہ جمعہ (عربی حصہ) کے آخر میں بدعت بارے سخت وعید سنائی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ

آج کے بدعتی علماء نے خطبہ کے اس حصہ کو حذف کر دیا ہے خطبہ کے محذوف الفاظ یہ ہیں۔

"و ایا کم و البدعة فان البدعة تهدی الی المعصية و من يعص الله و رسوله فقد ضلّ وغوٰی"

ترجمہ: "اور بچو بدعت سے، بے شک بدعت لے جاتی ہے نافرمانی کی طرف اور جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تحقیق وہ گمراہ ہوا۔"

☆ یہاں بدعت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا انجام ضالین (گمراہوں جیسے عیسائی) کے زمرے میں آتا ہے۔

بدعت سازی کی وجوہات اور خرابیاں

بدعت کے ناجائز، ممنوع بلکہ خطرناک ہونے کی بنیادی وجوہات تین ہیں جن کی تفصیل نیچے درج کی جائے گی۔

i۔ رسول اللہ پر خیانت کی تہمت لگانا

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے:

"جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔"

ii۔ دین عہد رسالت ﷺ میں مکمل نہیں ہوا تھا

اس بارے امام مالکؒ رقمطراز ہیں کہ:

ا۔ "ایک طرف تو قرآن مجید کا یہ اعلان "الیوم اکملت لکم دینکم (میں نے آج تم پر تمھارا دین مکمل کر دیا) دوسری طرف عبادات و ثواب کے نئے نئے طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کرنا کہ شریعتِ اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے؟"

ب۔ حضرت امام مالکؒ مزید فرماتے ہیں:

"ما لم يكن يو ميذ دينا لا يكون اليوم دينا ."

(جو کام اُس زمانہ میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں کہلا سکتا)۔

ج۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ''عمر ثانی '' نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے:

''آج اگر کوئی شخص نماز تین کے بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کے بجائے تین یا چار پڑھنے لگے یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے تو ہر سمجھ دار مسلمان اس کو بُرا اور غلط اور ناجائز کہے گا حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں، کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا۔ پھر اس کو بلا اتفاق بُرا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اسی لیے نہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے اور سکھلائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت حال بدل ڈالی اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو حضور ﷺ نے مکمل نہیں کیا تھا یا معاذ اللہ آپ ﷺ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ یہ نئے اور مفید طریقہ ہائے عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔''

iii۔ بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں، شرطیں لگانے اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ بعد یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اصل عبادت جو حضور ﷺ نبی کریم نے بتائی تھی کیا اور کیسے تھی۔

پچھلی اُمتوں میں تحریف دین کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتابوں اور اپنے پیغمبروں کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے نئے نئے طریقے نکال لیے اور ان کی رسم چل پڑی۔ کچھ عرصہ بعد اصل دین اور نو ایجاد چیزوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دعائیں بھی گویا نماز کا جز ہیں۔ جو امام مسجد یہ دعائیں، درود اور وظائف تمام مقتدیوں کو ساتھ لے کر بہ آواز بلند نہ پڑھے اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔

دینِ کافر ز فکر و تدبیر و جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

(اقبال)

آخر میں اس خرابی بسیار کا نقشہ علامہؒ شامی اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں: ''تمام بدعات کا سرمنشا یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور امت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے اِدھر اُدھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انھیں دین بنالیا جائے اور پھر کتاب وسنت کو اس پر چسپاں کیا جائے۔'' (فتاویٰ بزازیہ)

ایمان کے درجات

محققین ومفسرین نے صحت کے لحاظ سے ایمان کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔ اہل بدعت ایمان کے چوتھے درجہ میں آتے ہیں۔

i۔ ایمان متبوع: فرشتوں کا ایمان۔ ان کا ایمان ان کی طبعیت ومزاج میں ڈال دیا گیا ہے۔

ii۔ ایمان معصوم: انبیاء کا ایمان، انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔

iii۔ ایمان مقبول: مومنوں کا ایمان، ان کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ غیر معصوم ہوتے ہیں۔

iv۔ ایمان موقوف: یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں نئے نئے راستے ڈھونڈتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ ایمانیات پر ان کا کامل یقین نہیں۔

v۔ ایمان مردود: منافقین کا ایمان جو بظاہر کچھ ہوتے ہیں اور بباطن کچھ اور۔ منافق کا ایمان قطعاً قبول نہیں۔

شیطان کامیاب اور خوش ہوگیا

شیطان کس طرح کامیاب اور خوش ہوگیا اس بارے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اور حضرت حسن بصریؒ کا حضور کے اس ارشاد کے مطابق تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

i۔ ''لا الہ الا اللّٰہ اور استغفار کو کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھے کلمہ اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا تو میں نے ان کو اہوائے نفس (بدعات) سے ہلاک کیا اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے رہے''۔

ii۔ حضرت حسنؒ بصری فرماتے ہیں: ''ابلیس نے طرح طرح کے گناہوں میں امت محمدیہ کو ملوث کیا

پھر بھی ملعون کہتا ہے کہ اس امت کے لوگوں نے میری کمر توڑ ڈالی ہے۔ جب یہ گناہ کرتے ہیں تو فوراً استغفار کرتے ہیں اور اللہ سے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ بالآخر شیطان نے مذہبی اہوائے نفس (بدعات) پیدا کر دیں۔ مذہب کے نام پر گناہ ایجاد کر ڈالا۔ جس چیز (بدعت) کو آدمی مذہب سمجھ بیٹھے گا اس سے توبہ کیسے کرے گا؟ بلکہ الٹا اُسے ثواب تصور کر کے انہماک سے اور سرعام کرے گا۔ اس لیے اس گناہ پر اسے ندامت ہوگی نہ توبہ کرے گا بلکہ بے فکری سے اس دلدل میں دھنستا چلا جائے گا۔ ایک نہ ایک دن یہ مذہبی منافرت دنیا میں اہل اسلام کو خانہ جنگی کے جہنم میں جھونک دے گی اور دُنیا اور آخرت کا خسارہ اس کا ثمر ہوگا۔''

111 حضرت حسنؒ بصری کے درج بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں روایت پہنچی ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں نے امت محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب و زینت کے ساتھ پیش کیا مگر ان کے استغفار نے میری کمر توڑ ڈالی تو میں نے ان کے پاس ایسے گناہ پیش کیے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے استغفار کریں اور وہ اہواء (بدعتیں) ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں''۔

بدعتِ حسنہ کیا؟

اہل بدعت نے اپنے تحفظ کے لیے بدعت حسنہ کی اصطلاح وضع کی ہے جو سراسر غلط اور بے سرو پا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''کُلُّ بِدْعَۃٌ ضَلَالَہ'' (ہر بدعت ضلالت اور گمراہی ہے)۔ آپ ﷺ نے بدعت کی درجہ بندی نہیں فرمائی۔ ان حضرات نے بدعت حسنہ کی اِختراع حضرت عمرؓ فاروق کے اس بیان سے اخذ کی ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت ماہ رمضان میں انھوں نے صحابہ کرام کو ٹولیوں کی شکل میں باجماعت نماز تراویح پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیوں نہ ہو آپ سب مل کر ایک ہی امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے دیکھ کر فرمایا یہ ایک ''بدعت حسنہ'' ہے۔ حضرت عمرؓ نے ''بدعت حسنہ'' محاورۃً کہی تھی۔ ورنہ حضرت عمرؓ نہ تو نماز تراویح کو بدعت کہہ سکتے تھے نہ باجماعت نماز تراویح کو کیونکہ حضور ﷺ نے تین راتیں مسلسل نماز تراویح باجماعت پڑھائی تھی۔ چوتھی رات آپ ﷺ نماز عشاء کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ کرام مسجد نبوی میں آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے مگر آپ ﷺ نماز تراویح

پڑھانے کے لیے نہ آئے۔ اگلی صبح صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ نے گزشتہ رات نماز تراویح کیوں نہ پڑھائی۔ حضور ﷺ نبی کریم نے فرمایا میں اس لیے نہ آیا کہ نماز تراویح باجماعت تسلسل کی بنا پر کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس کو معطل کر دیا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

''رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو''۔

درج بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ نماز تراویح باجماعت سنت رسولؐ تھی۔ آپ ﷺ کے بعد آج تک نماز تراویح باجماعت کو سنتِ رسول ﷺ سمجھ کر پڑھا جاتا ہے یہ کسی صورت بدعت نہیں، پھر بدعتِ حسنہ کہاں سے آ گئی؟ بات چل رہی تھی حضرت عمرؓ جیسی ہستی کی تو کس طرح وہ سنت نبوی ﷺ کو بدعت حسنہ سے تعبیر کر سکتے تھے اور اگر انھوں نے فی الحقیقت یہ کہا بھی تھا تو حضور ﷺ کی سنت کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ قاعدہ ذہن نشین کر لیجیے کہ قولِ صحابیؓ قولِ رسول ﷺ کے خلاف حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

تراویح کی حقیقت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے اور میں نے تمھارے لیے نماز تراویح تجویز کی۔ پس جو لوگ رمضان میں روزے رکھیں گے اور نماز تراویح پڑھیں گے ایمان اور اِحتساب (اجر آخرت کی نیت) کے ساتھ تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوں گے جیسے اس دن جب وہ پیدا ہوئے تھے (گناہوں سے پاک تھے)'' (ترغیب)

اَب حضرت مجدد الفؒ ثانی سے ''بدعتِ حسنہ'' کے بارے رجوع کرتے ہیں:

i۔ ''یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور بدعتوں میں سوائے ظلمت و کدورت اور کوئی چیز نظر نہیں آتی''۔ (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول مکتوب:۱۸۶)

ii۔ ''ہر گاہ ہر محدث بدعت است و ہر بدعت ضلالت۔ پس معنی حسن در بدعت چہ بود''؟

ترجمہ: ''جب ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تو بدعت میں حسن و خوبی

کے کیا معنی ہوئے۔''

جب بلا تمیز ہر بدعت ضلالت، گمراہی اور تحریف دین ہے تو بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ کا کیا سوال۔ راقم الحروف نے کئی بدعتیوں سے پوچھا ہے کہ وہ ''بدعت سیئہ'' کی کوئی مثال تو پیش کریں۔ نہیں کر سکے کیونکہ جس کو یہ بدعت سیئہ کہیں گے اس کے بارے میں لازماً شریعت اسلامیہ نے واضح کر رکھا ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ یا مکروہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ وہ کسی چیز کو برا کہہ سکیں۔ لہذا بدعت سیئہ اس چیز (برائی گناہ) کو کہہ ہی نہیں سکتے جس کے بارے میں پہلے ہی شریعت نے واضح کر رکھا ہو کہ یہ فلاں قسم کا گناہ ہے۔ اس میں اضافہ شدہ یا نئی چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر بدعت سیئہ کہاں سے آ گئی۔ اس طرح ان کو شرکِ حسنہ، نشۂ حسنہ، سود حسنہ بھی کہنا پڑے گا۔

بدعة کی جاہلانہ تعریف

بدعتی حضرات نے بدعت کی ایک اور غلط تاویل اختراع کر رکھی ہے۔ ان کے بقول ''بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جس کے بارے حضور نبی کریم نے منع نہ کیا ہو'' لہٰذا اس کے کر لینے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ الٹا ثواب ملتا ہے۔ ان کی اس تعریف کے مطابق انھوں نے جتنی بھی بدعتیں ایجاد کر رکھی ہیں (ان میں سے پندرہ بدعتوں کا پیچھے ذکر کر دیا گیا ہے) ان کے بارے علیٰحدہ علیٰحدہ حضور ﷺ نے منع نہیں کر رکھا، ان کی یہ تاویل شریعت مطہرہ کا مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہیں، جب نبی کریم ﷺ نے ہر بدعت کو ضلالت اور گمراہی قرار دے رکھا ہے اور اس کے نزدیک بھی نہ جانے کا حکم دیا ہے تو پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان رائج الوقت بدعات کے نہ کرنے کا آپ ﷺ نے حکم نہیں دیا۔ کیا آپ ﷺ علیٰحدہ علیٰحدہ ہر بدعت کا نام لے لے کر ان سے منع فرماتے۔ دراصل کسی بھی نئی شے کو دین کا حصہ بنا دینا اور اسے دین کا جزوِ لاینفک تصور کرنا ہی بدعت ہے۔ بدعت اصولِ دین اور معاملاتِ دین میں کسی بھی قسم کی تحریفات والحاقات واضافات کا نام ہے۔

ف فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ O(الحشر: ۲)

ترجمہ: ''پس اے دیدۂ بینا (اگر ہو تو) رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

بدعت کے ہر موضوع پر قرآن مجید، احادیث نبوی، سنتِ صحابہؓ اور فرمودات علماء وصلحاء واولیاء امت کی روشنی میں سیر حاصل تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں منطقی دلائل بھی ساتھ ساتھ پیش گئے ہیں۔ مقصد صرف اور صرف لاعلمی اور جہالت کا انسداد کرنا ہے۔ کسی کا دل دکھانا ہرگز نہیں۔ نہ یہ مناظرہ ہے اور نہ چیلنج۔ اس

کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ہم تمام امت محمدیہ ﷺ سے وابستہ ہیں۔ افتراق وتفریق ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔ امید ہے میرے دینی بھائی ٹھنڈے دل سے غور فرما کر اصل دین کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ ہمیں من گھڑت روایات پر انحصار چھوڑ دینا چاہیے۔ یہی ساری خرابی کا باعث ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

موضوعہ روایات اصل دین نہیں بلکہ دین میں خرابی اور انتشار کا باعث ہیں۔ موضوعہ روایات عہد رسالت ﷺ کے منافقین، یہودیوں اور شکست خوردہ ایرانیوں کی کارستانی ہے۔ ان میں تاریخی اور شرعی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ مقصد ان کا یہ کہ امت واحدہ پارہ پارہ ہو جائے اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

(اقبالؒ)

☆☆☆

بھی نہیں رکھی۔ یہ صرف اخروی سفارش سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر علامہ صاحب نے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے بھی مَن ذَالَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہ اِلاّ بِاِذْنِہٖ کی تشریح میں اسے دنیوی سفارش کے پلڑے میں ڈال کر بِاِذْنِہٖ کی گرہ لگائی ہے اور مطلب یہ نکالا ہے کہ دنیا میں جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی مانا جاتا ہے ان کو اذن الٰہی ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے تحت وہ سائل کی مرادیں پوری کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ''باذن اللہ'' اور ''اذن الٰہی'' کے عقیدہ میں شرک جاتا رہا''۔

آگے حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا کی سرخی کے تحت فرماتے ہیں:

''حضرت عیسیٰؑ نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا:

....وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ...O

(آل عمران : ۴۹)

(۔۔۔۔اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے۔۔۔)۔

آگے فرماتے ہیں:

''اب دیکھیے شفا دینا اور مردے کو زندہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس لحاظ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کاموں کا دعویٰ کیا لیکن آپ آگے فرماتے ہیں ''باذن اللہ'' یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے اذن سے کرتا ہوں۔ پس جہاں اذن الٰہی آجائے تو شرک چلا جاتا ہے اور جہاں اذن گیا تو حید بھی گئی۔ یہی اذن الٰہی ہونا اور نہ ہونا توحید اور شرک کا بنیادی نکتہ ہے۔''

آگے ادھر ادھر کی ہانک کر فرماتے ہیں:

''اب اگر کوئی اولیاء اللہ کو باذن اللہ حاجت روا کہے تو شرک ختم ہو گیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن دیا ہے؟ اگر اذن دیا تو اس کی کیا دلیل ہے؟''

پہلے حضرت صاحب نے اُخروی شفاعت کی شرط ''اِلاّ بِاِذْنِہٖ'' کا غلط سہارا لے کر اسے ہر دنیوی سفارش کی اتھارٹی قرار دیا۔ اب کے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی نمو کی شرط ''باذن اللہ'' کو اولیائے اللہ کی حاجت روائی کی لامحدود اتھارٹی قرار دینے کی وکالت کر رہے ہیں۔ اس اتھارٹی کی تفویض اور استمرار کے

وحدہٗ لاشریک

محمد سلیم ساقی